دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

5

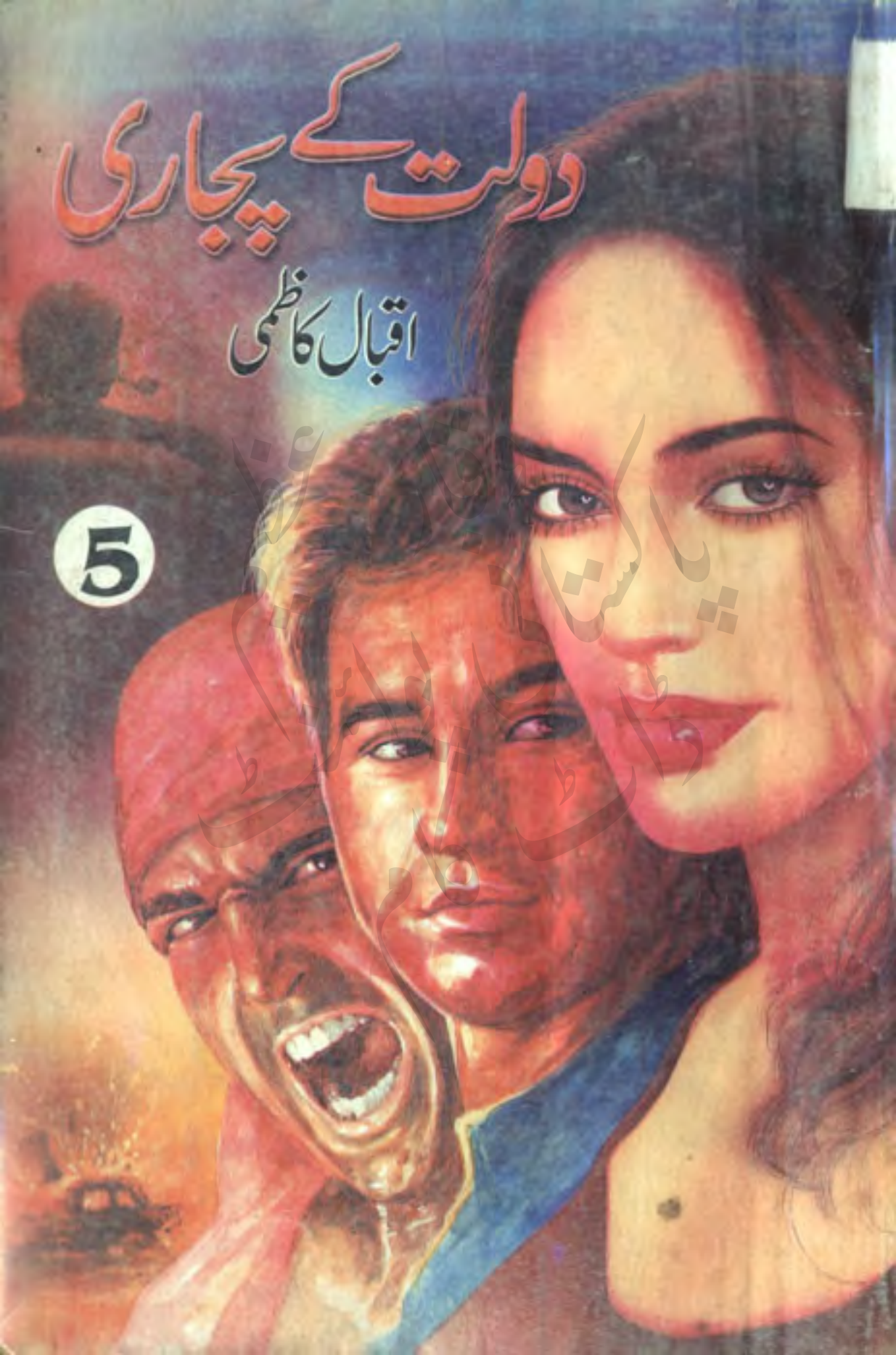

وقار عظیم
پاکستانی پوائنٹ
ڈاٹ کام

ثمینہ بیدار ہوئی تو سائے لمبے ہو چکے تھے۔
چشمے کے ٹھنڈے پانی سے منہ ہاتھ دھونے کے بعد بھی اس پر کسلمندی تو طاری رہی۔ نولکھا ٹہلتا ہوا اس کے قریب آگیا۔
"تم تو خوب سوئیں ثمینہ بی بی۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں- رات بھر جاگی تھی- نیند زیادہ ہی گہری ہو گئی تھی-" ثمینہ نے جواب دیا-

"اس لیے ہم نے تمہیں جگایا بھی نہیں تھا تاکہ تمہاری نیند پوری ہو جائے-" نولکھا نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا- "اچھا اب کچھ کھا پی لو تو یہاں سے روانگی کی تیاری کریں-"

"ہاں....اب تو سورج بھی جھک رہا ہے-" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ کر گاڑی کی طرف آگئی- گل رحمان اور شارق گاڑی کے پاس کھڑے تھے- ثمینہ نے گاڑی میں گھس کر پوٹلی کھول لی اور ایک نان نکال کر سالن کے بغیر ہی کھانے لگی-

"اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے شارق اور گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا-

"گل رحمان کہہ رہا ہے کہ گردیز میں اس کا ایک دوست رہتا ہے- اس کے ہاں پناہ تو مل جائے گی لیکن اس کے خیال میں وہ زیادہ قابل اعتماد نہیں ہے- گردیز کی پولیس کو بھی ہمارے بارے میں اطلاع مل چکی ہوگی اور انہیں ہماری تلاش ہوگی-" شارق نے بتایا-

"گردیز میں کسی دوست کے پاس جانے کی ضرورت نہیں-" ثمینہ نے کہا-

"ملا نصیر الدین اپنے خاندان کو لے کر اوماڑئی گیا ہے- یہ گردیز سے چند میل آگے ایک چھوٹی سی بستی ہے- شاہ پری نے مجھے بتایا تھا کہ ملک طوطی خان اس کا ماموں ہے- شاہ پری نے مجھے دعوت بھی دی تھی کہ کبھی اس طرف آنے کا اتفاق ہو تو ہم ان کے پاس ضرور آئیں-"

"پھر تو کام بن گیا-" گل رحمان نے جواب دیا- "اوماڑئی میں ہم ہر لحاظ سے محفوظ رہیں گے- ہم گردیز شہر میں داخل ہونے کے بجائے باہر ہی باہر سے اوماڑئی کی طرف نکل جائیں گے-"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہیے-" ثمینہ ایک لقمہ توڑ کر منہ میں رکھتے ہوئے بولی-

"تم اطمینان سے روٹی کھا لو تو پھر چلتے ہیں-" گل رحمان مسکراتے ہوئے بولا- ثمینہ نے روٹی کھانے کے بعد چشمے سے پانی پیا اور نولکھا کے ساتھ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی-

اس کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب سورج مغرب میں ایک پہاڑی چوٹی کے پیچھے غوطہ لگانے کی تیاری کر رہا تھا' گل رحمان نے گاڑی کا انجن اسٹارٹ کر دیا- تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ بلندی پر واقع پتھریلے راستے پر پہنچ گئے- گل رحمان تیز رفتاری سے گاڑی چلاتا رہا لیکن جب شام کا اندھیرا پھیلنے لگا تو اس نے رفتار کم کر دی- اس نے گاڑی کے ہیڈ لیمپ روشن نہیں کیے تھے اور اندھیرے میں تیز رفتاری سے گاڑی چلانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا-

سڑک پہاڑیوں میں بل کھاتی ہوئی جا رہی تھی- تقریباً دو گھنٹے بعد انہیں ایک موڑ گھومتے ہوئے بہت دور نشیب میں شہر گردیز کی روشنیاں دکھائی دیں اور چند منٹ بعد ہی یہ روشنیاں نگاہوں سے اوجھل ہو گئیں- ان کی گاڑی ایک پہاڑی کے گرد گھوم رہی تھی-

دفعتاً" گاڑی کا انجن ہچکولے لینے لگا اور پھر فیول بتانے والے ڈائل پر نظر پڑتے ہی گل رحمان چونک گیا- سوئی زیرو پر تھرتھرا رہی تھی-

"کیا ہوا؟" شارق نے گل رحمان کی طرف دیکھا اور پھر اس کی نظر بھی ڈائل کی طرف اٹھ گئی-

"پٹرول ختم ہو گیا ہے-" گل رحمان نے کہا- اس کے لہجے میں تشویش تھی-

پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ اور نولکھا نے بھی یہ بات سن لی تھی- وہ دونوں تشویش آمیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے- گاڑی کچھ دیر تک ڈھلان پر رینگتی رہی' پھر ایک جگہ رک گئی-

"اب کیا ہوگا بھائی گل رحمان؟" یہ سوال نولکھا نے کیا تھا- اس کے لہجے میں تشویش نمایاں تھی-

"پیدل چلنا ہوگا اور کیا؟" گل رحمان کے بجائے شارق نے جواب دیا- پھر وہ گل رحمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا- "شہر یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"پانچ چھ میل تو ہوگا-" گل رحمان نے جواب دیا "اور ہمیں پانچ چھ میل مزید آگے جانا ہوگا لیکن ہمیں شہر میں تو داخل نہیں ہونا- ہم شہر کے باہر سے ہوتے ہوئے اوماڑئی کی طرف نکل جائیں گے- اس طرح ہمیں زیادہ سے زیادہ آٹھ نو میل کا فاصلہ طے کرنا پڑے گا-"

"آٹھ نو میل!" نولکھا کے حلق سے کراہ سی نکلی-

"فاصلہ زیادہ نہیں ہے نولکھا بھائی- ہمت سے کام لو- ہم جلد ہی اوماڑئی پہنچ جائیں گے-" گل رحمان بولا-

"ہمت تو کرنی ہی پڑے گی-" نولکھا ایک بار پھر کراہا-

"کھانے پینے کا سامان نکال لو اور رائفلیں لے لو- اس پیٹی میں رائفلوں کے میگزین ہیں- ایک ایک دو دو میگزین اٹھا لو- شاید ضرورت پڑ جائے- اس کے بعد گاڑی کا بندوبست کرنا ہوگا-" گل رحمان نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا-

وہ سب گاڑی سے اتر آئے تھے- رائفلوں کے استعمال شدہ میگزین نکال کر پھینک دیئے گئے- ان کی جگہ نئے میگزین لوڈ کر لئے گئے اور ایک ایک فاضل میگزین بھی لے لیا گیا- ثمینہ نے کھانے پینے والی چیزوں کی پوٹلی بھی اٹھا لی تھی-

گل رحمان ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ان تینوں کو اشارہ کیا اور وہ گاڑی کو دھکا دینے لگے۔ گل رحمان دھکا دینے کے ساتھ اسٹیئرنگ بھی گھما رہا تھا۔ گاڑی ایک کھڈ کے کنارے پہنچ گئی اور پھر ایک زوردار دھکے سے گاڑی کھڈ میں قلابازیاں کھاتی ہوئی تقریباً سو فٹ نیچے جا گری۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ پٹرول کی ٹنکی نہیں پھٹی' تاہم اس کے دو پہیے الگ ہو کر دور چلے گئے تھے۔

"اب تھوڑا آگے جا کر راستے کا تعین کرنا پڑے گا۔ اس طرف آؤ۔" گل رحمان کہتے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔

وہ تینوں بھی اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ چٹان کے اوپر سے گھوم کر وہ لوگ دوسری طرف آگئے۔ گردیز شہر کی روشنیاں ایک بار پھر دکھائی دینے لگی تھیں۔

راستہ مسلسل ڈھلان کی طرف جا رہا تھا۔ وہ اس راستے پر تقریباً لڑھکتے ہوئے چلتے رہے۔ تقریباً ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ ایک بلند جگہ پر رک گئے۔ شہر اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا لیکن وہ شہر کا رخ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ وہ کچھ دیر وہیں رکے' پھر آگے چلنے لگے۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ پھر رک گئے۔ یہاں سے ایک اور راستہ دائیں طرف کو پھوٹ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے یہی راستہ اوماڑئی کی طرف جاتا ہے۔ اس طرف چلنا چاہیے۔" گل رحمان نے کہا۔

وہ لوگ کچھ کہے بغیر گل رحمان کے پیچھے چل پڑے۔ یہ راستہ اونچا نیچا تھا۔ انہیں کبھی ڈھلان پر اترنا پڑتا اور کبھی چڑھائی چڑھنی پڑتی۔ مسلسل دو گھنٹے چلتے رہنے سے ثمینہ بری طرح تھک گئی تھی۔ نولکھا کی حالت بھی کچھ اچھی نہیں تھی۔ انہیں رائفلیں بھی بوجھ محسوس ہونے لگی تھیں۔ ثمینہ کو چلتے چلتے کسی پتھر سے ٹھوکر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی کراہ بھی نکلی تھی۔ گل رحمان اور شارق آگے آگے تھے۔ وہ بھی رک گئے۔ شارق ثمینہ کے قریب پہنچ گیا اور اسے سہارا دے کر اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔

"مجھ سے اب نہیں چلا جاتا۔" ثمینہ نے کراہتے ہوئے کہا۔ "مجھے یہیں چھوڑ دو۔ اب میں اور آگے نہیں جا سکتی۔"

"تمہیں یہاں کیسے چھوڑ دیں ثمینہ بی بی؟" نولکھا نے کہا۔ "ہمت کرلو۔"

"ابھی پتہ نہیں اور کتنی دور جانا ہوگا۔" ثمینہ پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولی۔ شہر کی روشنیاں اب دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

"گل رحمان۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم نے اور ثمینہ نے بھی بتایا تھا کہ اوماڑئی گردیز شہر سے پانچ چھ میل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم مسلسل دو گھنٹے سے چل رہے ہیں

لیکن دور دور تک کسی بستی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔ کہیں ہم راستہ تو نہیں بھول گئے؟"

"میرا خیال ہے ہم ٹھیک راستے پر جا رہے ہیں۔ یہاں تھوڑی دیر آرام کر لو..... پھر آگے چلیں گے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔

"گل رحمان اور شارق وغیرہ بھی پتھروں پر بیٹھ گئے۔ اونچے نیچے راستوں پر مسلسل چلتے رہنے سے وہ بھی تھک گئے تھے لیکن وہ نولکھا اور ثمینہ کے سامنے اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ دوبارہ چل پڑے۔ آگے چھوٹے چھوٹے ٹیلے تھے۔ مزید ایک گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ٹیلوں سے باہر آگئے اور اس کے ساتھ ہی انہیں چونک جانا پڑا۔ سامنے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ گاڑی کا رخ اسی طرف تھا اور ناہموار راستے پر گاڑی اچھلتی ہوئی چلی آرہی تھی۔ اس کا اندازہ ان روشنیوں سے ہو رہا تھا جو اچھلتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"یہ گاڑی اسی طرف آرہی ہے۔ اس ٹیلے کے پیچھے چلے جاؤ۔" گل رحمان نے کہا۔ وہ سب لوگ ٹیلے کے پیچھے دبک گئے۔ وہ گاڑی قریب آتی جا رہی تھی۔ روشنی کبھی ٹیلے پر پڑنے لگتی اور کبھی اس کا رخ کسی اور طرف مڑ جاتا۔

تقریباً دس منٹ بعد وہ گاڑی سامنے آگئی۔ وہ پولیس کی جیپ تھی۔ کھلی چھت کی اس جیپ میں چھ پولیس والے تھے۔ دو پولیس والے کھڑے تھے۔ چند گز آگے نکلنے کے بعد جیپ رک گئی۔ دو آدمی اتر کر سڑک کے دوسری طرف ٹیلوں میں چلے گئے۔ وہ اپنی رائفلیں بھی دوسروں کو تھما گئے تھے۔

"ہم لوگوں کو بلاوجہ اس طرف دوڑایا جا رہا ہے' وہ لوگ نجانے کس طرف گئے ہوں گے۔" جیپ کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔

"انہیں براکی سے چرخ کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ چرخ سے ایک راستہ اس طرف بھی آتا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس راستے پر آئے ہوں۔ اس لیے تو ہمیں اس طرف چیک کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"چرخ سے آگے بھی کئی راستے ہیں۔ وہ کسی اور طرف بھی جا سکتے ہیں۔" یہ پہلی آواز تھی۔ "انہیں براکی سے نکلے ہوئے چوبیس گھنٹے ہو چکے ہیں۔ اب تو وہ نجانے کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔"

"ہمیں بہرحال چیک کرنا ہے۔ یہ ہماری ڈیوٹی ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔ اسی دوران ٹیلوں کی طرف جانے والے دونوں آدمی واپس آگئے۔

وہ لوگ دری زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ شارق وغیرہ کچھ سمجھ تو نہیں سکے لیکن نولکھا نے رائفل سیدھی کر لی تھی۔ ممکن ہے وہ فائر کھول دیتا لیکن گل رحمان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"وہ یہاں ہماری موجودگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔" اس نے سرگوشی کی۔ "بہتر ہے وہ ہمارے بارے میں لاعلم ہی رہیں۔"

"لیکن اگر انہوں نے کھڈ میں ہماری گاڑی دیکھ لی تو سمجھ جائیں گے کہ ہم اس طرف آئے ہیں۔"

"اس کا امکان نہیں کہ وہ اندھیرے میں کھڈ میں پڑی ہوئی گاڑی کو دیکھ لیں گے۔ اگر گاڑی دیکھ بھی لی گئی تو وہ ہمیں ان پہاڑوں ہی میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے لیکن اگر ہم نے یہاں ان کا مقابلہ کیا اور وہ سب ہمارے ہاتھوں مارے بھی گئے تو یہاں ان کی لاشیں یہ راز کھول دیں گی کہ ہم کس طرف گئے ہیں۔ ہماری تلاش میں آس پاس کی بستیوں کو کھنگال ڈالا جائے گا۔ اوماڑئی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم چوہوں کی طرح پکڑے جائیں گے۔ نہیں میرے دوست بہتر یہی ہے کہ خاموش بیٹھے رہو اور ان لوگوں کو آگے جانے دو۔"

بات نولکھا کی سمجھ میں آگئی تھی۔ اس نے رائفل نیچے جھکا لی تھی۔ وہ جیپ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دونوں پولیس والے جیپ پر سوار ہو چکے تھے۔ جیپ کا انجن اسٹارٹ ہوا اور وہ ایک ہلکے سے جھٹکے سے آگے بڑھ گئی۔

جیپ کے جانے کے تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ اپنی کمین گاہوں سے نکلے اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اس پتھریلے راستے پر چلنے لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ پختہ سڑک پر پہنچ گئے۔ گردیز سے آنے والی یہ سڑک زرادک، ارغون اور سردبی کی طرف چلی گئی تھی۔

سڑک کے دوسری طرف بھی ایک کچا راستہ تھا اور بہت آگے ایک روشنی ٹمٹماتی ہوئی سی نظر آرہی تھی۔ اس راستے سے کچھ ہٹ کر دائیں طرف ایک باغ تھا۔ وہ سڑک پار کرکے اس کچے راستے پر چل پڑے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ اوماڑئی بستی ہوگی لیکن روشنی کے قریب پہنچ کر انکشاف ہوا کہ وہ ایک ہی مکان تھا۔ ایک اونچے پتھر پر رکھی ہوئی لالٹین روشن تھی اور اسی کی روشنی نہیں دکھائی دی تھی۔ وہ مکان کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

"کوئی ہے؟ یہاں کوئی ہے؟" گل رحمان نے اونچی آواز میں یہ جملہ پہلے فارسی اور پھر دری زبان میں دہرایا۔

"چند سیکنڈ بعد ایک آدمی مکان سے باہر آگیا۔ اس کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ رہی

ہوگی۔ کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔

"کون ہے؟ کون ہو تم لوگ؟" وہ آدمی الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ پہلے رائفل کندھے سے اتارنے کے لیے اٹھا تھا لیکن پھر اس کا ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ اس نے ان سب کے پاس رائفلیں دیکھ لی تھیں۔

"اوماڑئی یہاں سے کتنی دور ہے؟" گل رحمان نے پوچھا۔

"تقریباً ایک میل۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ملک طوطی خان کا گھر بستی میں کس طرف ہے؟" گل رحمان نے دوسرا سوال کیا۔

ملک طوطی کا نام سن کر اس شخص کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"ڈرو نہیں۔" گل رحمان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "ہم دشمن نہیں ملک طوطی خان کے دوست ہیں۔ بہت دور سے آئے ہیں۔"

"برامی سے؟" اس شخص نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ لیکن تم نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟" گل رحمان چونک سا گیا۔

"اس کے ہاں پہلے سے بھی برامی سے کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں اور....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"اور کیا؟" گل رحمان نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ پہلے پولیس کی ایک جیپ ادھر آئی تھی۔ انہیں برامی سے فرار ہونے والے کچھ لوگوں کی تلاش تھی۔ ان میں ایک عورت بھی ہے۔" وہ آدمی خاموش ہو کر ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"وہ کوئی اور ہوں گے۔" گل رحمان نے جواب دیا۔ ویسے وہ اس شخص کی بات سن کر چونکے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ "ہم ملک طوطی کے مہمان ملا نصیر الدین کے دوست ہیں۔ دو دن پہلے وہی اپنے گھر والوں کے ساتھ یہاں آیا ہے۔ اس نے ہمیں یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ یہاں سے تقریباً دو میل دور ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے جس کی وجہ سے ہمیں پیدل آنا پڑا۔"

اور پھر اس شخص کی باتوں سے انکشاف ہوا کہ عبداللہ نامی یہ شخص ملک طوطی کا ملازم ہے اور یہ باغ بھی ملک طوطی ہی کا ہے۔

"ٹھیک ہے، تم ہمیں ملک طوطی کے گھر پہنچا دو۔" گل رحمان نے کہا۔

اس شخص نے مکان کا دروازہ بند کر دیا اور پتھر پر رکھی ہوئی لالٹین اٹھا کر ان کے ساتھ چل پڑا۔ ثمینہ بری طرح تھکی ہوئی تھی۔ اس کے لیے قدم اٹھانا مشکل ہو رہا تھا لیکن اس امید پر چلتی

رہی کہ کچھ دیر بعد وہ ایسی جگہ پہنچ جائیں گے جہاں انہیں آرام کرنے کا موقع مل جائے گا۔

جب وہ بستی میں پہنچے تو رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ بستی دس بارہ گھروں مشتمل تھی۔ شخص ایک حویلی نما مکان کے سامنے رک گیا اور زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ دو تین منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا۔ عبداللہ فارسی زبان میں اس سے بات کرنے لگا ساتھ ہی وہ پیچھے کھڑے ہوئے شارق وغیرہ کی طرف اشارے بھی کر رہا تھا۔

وہ شخص چند لمحے ان کی طرف دیکھتا رہا' پھر اندر چلا گیا۔ تین چار منٹ بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ دو آدمی اور بھی تھے۔ ان میں سے ایک ملا نصیرالدین تھا اور دوسرا ملک طوطی خان۔

ملا نصیرالدین گل رحمان اور شارق وغیرہ کو دیکھ کر چونک گیا۔ وہ دونوں بڑی گرمجوشی سے ان لوگوں سے ملے اور انہیں اندر لے گئے۔ ان کے چہروں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ انہیں سوتے میں سے جگایا گیا تھا۔ گھر کے دوسرے افراد سو رہے تھے لیکن ان کی آوازیں سن کر وہ بھی جاگ گئے۔ شاہ پری گرمجوشی سے ثمینہ سے ملی تھی۔

گل رحمان نے ملا نصیرالدین کو بتایا کہ وہ کن حالات میں براکی سے نکلے تھے اور اب کس نوعیت کی صورتحال سے دوچار ہیں۔ ملک طوطی خان بھی یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ گل رحمان خاموش ہوا تو وہ بولا۔

"فکر مت کرو۔ کسی کو شبہ نہیں ہوگا کہ تم لوگ یہاں موجود ہو۔"

"لیکن اگر پولیس ہماری تلاش میں کسی وقت اس طرف آگئی اور بستی کے لوگوں نے بتا دیا کہ کچھ اجنبی یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں تو....."

"اس کی تم فکر مت کرو۔" ملک طوطی خان نے کہا۔ "سارے بستی والے میرے قبیلے کے لوگ ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسی جرأت نہیں کرے گا۔"

اس نے عبداللہ کو اندر بلایا اور اسے ہدایت کر دی کہ وہ واپس چلا جائے اور اگر پولیس اس طرف آئے اور مہمانوں کے بارے میں دریافت کرے تو انہیں کچھ بھی نہ بتایا جائے۔

ملک طوطی خان نے اپنے گھر والوں کو مہمانوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنے کو کہا اور اپنے بیٹے کو کچھ ہدایات دے کر باہر بھیج دیا۔

وہ سب لوگ مہمان خانے میں بیٹھے تھے۔ تقریباً دس منٹ بعد کچھ لوگ آنا شروع ہو گئے۔ اس طرح بیس منٹ میں وہاں پندرہ آدمی جمع ہو چکے تھے۔ یہ سب اس بستی کے گھروں کے سربراہ تھے اور وہ سب ملک طوطی خان کے سامنے بڑے مؤدبانہ انداز میں بیٹھے تھے اور کن انکھیوں سے شارق اور نولکھا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ پہلے ہی شاہ پری کے ساتھ زنان خانے میں چلی گئی

تھی۔

"یہ ہمارے مہمان ہیں۔" ملک طوطی خان نے شارق اور گل رحمان وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ براکی میں ملک فرید کے مہمان تھے۔ کابل میں حکومت نے ملک فرید کو گرفتار کر لیا تو براکی پولیس نے ان لوگوں کو بھی گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن یہ لوگ وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے ہاتھوں پولیس کے کچھ آدمی بھی مارے گئے ہیں۔"

"آفرین۔" ایک آدمی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آفرین' آفرین۔" دو تین اور آدمی بھی بول اٹھے۔

"یہ لوگ بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچے ہیں۔" ملک طوطی خان نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "گردیز کی پولیس بھی ان کی تلاش میں ہے۔ عبداللہ جان نے بتایا تھا کہ پولیس کی ایک جیپ ان کی تلاش میں اس طرف بھی آئی تھی اور اس سے پوچھ کر وہیں سے واپس چلے گئے تھے۔ پولیس کی جیپ کو ان لوگوں نے سڑک کے دوسری طرف پہاڑی راستے پر جاتے دیکھا ہے لیکن عین ممکن ہے کہ پولیس ان کی تلاش میں دوبارہ اس طرف آجائے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "یہ ہمارے مہمان ہیں اور تم لوگ جانتے ہو کہ مہمانوں کی حفاظت کس طرح کی جاتی ہے۔ میں نے عبداللہ کو ہدایت کر دی ہے کہ اگر پولیس ان کی تلاش میں دوبارہ اس طرف آئے تو وہ ہوائی فائر کرکے ہمیں سگنل دے دے.....اب کم از کم دو آدمی ایسے ہوں گے جو بستی کے باہر پہرہ دیں گے۔ ہو سکتا ہے عبداللہ کو فائر کرکے سگنل دینے کا موقع نہ ملے اور پولیس یہاں پہنچ جائے تو بستی کے باہر پہرہ دینے والے ہمیں ہوشیار کر دیں گے۔ اب تم میں سے کون دو آدمی پہریداری کی ذمہ داری قبول کریں گے؟"

بیک وقت آٹھ ہاتھ اٹھے تھے۔ ملک طوطی خان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"تم اور تم....." ملک طوطی خان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بستی کے باہر پہرہ دو گے۔ اگر پولیس اس طرف آئی تو ان کی گاڑی کی روشنی دور سے نظر آجائے گی۔ گاڑی کو دیکھتے ہی تم لوگ بستی کے لوگوں کو اطلاع دے دو گے.....ظاہر ہے پولیس والے پوچھ گچھ کریں گے اور ہم مہمانوں کی موجودگی سے لاعلمی کا اظہار کریں گے اور اگر انہوں نے زبردستی گھروں میں گھسنے کی کوشش کی تو ان کی مزاحمت کی جائے گی۔ مہمانوں کا تحفظ ہمارا فرض ہے۔ ہم اپنی جانیں دے کر بھی ان کی جانیں بچائیں گے۔ بس اب تم لوگ جاؤ اور ہوشیار رہو۔"

وہ سب لوگ اٹھ گئے۔ انہوں نے باری باری شارق وغیرہ سے ہاتھ ملایا اور باہر چلے گئے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر شارق اور نولکھا بے حد متاثر ہوئے تھے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ یہ مفرور ہیں اور

کئی پولیس والوں کے قتل میں ملوث تھے لیکن وہ لوگ نہ صرف انہیں پناہ دینے بلکہ ان کی حفاظت کے لیے اپنی جانوں کی بازی لگانے کو بھی تیار تھے۔ اس سے شارق کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ عوام انتظامیہ سے بیزار تھے اور کسی بھی معاملہ میں ان سے تعاون کرنے کو تیار نہیں تھے۔

کچھ ہی دیر بعد ملک طوطی کا بیٹا دسترخوان لے کر آگیا۔ اس نے قالین پر دسترخوان بچھا دیا اور اندر سے کھانا لا کر سجانے لگا۔ دوسرا بیٹا ایک بڑے کوزے میں پانی لے آیا تھا۔ اس کے کندھے پر ایک تولیہ بھی رکھا ہوا تھا۔ اس نے مہمانوں کو برآمدے میں لے جا کر ان کے ہاتھ دھلائے اور کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ ملک طوطی خان اور ملا نصیرالدین بھی اخلاقاً ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

کھانے کے بعد وہ جلد ہی سو گئے لیکن صبح انہیں اٹھنا بھی جلدی پڑا تھا۔ ناشتے کے بعد انہیں حویلی کے پچھلے حصے میں پہنچا دیا گیا۔ یہ حصہ حویلی سے تقریباً الگ تھلگ تھا اور کئی کمروں پر مشتمل تھا۔ یہاں ایک وسیع و عریض تہہ خانہ بھی تھا۔ طوطی خان نے سب سے پہلے انہیں یہ تہہ خانہ دکھایا تھا۔ تہہ خانے سے ایک زیرزمین سرنگ حویلی کے باہر تک چلی گئی تھی۔ طوطی خان نے انہیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ سرنگ حویلی کے باہر کس جگہ نکلتی تھی۔ ملک طوطی خان نے اپنا ایک آدمی صبح سویرے ہی گردیز شہر بھیج دیا تھا تاکہ وہاں سے صورتحال کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکیں۔ وہ آدمی دوپہر بارہ بجے کے قریب واپس آیا۔ اس کی فراہم کردہ اطلاعات ان کے لیے خاصی تشویشناک تھیں۔

اس آدمی کی اطلاع کے مطابق آج صبح پولیس کو پہاڑوں میں کھڈ میں گری ہوئی وہ لینڈ کروزر مل گئی تھی جس پر یہ لوگ براکی سے اس طرف آئے تھے۔ اتفاق سے جس جگہ کھڈ میں وہ گاڑی ملی تھی، اس سے چند گز آگے ایک راستہ زرمالی کی طرف جاتا تھا اور پولیس کی ایک پارٹی ان لوگوں کی تلاش میں زرمالی کی طرف گئی ہوئی ہے۔ اس طرف اور بھی بہت سی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں۔ وہ ان لوگوں کو اس طرف تلاش کرنے کی کوشش کریں گے اور اس کے ساتھ ہی دیگر اطراف میں بھی ان کی تلاش جاری رکھی جائے گی۔

یہ اطلاع اس لیے بھی تشویشناک تھی کہ اگر پولیس کی کوئی پارٹی اس طرف بھی نکل آئی تو انہیں اس بستی تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی اور بستی کے ہر شخص کو معلوم تھا کہ وہ لوگ حویلی میں موجود ہیں۔ اگر ایک آدھ آدمی کی بات ہوتی تو اس راز کو چھپایا جا سکتا تھا لیکن یہاں تو بستی کا ہر شخص ان کے بارے میں جان چکا تھا۔ پولیس کے لیے ان کا سراغ لگانا مشکل نہیں ہوگا۔

شارق اس بات سے ڈر رہا تھا کہ ان کی وجہ سے بستی کے لوگوں کو مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ وہ اس بات کا اندازہ لگا چکا تھا کہ اس بستی کے لوگ بہت ہی مہمان نواز اور دلیر تھے۔ انہوں نے یہ عہد کر لیا تھا کہ اپنی جان دیدیں گے لیکن مہمانوں پر آنچ نہیں آنے دیں گے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ کب تک اس صورتحال کا مقابلہ کریں گے۔ وہ قبائلیوں کی جنگجوانہ فطرت سے واقف تھا لیکن اگر بستی کو پولیس نے گھیرے میں لے لیا تو کیا ہوگا؟

شارق نے ملا نصیرالدین اور طوطی خان کے سامنے اپنے ان خدشات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہماری وجہ سے بستی والوں پر کوئی افتاد نازل ہو۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم پولیس کے آنے سے پہلے ہی یہاں سے نکل جائیں۔"

"اگر تم لوگ جانا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ملک طوطی خان نے جواب دیا۔ "لیکن تم لوگوں کے بارے میں سرحدی چوکیوں تک خبر پہنچ چکی ہے۔ تم لوگ اس وقت تک کہیں نہیں جا سکتے جب تک معاملہ سرد نہیں پڑ جاتا۔"

"لیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے ہمارے محسنوں کو پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے۔" شارق نے کہا۔

"یہ سوچنا تمہارا کام نہیں ہے۔" ملک طوطی نے کہا۔ "ہم مہمانوں کو خدا کی رحمت سمجھتے ہیں، زحمت نہیں۔ اس دوران اگر کوئی پریشانی آتی ہے تو اس کا ذمہ دار ہم اپنے مہمانوں کو نہیں سمجھتے۔ ویسے میں نے تم لوگوں کی حفاظت کے لیے پورا پورا بندوبست کر لیا ہے۔ تم لوگوں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"کیسا بندوبست؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"حکومت کا باغی طور خان میرا بڑا اچھا دوست ہے۔ وہ پچھلے چھ مہینوں سے پہاڑوں پر ہے۔ اس کے ساتھ اس کا پورا گروہ بھی ہے۔ طور خان کبھی کبھی میرے پاس آتا رہتا ہے۔ میں نے ہمیشہ اس کی مدد کی ہے۔ وہ بھی کئی مرتبہ ہمارے کام آیا ہے۔ میں نے اپنا ایک آدمی اس کی طرف بھیج دیا ہے کہ وہ آج شام سے پہلے پہلے ہماری بستی کے قریب پہنچ جائے۔ آج دن میں تو پولیس کے اس طرف آنے کی توقع نہیں ہے۔ اگر رات کے وقت پولیس اس طرف آئی تو اسے بڑی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ بستی کے اندر سے ہمارے آدمی ہوں گے اور باہر طور خان اور اس کے آدمی۔ اگر ضروری ہوا تو تم لوگوں کو طور خان کے ساتھ بھیج دیا جائے گا۔"

شارق نے مزید بحث نہیں کی۔ اس کے خیال میں بحث کرنا بیکار تھا۔ ملک طوطی خان اس کی

ایک نہیں سنے گا۔ ملک طوطی خان کو تو مہمانوں کا اتنا خیال تھا کہ اس نے ان کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کر لیا تھا۔

"بات یہ ہے میرے دوست۔" ملک طوطی خان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "قتل و غارت افغانستان میں روز کا ایک معمول بن چکا ہے۔ یہاں کوئی قانون نہیں رہا۔ جو طاقتور ہے' اس کی ہر بات قانون بن جاتی ہے۔ وہ اپنے مخالفین کو دبانے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں۔ ملک فرید کی مثال تمہارے سامنے ہے۔ تم جانتے ہو اسے کابل میں کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟"

"میں اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ مجھے تو بس اس کی گرفتاری کی خبر ملی تھی۔" شارق نے جواب دیا۔

"ملک فرید میرا بڑا اچھا دوست ہے۔ ہم کبھی کبھی مشترکہ طور پر کاروبار بھی کر لیتے ہیں۔ میں اس کے بارے میں کسی بات سے بے خبر نہیں ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ حاجی نے تم لوگوں کو لاہور سے افغانستان کیوں بھیجا تھا۔"

"کیا.....؟" شارق اچھل پڑا۔ اسے ملک طوطی کے اس جملے پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔

"تم لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ افغانستان سے بڑی مقدار میں ہیروئن پاکستان پہنچانی ہے لیکن بات یہ نہیں ہے۔ میں تمہارے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ تم ایک دلیر اور ذہین شخص ہو لیکن ذہین ہونے کے باوجود تم بڑی آسانی سے حاجی کی چال میں آگئے۔"

"میں سمجھا نہیں۔" شارق الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اس انکشاف سے بڑی حیرت ہوئی تھی کہ افغانستان جیسے ملک میں دور دراز کی اس چھوٹی سی بستی کا رہنے والا یہ شخص اس کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے۔

"انجان مت بنو۔" ملک طوطی نے اسے گھورا۔ "تم لاہور میں جو کچھ بھی کرتے رہے ہو' میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے کراچی میں میلوں دور سمندر میں حاجی کا مال کس طرح بحری جہاز پر منتقل کیا تھا۔ تمہارے انہی کارناموں کی بدولت حاجی کو تم سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا لیکن وہ تم جیسے شخص سے دشمنی مول نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے تمہیں بھاری کمیشن اور کوٹھی و کار کے تحفے دے کر تمہیں اپنا مطیع کرنا چاہا لیکن تم اس کے دام میں نہیں آئے۔ اتفاق سے انہی دنوں حاجی کو ملک فرید کی طرف سے ایک پیشکش موصول ہوئی جسے اس نے فوراً قبول کر لیا اور تمہیں بھاری کمیشن کا لالچ دے کر یہ آفر دے دی اور تم آسانی سے اس کے جھانسے میں آگئے۔"

یہ انکشافات شارق کو حواس باختہ کیے دے رہے تھے۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے اور جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا وہ واقعی اتنا بے وقوف ہے کہ آسانی سے حاجی کی کسی چال میں آگیا۔

"اس کا منصوبہ کچھ اور تھا۔" ملک طوطی خان کہہ رہا تھا۔ "بات ہیروئن کی نہیں' اربوں روپے مالیت کے قدیم نوادرات کی ہے۔"

"نوادرات!" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "نوادرات اس معاملے میں کہاں سے آگئے؟"

"کابل کے میوزیم میں کئی قدیم تہذیبوں کے نوادرات بھرے ہوئے تھے۔ ہزاروں سال پر محیط ایک تاریخ تھی جو ان نوادرات کی صورت میں کابل میوزیم میں محفوظ تھی۔ روسی طویل عرصہ تک افغانستان پر مسلط رہے لیکن انہوں نے بھی اس میوزیم کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا مگر روسیوں کے جانے کے بعد افغان آرمی کے ایک جرنیل نے کابل میوزیم کو اپنی ملکیت سمجھ لیا۔ کچھ نوادرات اس نے دوستوں میں بانٹ دیئے اور اربوں روپے مالیت کے نوادرات چھپا دیئے۔ اس کے بعد میوزیم کی عمارت میں گولہ باری کروا دی گئی اور میوزیم کو لوگوں نے لوٹ لیا۔ وہ فوجی جنرل ملک فرید کا دوست تھا۔ اس نے ملک فرید کے ساتھ مل کر ان نوادرات کو ملک سے باہر اسمگل کرنے کا پروگرام بنایا۔ ملک فرید نے حاجی سے مل کر منصوبہ تیار کیا اور حاجی نے تمہیں یہاں بھیج دیا۔ اس نے دوہری چال چلی تھی۔ افغانستان کے حالات سے وہ اچھی طرح واقف ہے۔ اس کا خیال تھا کہ اگر تم مارے گئے تو اسے تم سے نجات مل جائے گی اور اگر نوادرات سمگل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں اتنا کچھ مل جاتا کہ تم ہیروئن کے چکر سے نکل جاتے اور اس کی اجارہ داری قائم رہتی۔"

"لیکن تم لوگوں کے براکی پہنچنے تک صورتحال بدل گئی۔ حکومت سے اختلافات کی وجہ سے اس فوجی جنرل کو کابل سے فرار ہونا پڑا۔ وہ کابل سے فرار ہو کر حکومت کے مخالف گروپ میں شامل ہو گیا۔ ملک فرید کو اس صورتحال کا علم تھا۔ دو دن پہلے اسے کابل سے ایک خفیہ پیغام ملا کہ وہ فوری طور پر کابل پہنچ جائے۔ جنرل کابل میں موجود ہے اور نوادرات کے سلسلے میں اس سے ملنا چاہتا ہے۔

جنرل اور ملک فرید کی ملاقات بالا کوہ کے علاقے میں واقع ایک چھوٹے سے مکان میں ہوئی تھی۔ حکومت کو اس ملاقات کا پتہ چل گیا۔ جب چھاپہ مارا گیا تو جنرل تو فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا لیکن ملک فرید اور اس کے دو ساتھی پکڑے گئے جو اس منصوبے سے واقف تھے۔ ان میں

سے ایک آدمی نے حکومت کو بتا دیا کہ ملک فرید اور جنرل وہ نوادرات اسمگل کرنا چاہتے ہیں انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ تم لوگ نوادرات لینے کے لیے براکی پہنچ چکے ہو۔ اس لیے تم لوگوں گرفتاری کے لیے ملک فرید کے مکان پر چھاپہ مارا گیا تھا۔ گل رحمان کو بروقت صورتحال کا پتہ گیا اور وہ تم لوگوں کو لے کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اب تم لوگوں کو اس لیے تلاش نہیں کیا جا کہ تمہارے ہاتھوں دو چار آدمی مارے گئے ہیں۔ آدمی تو روز ہی مارے جا رہے ہیں۔ حکومت کسی کی جان کی پروا نہیں ہے' اسے تو اربوں روپے مالیت کے نوادرات کی ضرورت ہے جو ا کے خیال میں یا تو ملک فرید کے قبضے میں ہیں یا تم لوگ ان کے بارے میں جانتے ہو۔ ا نوادرات میں چین میں منگ دور کا ایک ایسا مجسمہ بھی ہے جو سائز میں اگرچہ ایک بالشت سے ز نہیں ہے لیکن چین کی حکومت ٹھوس سونے سے بنے ہوئے اس مجسمے کی منہ مانگی قیمت ادا سکتی ہے۔ یہ مادیت کا دور ہے۔ یہاں قیمت انسانوں کی نہیں' چیزوں کی لگتی ہے۔"

طوطی خان خاموش ہو گیا۔ شارق کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اتنی بڑ سازش ہو رہی تھی اور وہ بے خبر تھا اور ستم ظریفی تو یہ تھی کہ وہ اس سازش کا مرکزی کردار لیکن وہ اس سے لاعلم تھا۔

"کیا گل رحمان کو یہ سب کچھ معلوم تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" ملک طوطی خان نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ بھی اصل منصوبے سے بالکل لاعلم تھا اسے بھی یہی بتایا گیا تھا کہ معاملہ ہیروئن کا ہے لیکن اسے یہ ہدایت کر دی گئی تھی کہ تم لوگوں کسی طرح براکی تک لے آئے۔ تم لوگوں کو آگے لانے میں ملک فرید کی پلاننگ بھی شامل تھی پہلے سرحد کے قریب ملاقات کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ تم لوگ مقررہ جگہ پر پہنچے تو ملا نصیر الدین کو پیغام دے کر تم لوگوں کے پاس بھیج دیا گیا کہ ملک فرید چند دیگر مصروفیات کی بناء پر اس قلعہ مکان میں نہیں آسکا۔ اس لیے تم لوگوں کو آگے لے آئے۔ اس طرح ہوتے ہوتے تم لوگوں کو بالآخر براکی پہنچا دیا گیا۔

منصوبہ یہ تھا کہ ملک فرید براکی میں تم سے ملاقات کرتا اور تمہیں اعتماد میں لے کر بتاتا کہ اصل منصوبہ کیا ہے۔ ہیروئن کی بات اور ہوتی لیکن یہ معاملہ قومی نوادرات کا ہے جنہیں حکومت کسی طرح بھی ملک سے باہر نہ جانے دیتی۔ یہ افغانستان کا قومی' تاریخی ورثہ اور قومی خزانہ ہے جسے ہر قیمت پر ملک سے باہر لے جانے سے روکا جاتا۔ اس میں تم لوگوں کی جان بھی جا سکتی تھی۔

"اتنا بڑا دھوکا اور مجھے پتہ بھی نہیں چلا۔" شارق بڑبڑایا۔

"جب تمہیں اصل منصوبے کا پتہ چلے گا تو شاید تم پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگو گے۔"

ملک طوطی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اصل منصوبہ۔" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا کوئی اور منصوبہ بھی تھا؟"

"ہاں۔" ملک طوطی مسکرایا۔ "اور ان کا اصل منصوبہ وہی تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اصل منصوبہ یہ تھا کہ تمہیں نقلی یا بہت معمولی قسم کے نوادرات دے کر روانہ کر دیا جاتا اور تمہاری روانگی کے بعد یہ راز لیک کر دیا جاتا کہ تم نوادرات لے کر جا رہے ہو۔ حکومت کے کارندے تمہارے پیچھے لگ جاتے اور دوسری پارٹی اصل نوادرات لے کر بڑے اطمینان سے کسی اور راستے سے نکل جاتی۔ وہ لوگ تو صحیح سلامت پاکستان پہنچ جاتے لیکن تم لوگ یا تو مارے جاتے یا پکڑے جاتے۔ پکڑے جانے کی صورت میں بھی تم لوگوں کی موت یقینی ہوتی۔ جب یہ انکشاف ہوتا کہ تم لوگوں کے پاس نوادرات نقلی یا بہت معمولی نوعیت کے ہیں تو وہ اصلی نوادرات کا پتہ چلانے کے لیے تم لوگوں پر تشدد کرتے۔ ہماری پولیس اور انٹیلی جنس نے روسیوں سے تشدد کے ایسے ایسے طریقے سیکھے ہیں کہ شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔"

"حیرت انگیز۔" شارق بولا۔ "ملک فرید کے مکان سے فرار ہونے سے پہلے گل رحمان نے بتایا تھا کہ ملک فرید کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس پر دباؤ ڈالنے کے لیے اس کے گھر والوں کو بھی گرفتار کر لیا جائے گا اور ہم بھی ساتھ پکڑے جائیں گے۔ اس لیے اس نے ہمیں فرار ہونے کا مشورہ دیا تھا لیکن یہ اندازہ تو مجھے بعد میں ہوا اس نے پہلے ہی سے فرار کی تیاری مکمل کر رکھی تھی۔ اسے کیا معلوم تھا کہ....."

"اسے فرار کے وقت بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔" ملک طوطی خان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ملک فرید کی گرفتاری کی اطلاع کے ساتھ ہی گل رحمان کو خفیہ طور پر یہ پیغام بھی ملا تھا کہ وہ تم لوگوں کو لے کر براکی سے نکل جائے۔ یہ تو محض اتفاق ہے کہ ثمینہ نے اسے یہاں آنے کا مشورہ دیا تھا لیکن اگر ثمینہ یہ مشورہ نہ بھی دیتی تو گل رحمان تم لوگوں کو لے کر یہیں آتا۔ مجھے کل صبح ہی تم لوگوں کے فرار کی اطلاع مل گئی تھی۔ تم لوگوں کی آمد میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔ یہ قبیلہ میرا وفادار ہے۔ میں نے یہ بتا دیا ہے کہ مہمانوں کی حفاظت کرنی ہے۔ یہ لوگ اپنی جانیں دیدیں گے لیکن تم لوگوں پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔"

"لیکن..... تم ہماری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" شارق بولا۔ "محض انسانی ہمدردی کی بنا پر یا اس کے پس منظر میں کچھ اور بھی ہے۔"

"تمہارا اندازہ درست ہے۔" ملک طوطی نے کہا۔ "انسانی ہمدردی بھی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ خیریت سے اپنے وطن پہنچ جاؤ۔ تم لوگوں کی مدد کرنے کا ایک مقصد اور بھی ہے اور وہ یہ

کہ وہ نوادرات اس ملک سے باہر نہ جانے پائیں۔"

"کیوں؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بڑا عجیب سا سوال ہے۔" ملک طوطی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"منشیات کا اسمگلر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میرا ضمیر مردہ ہو چکا ہے۔ یہ میرا وطن ہے۔ مجھے اس سے محبت ہے۔ اس کی ہر چیز سے محبت ہے۔ یہ نوادرات میرے ملک کا تاریخی اور قومی ورثہ ہے۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ یہ ورثہ اس طرح لٹ جائے۔ میں نے ملک فرید سے بھی کہا تھا کہ وہ ایسا نہ کرے لیکن وہ نہیں مانا۔ میرا فرض اسے سمجھانا تھا۔ میری بات ماننا یا نہ ماننا اس کا کام ہے۔ وہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا لیکن وہ اس میں کامیاب بھی نہیں ہو سکا۔ میں نے تو اسے یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ وہ تمام نوادرات حکومت کے حوالے کر دے لیکن افسوس کی بات تو یہ ہے کہ حکمران بھی قابل اعتماد نہیں ہیں۔ قومی خزانے کو وہ خود دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔ ہمارے حکمران یہ نوادرات اس لیے حاصل نہیں کرنا چاہتے کہ ان کی حفاظت کی جائے گی۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ نوادرات ملنے کے بعد ان کی بندربانٹ شروع ہو جائے گی اور بہت کم چیزیں جو معمولی نوعیت کی ہوں گی' میوزیم کو لوٹائی جائیں گی۔"

"تو اصل کہانی یہ ہے۔" شارق بولا۔

"ملک فرید کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ ہم دونوں نے ماسکو یونیورسٹی میں اکٹھے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ اپنے ارادے کا پکا اور آہنی اعصاب کا مالک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اس کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دینے کے بعد بھی حکمران اس سے نوادرات کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کر سکیں گے اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ ملک فرید زیادہ عرصہ تک ان کے قبضے میں نہیں رہ سکے گا۔ اس کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ بڑے تعلقات ہیں اس کے۔ رہائی ملنے کے بعد وہ پھر اپنے منصوبے پر عمل شروع کر دے گا لیکن اب چونکہ بات کھل چکی ہے' اس لیے عملی قدم اٹھانے سے پہلے اسے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"لیکن پولیس ہمارے پیچھے کیوں لگ گئی ہے؟" شارق بولا۔

"ہو سکتا ہے حکمران یہ سمجھتے ہوں کہ نوادرات تم لوگوں کے پاس ہیں اور وہ لوگ تم سے نوادرات کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے تمہارے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیں گے۔ اگر نوادرات تم لوگوں کے قبضے میں ہوتے تو بات اور تھی لیکن افسوسناک حقیقت تو یہ ہے کہ تم اس بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں۔ جب تم لوگ کچھ نہیں بتا سکو گے تو تم لوگوں کو بڑی بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔ اگر

تم لوگوں کو کوئی خطرہ ہوا تو تمہیں طور خان کے ساتھ پہاڑوں پر بھیج دیا جائے گا۔ وہ تم لوگوں کو سرحد کی طرف لے جائے گا۔"

"اچھا ہوا تم نے مجھے اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال میں تمہارا شکرگزار ہوں۔ زندگی میں اگر کبھی موقع ملا تو میں تمہارے اس احسان کا بدلہ چکانے کی کوشش ضرور کروں گا۔"

"میں تم پر کوئی احسان نہیں کر رہا۔" طوطی خان نے کہا۔ "اگر تم دانستہ طور پر اس سازش میں شریک ہوتے تو میرا رویہ مختلف ہوتا۔ ایسی صورت میں تمہیں یہاں پناہ دینے کی بجائے میں خود تمہیں حکومت کے حوالے کر دیتا لیکن میں جانتا ہوں' تم بے گناہ ہو۔ تمہیں شروع سے اب تک دھوکے میں رکھا گیا ہے۔ اپنی جان بچانے کے لیے تم سے پولیس کے کچھ آدمی مارے گئے ہیں۔ وہ ایک الگ معاملہ ہے۔ پولیس سے ہمیں بھی کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ یہ حکومت کا وہ شعبہ ہے جو عوام پر ظلم کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ انہوں نے لاتعداد بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ تمہیں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ملے گا جسے پولیس سے ہمدردی ہو۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر اٹھتے ہوئے بولا۔ "ٹھیک ہے شارق! جب تک خطرہ نہیں ہے' تم لوگ یہاں رہو۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ جیسے ہی خطرہ محسوس ہوا' تم لوگوں کو یہاں سے نکال دیا جائے گا۔"

ملک طوطی خان حویلی کے سامنے والے حصے کی طرف چلا گیا اور شارق وہیں چھوٹے سے لان میں کرسی پر بیٹھا رہ گیا۔ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ وہ حاجی کے بارے میں سوچ رہا تھا جس نے اس کے ساتھ اتنا بڑا دھوکہ کیا تھا۔

وہ ابھی یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ ثمینہ بھی پہنچ گئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر ثمینہ چونک سی گئی۔

"کیا بات ہے۔" ثمینہ دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔ "پہلی مرتبہ تمہیں اس قدر پریشان دیکھ رہی ہوں۔"

"بات ہی پریشانی کی ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسے ملک طوطی خان سے ہونے والی گفتگو سے آگاہ کرنے لگا۔

"تمہیں یاد ہے ایک موقع پر میں نے اور نولکھا نے بھی کہا تھا کہ حاجی ہمارے ساتھ کوئی چال چل رہا ہے اور ہمیں دھوکے سے یہاں بھیجا گیا ہے۔ وہ ہمیں اپنے راستہ سے ہٹانا چاہتا ہے۔"

"ہاں' مجھے یاد ہے لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ حاجی ایسی گھٹیا حرکت کرے گا۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال' دعا کرو۔ ہم خیریت سے واپس پہنچ جائیں۔ حاجی کو تو میں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ اس کی آنے والی نسلیں بھی یاد کریں گی۔"

"یہاں سے نکلیں گے تو اسے سبق سکھائیں گے نا۔" نولکھا نے کہا۔ "ہم جس طرح کی صورتحال سے دوچار ہیں' اسے دیکھتے ہوئے مجھے تو یقین نہیں کہ ہم پاکستان واپس جا سکیں گے۔ یہاں کی پولیس ہمارے پیچھے لگ چکی ہے۔ سرحدوں پر اطلاع دے دی گئی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہمیں ہر جگہ ملک طوطی خان جیسے ہمدرد لوگ ملتے رہیں۔"

"گھبراؤ نہیں نولکھا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم واپس ضرور جائیں گے اور پھر تم بھی دیکھ لو گے کہ میں حاجی سے انتقام کس طرح لیتا ہوں۔"

"اچھا بھائی۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "واپس جائیں گے تو دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو یہ دعا کرنی چاہیے کہ ہم یہاں سے خیریت سے نکل جائیں۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ان دونوں کو کمرے میں چھوڑ کر ایک بار پھر باہر آگیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اسے گل رحمان کی تلاش تھی لیکن وہ کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ملک طوطی کے ایک ملازم نے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ وہ تینوں حویلی کے سامنے والے حصے میں آگئے جہاں ایک کمرے میں دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ کھانے پر بستی کے کچھ اور لوگ تو مدعو تھے لیکن گل رحمان موجود نہیں تھا اور یہ انکشاف تو بعد میں ہوا کہ گل رحمان یہاں سے جا چکا ہے۔

"مجھے تو اب بھی دال میں کچھ کالا نظر آرہا ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے اپنے کمرے میں پہنچ کر کہا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ ملک طوطی ہمیں کسی اور چکر میں پھنسانا چاہتا ہو۔"

"میں ملک طوطی سے بات کروں گا۔" شارق نے کہا۔ "اگر گل رحمان یہاں سے جا سکتا ہے تو ہم کیوں نہیں جا سکتے۔ اگر اسے کوئی خطرہ نہیں ہے تو ہمیں کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔"

"بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ کوئی اور عذر پیش کر دے گا۔ ویسے یہ بات اب اپنے ذہن سے نکال دو کہ ہم اپنے ملک واپس جا سکیں گے۔" نولکھا نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں نولکھا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شارق نے کہا اور ظاہر ہے وہ اسے تسلی دینے کے علاوہ کر بھی کیا سکتا تھا۔

اسی روز شام سے ذرا پہلے شارق نے ملک طوطی کو پکڑ لیا۔ وہ دونوں لان میں کرسیوں پر بیٹھے قہوہ پی رہے تھے۔ شارق نے گل رحمان کے چلے جانے کے بارے میں بات کی تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمہیں شاید یہ شبہ ہے کہ میں بھی تم لوگوں کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوں یا تمہارے خلاف کوئی نئی سازش تیار ہو رہی ہے۔ ایسا نہیں ہے میرے دوست۔"

وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "بات دراصل یہ ہے کہ گل رحمان کو میں نے ہی بھیجا ہے۔ وہ بورمل میں تم لوگوں کا انتظار کرے گا۔"

"یہ بورمل کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"پاکستان کی سرحد سے چند میل دور ایک چھوٹا سا افغان قصبہ۔" ملک طوطی نے جواب دیا۔ "وہاں بھی میرے کچھ لوگ آباد ہیں جن کا سرحد پار آنا جانا رہتا ہے۔ تم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے گل رحمان ان سے مل کر تمام انتظامات مکمل کر لے گا۔ اس طرح تم لوگ وہاں سے آسانی سے پاکستان کے علاقے جنوبی وزیرستان میں داخل ہو سکو گے۔"

"ہمیں گل رحمان کے ساتھ کیوں نہیں بھیج دیا گیا؟" شارق نے پوچھا۔

"گل رحمان پختون ہے۔" ملک طوطی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ پشتو کے علاوہ فارسی اور دری زبان بھی جانتا ہے۔ اپنے آپ کو آسانی سے افغان باشندہ ثابت کر سکتا ہے۔ اگر اسے کہیں روک لیا گیا تو اسے اپنی جان چھڑانے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس تم لوگوں کو آسانی سے شناخت کیا جا سکتا ہے۔ تم لوگوں کے چہرے یہاں کے لوگوں سے مختلف ہیں اور تم یہاں کی کوئی زبان بھی نہیں جانتے۔ ایسی صورت میں تم لوگوں کے لیے دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس لیے تم لوگوں کو گل رحمان کے ساتھ نہیں بھیجا گیا۔"

"لیکن گل رحمان مجھے مل کر کیوں نہیں گیا؟" شارق بولا۔

"اسے بڑی عجلت میں یہاں سے روانہ ہونا پڑا تھا۔" ملک طوطی نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ شبہات کو دل میں جگہ نہ دو۔ میں واقعی تمہارا ہمدرد ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم لوگ خیریت سے اپنے وطن پہنچ جاؤ۔"

"لیکن اگر ہمارے ساتھ کوئی دھوکا ہوا تو؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے کہا نا کہ شبہات کو اپنے دل میں جگہ مت دو۔" ملک طوطی نے کہا۔ "میں کھرا آدمی ہوں۔ میرے دل میں کوئی منافقت نہیں ہے۔ جو حقیقت تھی' وہ میں نے بتا دی ہے۔ اگر میں بھی حاجی کی اس سازش میں شریک ہوتا تو اس وقت یہاں تم لوگوں کی پوزیشن مختلف ہوتی۔ تم لوگ اس طرح ہماری مہمان نوازی کا لطف نہ اٹھا سکتے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"گھبراؤ نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ملک طوطی کہتے ہوئے اٹھ گیا اور اس طرح ان کی یہ میٹنگ ختم ہو گئی۔

ثمینہ حویلی کے دوسرے حصے میں ملک طوطی خان کے افراد خانہ کے ساتھ رہائش پذیر تھی۔ اس کی اپنے ساتھیوں سے دن میں ایک دو ملاقاتیں تو ہو ہی جاتی تھیں لیکن اس روز ثمینہ صبح سے اس طرف نہیں آئی تھی جہاں شارق اور نولکھا رہ رہے تھے۔

ملک طوطی نے جو کچھ بتایا تھا' ثمینہ کو اس سے آگاہ کرنا ضروری تھا۔ شام کو شارق نے پیغام بھیج کر ثمینہ کو بلا لیا۔ اسے دیکھ کر شارق اچھل پڑا۔ اسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ خواب میں چل رہی ہو۔ کندھے جھکے ہوئے اور آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر قالین پر نیم دراز ہو گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں جیسے نیند کا غلبہ ہو رہا ہو۔

"کیا بات ہے ثمینہ۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" شارق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کریم جان صبح سے کہیں گیا ہوا ہے۔ پتا نہیں کب آئے گا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ اس کی آواز بھی کسی کنویں کی گہرائی سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"کریم جان کہیں گیا ہوا ہے تو تمہیں کیا پریشانی ہے؟" شارق نے کہا۔ کریم جان ملک طوطی خان کے بیٹے کا نام تھا۔

"وہ.....وہ پتا نہیں کب آئے گا۔" ثمینہ بڑبڑائی۔

اس مرتبہ شارق چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے ثمینہ کو کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔

"ثمینہ.....ہوش میں آؤ.....کیا بک رہی ہو تم؟"

"کک.....کیا ہوا؟" ثمینہ اس طرح چونک گئی جیسے نیند سے بیدار ہو گئی ہو۔

"ثمینہ.....!" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "کیا بات ہے..... کیا ہوا تمہیں.....؟"

"کک.....کیا ہوا ہے مجھے؟" ثمینہ نے کہا۔

"سچ بتاؤ ثمینہ۔ معاملہ کیا ہے؟" شارق نے اسے گھورا۔ "تمہاری یہ حالت..... جیسے نشہ ٹوٹ رہا ہو.....کہیں تم....." وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا' پھر بولا۔

"تم کریم جان کے لیے کیوں پریشان ہو۔ کہیں وہ تمہیں....." وہ خاموش ہو گیا۔ اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے پچھلے دو تین دن سے شارق ثمینہ میں کچھ تبدیلی محسوس کر رہا تھا لیکن اس نے توجہ نہیں دی تھی اور اب تو ثمینہ کی حالت دیکھ کر اس کے دل میں طرح طرح کے شبہات سر ابھارنے لگے۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ نولکھا کمرے میں نہیں تھا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ شارق نے اٹھ کر دروازہ بند کر دیا اور ثمینہ کے سامنے بیٹھ گیا۔

"بتاؤ ثمینہ.....یہ کیا ہوا ہے تمہیں۔" اس نے ثمینہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ دیا۔ "کیا تم نے نشہ شروع کر دیا ہے؟ کون دیتا ہے تمہیں یہ زہر؟"

"کریم جان۔" ثمینہ نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "وہ.....وہ تین چار دن سے مجھے انجکشن دے رہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ....." وہ خاموش ہو گئی۔

"کیا کہتا تھا وہ؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اس روز میرا دل گھبرا رہا تھا۔" ثمینہ نے کہا۔ "کریم جان نے مجھے انجکشن لگا دیا کہ اس سے میرے دل کو تقویت ملے گی اور پھر وہ صبح شام مجھے انجکشن لگاتا رہا۔"

"تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔" شارق چیخا۔ "کیا تم نہیں جانتی کہ ہیروئن وہ زہر ہے جو خون میں شامل ہو کر زندگی کو دیمک کی طرح چاٹتا ہے..... اور بالآخر....."

شارق کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ وہ پہلے ماجھا گجر اور پھر حاجی کے ساتھ مل کر طویل عرصہ سے دنیا بھر کے نوجوانوں کی رگوں میں یہ زہر پہنچا رہا تھا لیکن اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس زہر سے کتنے نوجوان موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں' کتنے مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اس کے نتائج کتنے بھیانک اور خوفزدہ ہیں لیکن اب اپنے پر پڑی تھی تو اس کے ہوش اڑ گئے تھے۔ کریم جان نے اسے دھوکے سے ہیروئن کے انجکشن لگائے تھے۔ تین چار دن میں ہی ثمینہ کی یہ حالت ہو گئی تھی۔

دروازہ کھلا اور نولکھا اندر آگیا۔

"کیا ہوا شارق باؤ....." نولکھا بولا۔ "یہ ثمینہ بی بی کو کیا ہوا؟"

"وہی ہوا جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" شارق نے کہا اور پھر اسے ثمینہ کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔ "نولکھا! آج اپنے آپ پر آن پڑی ہے تو مجھے احساس ہو رہا ہے کہ ہم کس طرح معصوم لوگوں کی زندگیوں سے کھیلتے رہے ہیں۔ بڑا ظلم کیا ہے ہم نے لیکن آج میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی کا ایک ایک لمحہ موت کے ان سوداگروں کے خلاف لڑتے ہوئے گزرے گا۔ میں برباد کر دوں گا ان سب کو.....ہیروئن کی فیکٹریاں تباہ کر دوں گا۔"

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم لوگ تو گردن تک اس دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کیسے نکلیں گے اس سے؟"

"تم میرا ساتھ دو۔" شارق بولا۔ "زندگی اور موت کی پروا کیے بغیر ہم اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک یہ لڑائی جاری رکھیں گے۔"

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔" نولکھا نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

ان دونوں نے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے یہ عہد کیا کہ اب وہ موت کے ان سوداگروں کے خلاف جنگ شروع کریں گے۔

"میں کریم جان کی گردن پکڑ لوں گا۔" نولکھا نے کہا۔

"نہیں۔" شارق بولا۔ "ایسا کرنا خطرناک ہوگا۔ البتہ ہم یہ کر سکتے ہیں کہ اب ثمینہ کو اپنے پاس ہی رکھیں اور کریم جان کو اس کے قریب آنے کا موقع نہ دیں۔"

"اب وہ اس کے قریب نہیں آئے گا۔" نولکھا نے کہا۔

ثمینہ قالین پر پڑی ان کی باتیں سنتی رہی۔

تین چار روز اور گزر گئے۔ ثمینہ انہی کے ساتھ رہ رہی تھی اور اس دوران اس کی طبیعت بھی سنبھل گئی تھی۔ یہ غنیمت تھا کہ شروع میں ہی پتا چل گیا تھا اور اس کی روک تھام کر لی گئی تھی لیکن اس واقعہ نے شارق کی آنکھیں کھول دی تھیں۔

اس رات وہ کھانا کھا رہے تھے کہ بستی کا ایک آدمی اندر داخل ہوا۔ وہ دروازے کے قریب ہی رک کر باری باری سب کی طرف دیکھنے لگا' پھر ملک طوطی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"طور خان کا پیغام آیا ہے۔ وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ گھاٹی میں موجود ہے اور آپ کی طرف سے کسی پیغام کا منتظر ہے۔"

"اسے اطلاع بھجوا دو کہ وہ گھاٹی ہی میں رہے اور جب تک میری طرف سے دوسرا پیغام نہ ملے' بستی میں نہ آئے۔" ملک طوطی نے کہا۔

وہ آدمی باہر چلا گیا۔ ان میں یہ گفتگو دری زبان میں ہوئی تھی۔ اس آدمی کے جانے کے بعد ملک طوطی نے شارق وغیرہ کو اردو میں طور خان کے بارے میں بتا دیا۔

کھانا کھانے کے تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ فائر کی آواز سن کر چونک گئے۔ رائفل کے فائر کی یہ آواز بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"اوہ!" شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ "میرا خیال ہے پولیس ہماری تلاش میں باغ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ رائفل کا یہ فائر عبداللہ جان کی طرف سے سگنل ہے کہ اپنی رائفلیں اٹھا لو اور صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے کمرے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی اپنی رائفل اٹھا لی۔ ثمینہ اور نولکھا نے بھی اپنی اپنی رائفلیں اٹھا لی تھیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک آدمی دوڑتا ہوا ان کے کمرے میں داخل ہوا۔ "پولیس اس طرف آ رہی ہے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ملک طوطی نے کہا ہے کہ تم لوگ تہہ خانے میں پہنچ جاؤ....."

"ٹھیک ہے چلو۔" شارق نے کہا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

وہ لوگ کمرے سے نکل کر صحن عبور کر کے سامنے والے برآمدے میں داخل ہو گئے۔ یہاں قطار میں کئی کمرے بنے ہوئے تھے۔ وہ آدمی انہیں لے کر ایک کمرے میں گھس گیا۔ ٹھیک اسی لمحہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس بستی میں پہنچ گئی تھی اور بستی والوں نے مقابلہ شروع کر دیا تھا۔ فائرنگ کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔

اس آدمی نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور فرش پر بچھا ہوا قالین ایک کونے سے پکڑ کر اٹھانے لگا۔

○

تہہ خانے کا راستہ اتنا زیادہ کشادہ نہیں تھا کہ وہ سب بیک وقت اس میں داخل ہو سکتے۔ ملا نصیر الدین بھی اپنی بیوی اور بیٹی شاہ پری کو لے کر پہنچ گیا تھا۔ شارق تہہ خانے کے دروازے پر کھڑا تھا۔ اس نے سب سے پہلے نولکھا کو نیچے اتارا' پھر شاہ پری اور اس کی ماں کو۔ وہ بڑھیا ابھی دروازے میں ہی تھی کہ اس مکان کا آنگن بھی فائرنگ سے گونج اٹھا۔ پولیس والے ملک طوطی خان کے دو آدمیوں کا پیچھا کرتے ہوئے اس طرف آگئے تھے۔ ملا نصیر الدین نے رائفل سنبھالا اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا۔

"میں ان لوگوں کو روکتا ہوں۔ تم اندر جاؤ۔ جلدی کرو۔"

شارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کئی گولیاں اس کمرے کے دروازے اور کھڑکیوں پر آکر لگیں۔ شارق نے ایک کھڑکی کی آڑ میں ہو کر فائرنگ شروع کر دی۔ ملا نصیر الدین دوسری کھڑکی کے قریب کھڑا تھا۔ وہ بھی فائرنگ کر رہا تھا۔

"وہ لوگ پہنچ گئے ہیں۔ تم بھاگو یہاں سے۔" ملا نصیر الدین ایک بار پھر چیخا' شارق دوڑتا ہوا تہہ خانے کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی اس کا ہاتھ دیوار پر ایک ایسی جگہ لگا جہاں اس دروازے کا میکنزم پوشیدہ تھا اور دروازہ خودبخود بند ہو گیا۔ باہر سے فائرنگ کی آوازیں ابھی بھی سنائی دے رہی تھیں دروازہ بند ہونے کی وجہ سے آواز کی شدت کم ہو گئی تھی لیکن پھر اچانک ہی فائرنگ کی آوازوں میں شدت پیدا ہو گئی۔

شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ تہہ خانے کا راستہ بند ہو جانے کے بعد باہر سے کسی اجنبی کے لیے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ تہہ خانے کا راستہ کہاں ہے۔ وہ مڑ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ اس وقت سب سے اوپر والی سیڑھی پر تھا۔ نیچے گہری تاریکی تھی' ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اسے اپنے ساتھی بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ دفعتاً" اپنے چہرے کے قریب ہی روشنی کا نقطہ دیکھ کر چونک گیا۔ وہ خفیہ دروازے میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جو ٹیڈی پیسے سے زیادہ بڑا نہیں تھا۔ شارق نے اس ننھے سے سوراخ سے آنکھ لگا دی اور دوسرے ہی لمحہ وہ کانپ اٹھا۔

دو پولیس والوں نے ملا نصیر الدین کو دبوچ رکھا تھا۔ وہ اس سے کچھ پوچھ رہے تھے اور ملا نصیر الدین مسلسل نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ایک پولیس والے نے رائفل کا بٹ پوری قوت سے اس کے پیٹ پر مارا۔ ملا نصیر الدین چیخ اٹھا۔ پولیس والے نے پھر کچھ پوچھا۔ ملا نصیر الدین نے اس مرتبہ بھی انکار میں سر ہلا دیا۔ پولیس والے نے ایک بار پھر اس کے پیٹ پر رائفل کا بٹ مارا۔ ملا نصیر الدین پھر چیخ اٹھا۔ دوسرے پولیس والے نے ملا نصیر الدین کو پشت سے اس طرح جکڑ رکھا تھا کہ اس کے بازو پولیس والے کی گرفت میں تھے۔

سامنے کھڑا ہوا پولیس والا ملا نصیر الدین کے پیٹ پر رائفل کے بٹ سے وار کرتا رہا۔ ہر ضرب پر ملا نصیر الدین چیخ اٹھتا لیکن اس کا سر انکار ہی میں ہلتا رہا۔ شارق کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس والا اس سے انہی لوگوں کے بارے میں دریافت کر رہا تھا اور ملا نصیر الدین کچھ بتانے سے انکار کر رہا تھا۔

پولیس والے نے رائفل کا بٹ اس کے چہرے پر مارا۔ ضرب رخسار پر لگی تھی۔ ملا نصیر الدین چیخ اٹھا۔ چہرے کی کھال پھٹ گئی تھی اور خون بہہ نکلا تھا۔ دوسری ضرب اس کی پیشانی پر لگی۔ پیشانی سے بھی خون بہہ نکلا۔ اس کا چہرہ خون سے تر ہو رہا تھا۔ داڑھی کے بال بھی خون میں تر ہو گئے تھے۔ ملا نصیر الدین بری طرح مچل رہا تھا لیکن پشت سے دوسرے پولیس والے نے اسے جکڑ رکھا تھا۔

رائفل بردار پولیس والے نے آگے جھک کر ایک بار پھر ملا نصیر الدین سے کچھ دریافت کیا۔ ملا نصیر الدین نے جواب دینے کے بجائے اس کے منہ پر تھوک دیا۔ پولیس والا ایک دم بھڑک اٹھا۔ اس نے ملا نصیر الدین پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ملا نصیر الدین بری طرح مچل رہا تھا۔ دوسرے پولیس والے کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ اس نے ملا نصیر الدین کو دھکا دے کر نیچے گرا دیا۔

ملا نصیر الدین منہ کے بل گرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھل سکتا' دونوں پولیس والوں نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ملا نصیر الدین ذبح ہوتے ہوئے بکرے کی طرح بلبلا رہا تھا۔ دونوں پولیس والے دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ ایک نے رائفل تان لی اور دوسرے ہی لمحہ وہ کمرہ گولیوں کی آواز سے گونج اٹھا۔ رائفل سے نکلنے والی تمام کی تمام گولیاں ملا نصیر الدین کے جسم میں پیوست ہو گئی تھیں۔ ملا نصیر الدین کا جسم چھلنی ہو گیا۔ خون کی دھاریں اس کے جسم سے بہہ نکلی تھیں۔ وہ کچھ دیر تڑپا اور پھر بے حس و حرکت ہو گیا۔

وہ دونوں پولیس والے کمرے سے نکل گئے تھے۔ شارق چند لمحے سوراخ سے آنکھ لگائے ملا

ملا نصیر الدین کی لاش کو دیکھتا رہا' پھر مڑ کر ٹوٹتا ہوا سیڑھیاں اترنے لگا۔ آخری سیڑھی سے نیچے قدم رکھتے ہی وہ کسی سے ٹکرا گیا۔ اس نے سہارے کے لیے اسے پکڑ لیا۔ وہ کوئی عورت تھی لیکن تاریکی میں یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ وہ ثمینہ تھی' شاہ پری تھی یا اس کی ماں تھی۔

"ثمینہ۔" شارق نے اپنے سے ٹکرانے والی عورت کا بازو تھامتے ہوئے سرگوشی کی۔

"میں شاہ پری ہوں۔" جواب میں سرگوشی سنائی دی۔

شارق نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور ایک بار پھر ثمینہ کو پکارا۔

"میں یہاں ہوں۔" شارق کو قدرے فاصلے سے ثمینہ کی سرگوشی سنائی دی۔

"تاریکی میں کچھ نظر نہیں آرہا۔ نولکھے! ماچس ہے تمہارے پاس؟" شارق بولا۔

"ماچس کل جیب میں رکھی تو تھی۔ دیکھتا ہوں۔" جواب میں نولکھا کی آواز سنائی دی۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک شعلہ سا بھڑکا اور وہاں زرد مدھم سی روشنی پھیل گئی۔ نولکھا چند قدم آگے کھڑا تھا۔ شارق اس کے قریب پہنچ گیا۔ نولکھا کی انگلیوں میں جلتی ہوئی دیاسلائی دبی ہوئی تھی لیکن شارق فوری طور پر اس جگہ کو سمجھ نہیں سکا۔ دیاسلائی ختم ہو رہی تھی۔ شارق نے نولکھا کے ہاتھ سے ماچس لے کر دوسری دیاسلائی جلائی اور اس کی روشنی میں ادھر ادھر دیکھنے گا۔

وہ ایک تنگ سی سرنگ تھی جس کی چھت تقریباً آٹھ فٹ اونچی تھی لیکن سرنگ زیادہ کشادہ نہیں تھی۔ دو آدمی بمشکل پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے۔ اس سرنگ میں سیلن کی نمی تھی۔

"یہ سرنگ بالکل سیدھی ہے۔ ہمیں آگے بڑھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ نولکھا تم آگے چلتے رہو اور یہ ماچس بھی اپنے پاس رکھ لو لیکن زیادہ تیلیاں مت جلانا۔"

شارق نے کہتے ہوئے ماچس نولکھا کو دیدی۔

نولکھا نے ایک اور تیلی جلا کر ہاتھ اوپر اٹھا لیا اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ اس کے پیچھے ثمینہ تھی' پھر شاہ پری کی ماں' شاہ پری اور آخر میں شارق تھا۔

"میرے بابا کہاں ہیں' وہ ہمارے ساتھ کیوں نہیں آئے؟"

شاہ پری کی آواز سن کر شارق کانپ اٹھا۔ شاہ پری نے جس طرح یہ سوال کیا تھا' اس سے شارق کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ان لوگوں نے باہر کی آوازیں نہیں سنی تھیں اور اگر آوازیں سنی بھی تھیں تو اتنی مدھم تھیں کہ وہ پہچان نہیں سکے تھے کہ چیخ کی آواز کس کی تھی۔

"تمہارے بابا۔" شارق نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "وہ ملک طوطی کے ساتھ دوسری طرف نکل گئے تھے۔ بعد میں ہم سے مل جائیں گے۔"

شاہ پری شاید مطمئن ہو گئی تھی۔ اس لیے اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے رہے۔ نولکھا تھوڑی تھوڑی دیر بعد ماچس کی تیلی جلا لیتا تھا۔ ویسے بھی راستہ سیدھا تھا اور انہیں چلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی۔

انہوں نے تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کر لیا۔ ملک طوطی نے بتایا کہ سرنگ حویلی کے باہر نکلتی ہے لیکن شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ ابھی کتنا اور چلنا پڑے گا۔ وہ لوگ محتاط انداز میں آگے چلتے رہے۔

دفعتاً سرنگ شاہ پری کی ماں کی چیخ سے گونج اٹھی۔

"کیا ہوا؟.....نولکھا.....ماچس جلاؤ۔" شارق چیخا۔

اسی لمحہ دھڑ کی آواز آئی۔ شاہ پری کی ماں زمین پر گر گئی تھی اور مسلسل چیخ رہی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ٹانگ کو پنڈلی کے قریب سے پکڑ رکھا تھا۔

"کیا ہوا' کیوں چیخ رہی ہو؟" شارق اس کے قریب بیٹھ گیا۔ اس نے نولکھا سے ماچس لے لی تھی اور پھر دفعتاً وہ اچھل پڑا۔

سیاہ رنگ کا ایک بچھو شاہ پری کی ماں کے پیر پر ٹخنے کے قریب بار بار ڈنک مار رہا تھا اور وہ چیخ رہی تھی۔ شارق ایک دم اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے رائفل کی نال سے بچھو کو اس کے پیر سے ہٹایا۔ بچھو دوسری طرف دوڑا لیکن دوسرے ہی لمحہ شارق نے اسے اپنے جوتے کے نیچے مسل دیا۔

شاہ پری اپنی ماں کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی ماں کو سنبھال رکھا تھا اور وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ شارق بھی اس کے قریب بیٹھ گیا اور دیاسلائی کی روشنی میں پیر کو دیکھنے لگا اور دوسرے ہی لمحہ اسے چونک جانا پڑا۔ بچھو نے کئی جگہ پر ڈنک مارا تھا اور پیر نہ صرف سوج رہا تھا بلکہ اس کی رنگت بھی تبدیل ہو رہی تھی۔ کوئی بہت ہی زہریلا بچھو تھا جس کا زہر اس قدر تیزی سے اثر کر رہا تھا۔ شارق نے شاہ پری سے دوپٹہ لے کر اسے پھاڑ دیا اور اس کی پٹیاں بنا کر پنڈلی پر دو تین جگہ کس کر باندھ دیں تاکہ زہر اوپر نہ چڑھ سکے۔

شاہ پری ماں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے بیٹھی تھی۔ ایک طرف سے ثمینہ نے بھی اسے تھام لیا تھا لیکن وہ ان کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ بری طرح تڑپ رہی تھی۔ شارق کی

باندھی ہوئی پٹیاں بھی بیکار ثابت ہو رہی تھیں۔ بچھو کا زہر بلڈ سرکولیشن کے ذریعے اس کے پورے جسم میں پھیلتا جا رہا تھا۔ جسم کا رنگ پہلے نیلا ہوا اور پھر سیاہ ہونے لگا۔ وہ بوڑھی عورت اس طرح تڑپ رہی تھی کہ ان کے قابو میں نہیں آ رہی تھی۔ اس کے جسم کو زور زور سے جھٹکے لگ رہے تھے اور پھر وہ ایک دم بے حرکت ہو گئی۔

شارق نے پہلے اس کی نبض ٹٹولی' پھر اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا۔ دل کی دھڑکن بند ہو چکی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل سیاہ پڑ گیا تھا۔ آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ شارق نے اس کی آنکھیں بند کر دیں۔

"مجھے افسوس ہے شاہ پری۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "اس بچھو کا زہر بہت ہی سریع الاثر تھا۔ ہم تمہاری ماں کو نہیں بچا سکے۔"

شاہ پری چیخ مار کر ماں کی لاش سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔

"اب ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتے۔" شارق نے کہا۔ "ہمیں جلد سے جلد اس سرنگ سے باہر نکلنا ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ لوگ سرنگ کا راستہ دریافت کر لیں اور ہم سب بھی چوہے کی طرح اس بل میں مارے جائیں۔"

"کیا یہ لاش.....؟"

"ہاں....." شارق نے ثمینہ کی بات کاٹ دی۔ "ہم اس لاش کو ساتھ نہیں لے جا سکتے۔ اسے یہیں چھوڑنا ہوگا۔"

ثمینہ نے سہارا دے کر شاہ پری کو اٹھایا اور اسے ساتھ لے کر چلنے لگی۔ شاہ پری بری طرح رو رہی تھی اور بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہی تھی۔ نولکھا کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اس حادثے پر اس نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ لوگ جب تک وہاں کھڑے رہے تھے' نولکھا خاموشی سے ماچس کی تیلیاں جلاتا رہا تھا۔ وہ آدھی سے زیادہ ماچس ختم کر چکا تھا اور اب بھی تیلیاں جلاتا ہوا آگے آگے چل رہا تھا۔

دو سو گز کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک جگہ رک گئے۔ سرنگ بند ہو گئی تھی اور آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ شارق رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چھت کے قریب ایک جگہ روشنی کی ننھی سی کرن دیکھ کر وہ چونک گیا اور آگے بڑھ کر اس جگہ کو ٹٹولنے لگا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ سرنگ کا دہانہ تھا جس پر غالباً کوئی پتھر رکھا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھوں سے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کی لیکن پتھر خاصا وزنی تھا۔ کسی سے ٹس مس نہیں ہوا۔

"سرنگ سے نکلنے کا راستہ یہی ہے۔ اس پتھر کو ہٹانا پڑے گا۔ خاصا وزنی ہے۔ آؤ تم لوگ بھی اسے ہٹانے میں میری مدد کرو۔" شارق نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نولکھا اور ثمینہ نے اپنی رائفلیں نیچے رکھ دیں اور وہ سب مل کر پتھر کو سرنگ کے دہانے سے ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ انہیں ناکامی نہیں ہوئی۔ پتھر آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹتا چلا گیا اور بالآخر لڑھکتا ہوا دور جا گرا۔

تازہ ہوا کے جھونکے سے انہیں بڑا سکون ملا تھا۔ انہوں نے لمبے لمبے سانس لیے اور پھر شارق نے جھک کر زمین پر پڑی ہوئی رائفل اٹھا لی۔

"نولکھا!" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "مجھے سہارا دو' پہلے میں باہر نکلتا ہوں۔ پھر تم لوگوں کو بھی اوپر کھینچ لوں گا۔"

نولکھا دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر کے ان کی انگلیاں آپس میں پھنسا لی تھیں۔ شارق نے ایک پیر اس کے ہاتھوں پر رکھ دیا اور آہستہ آہستہ اوپر اٹھنے لگا۔

وہ کندھے تک دہانے سے باہر آ گیا۔ چاروں طرف جھاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں اور بستی کی طرف سے اب بھی فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شارق کا ایک ہاتھ خالی تھا اور دوسرے ہاتھ میں رائفل تھی۔ اس نے رائفل ایک طرف رکھ دی اور دونوں ہاتھ گڑھے کے کناروں پر رکھ کر اپنے آپ کو اوپر اٹھاتا ہوا باہر گیا۔ وہ اپنی رائفل اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ اس کی نظر جھاڑیوں میں ایک ایسی چیز پر پڑی جسے دیکھ کر شارق کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ کلاشنکوف رائفل کی نال تھی جو اس کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ وہ لمبا تڑنگا افغان جھاڑیوں سے نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کی باقاعدہ داڑھی نہیں تھی لیکن کئی روز کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ سر پر سیاہ پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے کندھے پر ایک اور رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ سینے پر لپٹے ہوئے بیلٹ میں گولیاں بھی بھری ہوئی تھیں اور کلاشنکوف اور رائفل کے تین چار میگزین بھی بیلٹ میں پھنسے ہوئے تھے۔

اس شخص نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی رائفل سے اشارہ کرتے ہوئے فارسی میں کچھ کہا جسے شارق سمجھ تو نہیں سکا لیکن اس کا اشارہ واضح تھا۔ شارق اپنی رائفل اٹھانے کے بجائے سیدھا کھڑا ہو گیا اور اس نے دونوں ہاتھ بھی سر سے اوپر اٹھا لیے۔

"شارق باؤ....." سرنگ میں سے نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "کہاں چلے گئے ہو شارق باؤ..... ہمیں تو باہر نکالو....."

یہ آواز سن کر اس افغان کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ اچھل کر سرنگ کے کنارے پر آگیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ پھر اس نے اچانک ہی رائفل کا رخ نیچے کرکے نولکھا اور ثمینہ کو اپنی رائفل کی زد میں لے لیا۔

"یہ ریچھ کہاں سے آگیا شارق باؤ؟" سرنگ میں سے نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "اس سے کہو پہلے ہمیں باہر نکلنے دے' پھر بات کر لیں گے۔"

شارق کو اپنی کم مائیگی پر غصہ آرہا تھا۔ وہ نہ تو فارسی جانتا تھا اور نہ ہی پشتو اور اس کے خیال میں یہ افغان بھی انگریزی یا اردو نہیں سمجھتا تھا لیکن بہرحال اس نے قسمت آزمانے کا فیصلہ کر لیا۔

"کیا تم اردو سمجھ سکتے ہو؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

افغان نے نفی میں سر ہلایا۔

"انگریزی سمجھتے ہو؟" شارق نے اپنا جملہ انگریزی میں دہرایا۔

"ہاں' میں تھوڑی بہت انگریزی سمجھتا ہوں۔" افغان نے جواب دیا۔

"گڈ....." شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں۔ ملک طوطی خان کے مہمان ہیں۔ گاؤں پر اس کے دشمنوں نے حملہ کر دیا ہے۔ فائرنگ کی آوازیں تم سن سکتے ہو۔" شارق نے بستی کی طرف اشارہ کیا جہاں سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پھر وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "کیا تم طور خان ہو؟"

"نہیں' میں طور خان کا ساتھی ہوں۔" افغان نے جواب دیا۔ "تم لوگ کون ہو؟"

"ہم پاکستانی ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہاں ہم طوطی خان کے مہمان تھے کہ پولیس نے گاؤں پر حملہ کر دیا۔ ملک طوطی خان کو معلوم تھا کہ پولیس اس کے گاؤں پر حملہ کرے گی' اس لیے اس نے طور خان کو مدد کے لیے پیغام بھیج دیا تھا۔ پولیس نے جب گاؤں پر حملہ کیا تو ملک طوطی خان نے اپنے مکان کے خفیہ راستے سے ہمیں اس طرف نکال دیا۔ طور خان کہاں ہے۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ گھبراؤ نہیں' ہم دوست ہیں۔ پہلے مجھے اپنے ساتھیوں کو باہر نکالنے دو' پھر ہم طور خان سے ملاقات کریں گے۔"

شارق اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر جھک کر نولکھا کو ہاتھ سے پکڑ کر باہر کھینچنے لگا۔ نولکھا نے باہر آکر سب سے پہلے بڑی گرمجوشی سے اس شخص سے ہاتھ ملایا۔

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے بولا۔ "بڑے عرصہ بعد تم

سے ملاقات ہوئی ہے۔ آخری بار شاید لاہور کے چڑیا گھر میں دیکھا تھا۔"

"یہ وہ نہیں ہے نولکھا بھائی۔" ثمینہ نے کہا۔ شارق اسے بھی باہر نکال چکا تھا۔ "لاہور کے چڑیا گھر میں تم نے جو ریچھ دیکھا تھا' وہ انڈیا کا تھا۔ یہ تو افغان ہے۔"

"ریچھ سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔" نولکھا نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ان کا تعلق انڈیا سے ہو یا افغانستان سے ہو' ریچھ تو ریچھ ہی ہوتا ہے۔"

وہ افغان خاموش کھڑا الجھی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس دوران شارق شاہ پری کو بھی باہر نکال چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بھی رائفل تھی۔ ان دو جوان اور حسین لڑکیوں کو دیکھ کر اس ریچھ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ رائفلیں ان سب کے ہاتھوں میں تھیں لیکن اس افغان کو اطمینان اس بات کا تھا کہ کسی نے اس پر رائفل نہیں تانی تھی۔ اس نے خود بھی رائفل کی نال نیچے جھکا لی۔

"ہمیں طور خان کے پاس لے چلو۔ کہاں ہے وہ؟" شارق نے افغان کی طرف دیکھتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"پڑھا لکھا ریچھ لگتا ہے۔" نولکھا مسکراتے ہوئے بولا۔

اس افغان نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اشارہ کرتے ہوئے ایک طرف چل پڑا۔ "تمہارا نام کیا ہے اور تمہیں یہاں ہماری موجودگی کا پتہ کیسے چلا تھا؟" شارق نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"میرا نام محمد عمر ہے۔" افغان نے جواب دیا۔ "میں ایک فطری ضرورت کے تحت اس طرف آیا تھا۔ فارغ ہوا تو اس پتھر کو ہلتے ہوئے دیکھ کر چونک گیا۔ پہلے تو میں سمجھا کہ شاید زلزلہ آیا ہے لیکن زمین ساکت تھی اور وہ پتھر ہل رہا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد پتھر کے نیچے سے آوازیں آنے لگیں۔ مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوف بھی محسوس ہونے لگا کہ اس بھاری پتھر کے نیچے کون ہو سکتا ہے۔ میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا اور پھر وہ بھاری پتھر اپنی جگہ سے لڑھکتا کر دور جا گرا اور جب تمہیں اس کھڈ میں سے نکلتے ہوئے دیکھا تو میں جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ پہلے تو میں نے سوچا کہ تمہیں گولی مار دوں لیکن پھر ارادہ بدل دیا۔ میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ تم کون ہو اور اتنے بڑے پتھر کے نیچے کیسے چھپے تھے؟ اور یہ اچھا ہی ہوا کہ میں نے تمہیں گولی نہیں ماری۔"

وہ لوگ باتیں کرتے ہوئے چٹان نما بڑے بڑے پتھروں کے پاس پہنچ گئے۔ وہاں بھی چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں اور آٹھ گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔

"طور خان اور اس کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟" شارق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "وہ لوگ گاؤں کی طرف گئے ہیں۔" محمد عمر نے بتایا۔ "طور خان کو ملک طوطی خان کا پیغام ملا تو وہ سارے کام چھوڑ کر ادھر آگیا مگر شاید ہم یہاں دیر سے پہنچے ہیں۔ کوئی بات نہیں۔ طور خان ملک طوطی کے دشمنوں میں سے کسی ایک کو بھی زندہ واپس نہیں جانے دے گا۔"

"لیکن میرا خیال ہے اب تک خاصا جانی نقصان ہو چکا ہوگا۔" شارق بولا۔ محمد عمر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نولکھا وغیرہ آس پاس پتھروں پر بیٹھ گئے تھے۔ نولکھا کو بڑی پیاس لگ رہی تھی۔ اس نے پانی مانگا تو محمد عمر نے ایک گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا چمڑے کا ایک چھوٹا سا مشکیزہ اتار کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

نولکھا نے مشکیزے کے منہ پر بندھی ہوئی ڈوری کھولی اور مشکیزہ اوپر اٹھا کر پانی پینے لگا۔ پھر اس نے مشکیزہ ثمینہ کی طرف بڑھا دیا جو اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ ثمینہ نے پہلے شاہ پری کو پانی پلایا' پھر خود پیا اور آخر میں مشکیزہ شارق کی طرف بڑھا دیا۔

شاہ پری کی حالت بہت بری تھی۔ اس نے ماں کو اپنی آنکھوں کے سامنے مرتے دیکھا تھا اور اس کی لاش بے گوروکفن چھوڑ کر آئی تھی۔ وہ مسلسل رو رہی تھی اور ثمینہ اسے تسلیاں دے رہی تھی۔ شارق بار بار شاہ پری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر شاہ پری کو اس کے باپ کی موت کا بھی بتا دیا جائے تو کیا وہ یہ صدمہ برداشت کر سکے گی۔ ابھی تو وہ ماں کی موت کے صدمے سے نہیں سنبھل پا رہی تھی۔ باپ کی موت کا صدمہ کیسے برداشت کر پائے گی؟ یہی سوچ کر شارق نے فی الحال خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ کسی مناسب وقت پر اسے ملا نصیر الدین کی موت کے بارے میں بھی بتا دیا جائے گا۔

گاؤں کی طرف سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد فائرنگ بند ہو گئی۔ اس وقت سورج بھی غروب ہونے والا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد چھ سات آدمی گاؤں کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔

وہ طور خان اور اس کے ساتھی تھے۔ ان کی تعداد سات تھی۔ سب سے آگے طور خان تھا۔ وہ لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ سر پر سیاہ پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر داڑھی نہیں تھی البتہ مونچھیں بڑی خوفناک تھیں۔ وہ حیرت سے شارق اور نولکھا وغیرہ کی طرف دیکھنے لگا اور پھر دفعتاً جیسے اسے کچھ یاد آگیا۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی اردو میں بولا۔

"اوہ۔ تم ہی ملک طوطی خان کے وہ مہمان ہو جن کی وجہ سے پولیس نے اس کے گاؤں پر حملہ کیا تھا۔"

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے افسوس ہے کہ ہماری وجہ سے ان لوگوں کو بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔"

"پولیس کے اس حملے میں ملک طوطی خان کے تین آدمی ہلاک ہوئے ہیں جبکہ چار پولیس والے مارے گئے ہیں۔ کچھ پولیس والے اپنی جانیں بچا کر بھاگ گئے ہیں اور مجھے یقین ہے' پولیس آج رات اس گاؤں پر دوبارہ حملہ کرے گی۔"

"میرے بابا کہاں ہیں؟" شاہ پری نے طور خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا بابا؟" طور خان نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ملا نصیر الدین کی بیٹی ہے۔" شارق بولا۔ "ہم حویلی سے نکلنے کے لیے اس سرنگ میں آرہے تھے کہ اس کی ماں کو بچھو نے کاٹ لیا۔ ہم اسے بچا نہیں سکے۔ بچھو کا زہر دیکھتے ہی دیکھتے اس کے پورے جسم میں پھیل گیا اور وہ بیچاری ختم ہو گئی۔ اسے اپنا بابا یاد آرہا ہے۔ ملا نصیر الدین نے مجھ سے کہا تھا کہ ہم اسے لے کر چلے جائیں۔ وہ بعد میں ہمارے پاس آجائے گا۔" شارق نے کہتے ہوئے طور خان کو آنکھ مار دی تھی۔

"اوہ!" طور خان کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ حویلی میں ملا نصیر الدین کی لاش دیکھ کر آیا تھا اور اب شارق کے اشارے کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ شاہ پری اپنی ماں سے بھی محروم ہو گئی تھی اور فوری طور پر باپ کی موت کی خبر اسے سنانا مناسب نہیں تھا۔ "مجھے تمہاری ماں کے مرنے کا افسوس ہے۔" وہ شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ملا نصیر الدین سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ وہ ابھی ملک طوطی خان کے پاس ہی رہے گا۔ تم ان لوگوں کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں تمہارے باپ کو لے کر آجاؤں گا۔"

"ہمیں کہاں جانا ہوگا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ محمد عمر کے ساتھ چلے جاؤ۔ یہ تمہیں پہلی منزل پر لے جائے گا۔" طور خان نے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ پولیس آج رات پھر گاؤں پر حملہ کرے گی اور میں ملک طوطی خان کو بے یار ومددگار چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ مجھے ایک دو دن یہاں رہنا پڑے گا۔ شام ہونے والی ہے۔ تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔ باقی باتیں بعد میں کسی وقت ہوں گی۔" وہ محمد عمر کی طرف مڑ گیا۔ "محمد عمر! انہیں ساتھ لے جاؤ۔ پہلی منزل پر ہمارا انتظار کرنا۔ اگر ہم دو دن تک نہ آئے تو انہیں آگے لے جانا اپنے ٹھکانے پر اور دیکھو انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ موسیٰ خان کو

بھی بتا دینا کہ یہ ہمارے مہمان ہیں' ان کا خیال رکھے۔"

"ٹھیک ہے طور خان۔" محمد عمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب تم لوگ روانہ ہو جاؤ۔" طور خان نے شارق اور نولکھا سے ہاتھ ملایا۔ "تم لوگ ہمارے اور گھوڑے لے جاؤ۔ ہمیں یہاں سے گھوڑے مل جائیں گے۔"

انہوں نے ایک ایک گھوڑا کھول لیا۔ ثمینہ نے ایک سفید گھوڑا منتخب کیا تھا۔ محمد عمر نے بھی اپنا گھوڑا کھول لیا تھا۔ باقی چار گھوڑے طور خان کے ساتھیوں نے کھول لیے تھے۔

ان کے گھوڑوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔ سب سے آگے محمد عمر کا گھوڑا تھا اور آخر میں شارق کا۔ انہوں نے تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کیا ہوگا کہ سورج غروب ہو گیا لیکن اس کے کچھ ہی دیر بعد چاند نکل آیا۔ چاند ان کے بالکل سامنے تھا اور انہوں نے کئی عرصہ بعد چاند کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ چودھویں کی شب تھی اور کسی بہت بڑے تھال کی طرح چمکتا ہوا چاند بہت بھلا لگ رہا تھا۔

راستہ تقریباً ہموار تھا اس لیے گھوڑوں کو چلنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آرہی تھی لیکن سامنے بہت دور بلند پہاڑ نظر آرہے تھے اور شارق جانتا تھا کہ جب وہ ان پہاڑوں میں پہنچیں گے تو ان کے لیے دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔

وہ چاندنی رات میں چلتے رہے۔ ان کے چاروں طرف ویرانہ اور سناٹا تھا جو بڑا پراسرار لگ رہا تھا۔ ملک طوطی خان کے گاؤں تک تو انہوں نے باغات دیکھے تھے لیکن اس سے آگے کا علاقہ بالکل بنجر تھا۔ کہیں کہیں کوئی اکا دکا درخت نظر آجاتا تھا یا وہ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اپنا گھوڑا اس کے قریب لاتے ہوئے کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ روس والے اس ملک پر قبضہ کیوں کرنا چاہتے تھے۔ ہم کئی روز سے یہاں بھٹک رہے ہیں۔ بڑا بنجر اور ویران ملک ہے یہ۔ یہاں نہ تو سونے کی کانیں ہیں اور نہ ہی یہاں کی زمین اناج پیدا کرتی ہے۔ روس نے اپنے ہزاروں بندے مروا دیئے۔ اپنے ملک کی آدھی دولت یہاں خرچ کر دی بلکہ ضائع کر دی۔ اگر وہ قبضہ جمانے میں کامیاب ہو بھی جاتا تو اسے یہاں سے کیا مل جاتا۔ یہاں تو پتھروں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تم اس بات کو نہیں سمجھ سکو گے نولکھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کسی ملک پر قبضہ کرنے کے لیے ضروری نہیں ہوتا کہ وہاں سونے کی کانیں ہوں۔ وہاں کی زمین اناج اگلتی ہو اور وہاں کے میدانوں میں دودھ کی نہریں بہتی ہوں۔" وہ چند لمحوں خاموش ہوا' پھر بات جاری

رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "روس اس بنجر اور ویران ملک پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تو اس کی وجہ کچھ اور تھی۔ یہ ملک دفاعی لحاظ سے اس کے لیے اہمیت رکھتا تھا۔ افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد اس کے قدم پاکستان کی طرف بڑھتے۔ اسے اس خطے پر کنٹرول حاصل کرنے کے لیے بندرگاہ کی ضرورت تھی اور گرم پانیوں کے سمندر تک پہنچنے کے لیے ہی روس نے یہ سارے جتن کیے تھے لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ روس دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی لیکن افغانستان میں شکست کے بعد اس کی طاقت کا شیرازہ بکھر گیا۔ سنٹرل ایشیا کی ریاستیں روس کے تسلط سے آزاد ہو رہی ہیں۔ روس اپنی اصل سرحدوں میں سمٹ رہا ہے۔ اگر وہ افغانستان میں پناہ لیتا تو شاید صورتحال یہ نہ ہوتی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ افغان بڑے بہادر ہیں۔" نولکھا بولا۔

"ان کی بہادری تو تم دیکھ چکے ہو۔" شارق نے جواب دیا۔ "افغانستان میں روس کی شکست کی ایک اور بڑی وجہ یہاں کے دشوار گزار راستے ہیں۔ روسی فوجوں کے لیے نقل و حرکت ایک بڑا مسئلہ تھا۔ اونچے پہاڑوں اور دشوار گزار راستوں پر انہیں قدم قدم پر مزاحمت کا سامنا تھا۔ افغانوں نے چھاپہ مار جنگ لڑی ہے اور یہ چھاپہ مار جنگ ہی روس کی شکست کا باعث بنی تھی۔"

"فرض کرو اگر روسی یہاں قابض ہو جاتے تو؟" نولکھا نے کہا۔

"اول تو یہ ناممکن ہوتا۔" شارق نے کہا۔ "کسی دوسرے ملک پر قبضہ کرنا آج کے دور میں اتنا آسان نہیں ہے اور بالفرض یہاں روس کا قبضہ ہو بھی جاتا تو صورتحال پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کے لیے کم از کم نصف صدی درکار ہوتی۔"

"جب طاقت ہو تو کسی کو کچلنے کے لیے اتنی مدت درکار نہیں ہوتی۔" نولکھا نے کہا۔

"یہ صرف کہنے کی باتیں ہیں۔" شارق بولا۔ "دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہونے کے باوجود روس کو یہاں سے اپنا بوریا بستر سمیٹنا پڑا۔ بہرحال چھوڑو ان باتوں کو ہمیں یہاں سے کیا لینا۔"

باتوں میں انہوں نے اپنے گھوڑوں کی رفتار پر بھی توجہ نہیں دی اور اب شارق کو احساس ہوا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ اس نے نولکھا کو اشارہ کیا اور گھوڑے کی لگام کو حرکت دے کر اس کی رفتار بڑھا دی۔ اس طرح وہ کچھ ہی دیر بعد اپنے ساتھیوں سے جا ملے۔

"محمد عمر کہہ رہا ہے کہ ہمیں کم از کم دو گھنٹے اور سفر کرنا پڑے گا۔ ان پہاڑیوں کے دامن میں پہنچ کر ہم کچھ دیر آرام کریں گے اور پھر اگلے سفر پر روانہ ہو جائیں گے اور پھر

ہمیں رات بھر سفر کرنا پڑے گا۔" ثمینہ نے شارق اور نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم تو مسلسل سفر میں ہیں۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جب سے ہم نے افغانستان کی سرحد عبور کی ہے' اس وقت سے بھاگ دوڑ میں ہیں اور یہ بھاگ دوڑ اس وقت ختم ہوگی جب ہم پاکستان کی سرحد میں داخل ہوں گے۔"

"فکر مت کرو نولکھا.....ہم ایک نہ ایک روز اپنے ملک پہنچ ہی جائیں گے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

محمد عمر ان سے کافی آگے نکل چکا تھا۔ شاہ پری کا گھوڑا اس کے پیچھے تھا۔ اس نے بھی اپنا گھوڑا ان کے قریب کر لیا اور یہ لوگ باتیں کرتے ہوئے چلتے رہے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک پہاڑی ندی کے آس پاس چند درخت بھی تھے اور ایک چھوٹی چٹان کے قریب دو تین کچے مکان بھی نظر آرہے تھے۔ ندی کے قریب پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اتر گئے۔ گھوڑے بھی شاید پیاسے تھے' وہ ندی میں پانی پینے لگے۔ شارق وغیرہ چند گز اوپر کی طرف چلے گئے۔ انہوں نے بھی سیر ہو کر پانی پیا۔

محمد عمر اپنا گھوڑا وہیں چھوڑ کر ان مکانوں کی طرف چلا گیا۔ اس نے ایک مکان کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ کچھ ہی دیر بعد ایک ادھیڑ عمر آدمی مکان سے باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں کلاشنکوف رائفل تھی۔

"اکبر خان۔" محمد عمر اس شخص کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "طور خان کے مہمان آئے ہیں۔ دوسرے مکان کا دروازہ کھولو اور ان کے کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ کھانا کھا کر ہم لوگ چلے جائیں گے۔"

"اچھا اچھا.....تم ادھر ہی ٹھہرو.....میں آتا ہوں۔" اکبر خان دوبارہ اندر چلا گیا۔ اکبر خان تقریباً پانچ منٹ بعد واپس آیا۔ اس مرتبہ اس کے ہاتھ میں رائفل کے بجائے لالٹین تھی۔ وہ دوسرے مکان کے سامنے آگیا۔ جیب سے چابی نکال کر عمر نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

شارق وغیرہ بھی اندر آگئے۔ بڑا سا کمرہ تھا جس کے فرش پر نمدہ بچھا ہوا تھا۔ وہ لوگ تقریباً تین گھنٹوں تک گھوڑے کی پشت پر سفر کرتے رہے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی نمدہ پر لیٹ گئے۔ اکبر خان انہیں یہاں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔

جب انہوں نے اپنا سفر شروع کیا تھا تو شام ہو رہی تھی اور وہ لوگ تقریباً تین گھنٹوں تک سفر کرتے رہے تھے۔ شارق کے خیال میں اب دس بج رہے ہوں گے۔ تقریباً چالیس

منٹ بعد اکبر خان ان کے لیے کھانا لے کر آگیا۔ تازہ پکی ہوئی روٹیاں اور بغیر دودھ کے چائے تھی۔ بھوک میں اس روکھی روٹی نے بھی بہت مزا دیا تھا۔

روٹی کھانے کے دوران وہ لوگ باتیں بھی کرتے رہے۔ نولکھا اس بات پر حیرت کا اظہار کر رہا تھا کہ آبادی سے میلوں دور ویرانے میں آباد اکبر خان اور اس کے گھر والے کیسے زندہ ہیں۔ یہاں نہ تو زرخیز زمین ہے جس پر کوئی کھیتی باڑی ہوتی ہو اور نہ ہی آمدنی کا کوئی اور ذریعہ۔ یہ لوگ کھاتے پیتے کہاں سے ہوں گے۔

"اکبر خان شہریوں سے زیادہ خوش ہے۔" محمد عمر نے ان کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "ان پہاڑیوں میں چیڑ کے درختوں کی بہتات ہے۔ اکبر خان اور اس کا بیٹا دن بھر درخت کاٹتے رہتے ہیں۔ گرویز میں لکڑی کا ایک تاجر ہفتے میں ایک مرتبہ یہاں آکر لکڑیاں لے جاتا ہے جن سے اکبر خان کو معقول آمدنی ہو جاتی ہے۔ کبھی کبھی وہ خود بھی شہر چلا جاتا ہے اور اپنا راشن لے آتا ہے۔"

"لیکن اس طرف تو کوئی باقاعدہ راستہ نہیں ہے۔ لکڑی کے لیے ٹرک وغیرہ کیسے آتے ہوں گے؟" شارق نے کہا۔

"لکڑی لے جانے کے لیے اونٹ اور گھوڑے استعمال ہوتے ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"محمد عمر ہم جیسے لوگوں کے لیے بھی کام کرتا ہے۔ حکومت کے باغیوں کے کئی گروہ ان پہاڑیوں میں چھپے ہوتے ہیں۔ ان کی تلاش میں پولیس اور فوج بھی اس طرف آتی رہتی ہے۔ اکبر خان سے ہمیں پولیس اور فوج کی نقل و حرکت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ ان اطلاعات کے عوض باغی بھی مالی طور پر اکبر خان کی مدد کرتے رہتے ہیں۔"

"لیکن....." شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "باغی تو خود پہاڑوں میں دربدر پھرتے رہتے ہوں گے۔ انہیں تو اپنے کھانے پینے کی فکر رہتی ہوگی۔"

"ہمیں کبھی کھانے پینے کی فکر نہیں رہی۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "ان پہاڑوں میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہیں جہاں سے ہمیں کھانے پینے کو مل جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ہم آس پاس بڑی بستیوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ یہاں سے ہم مال جمع کرتے ہیں۔"

"کیا لوگ خود بخود تم لوگوں کی مدد کرتے ہیں؟" نولکھا نے پوچھا۔

"بڑی بستیوں کے لوگ مشکل ہی سے کچھ نکالتے ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "ایسے لوگوں سے ہمیں زبردستی چھیننا پڑتا ہے اسلحہ کے زور پر۔ بعض اوقات لوگ مقابلے پر اتر آتے

ہیں اور ایک آدھ آدمی ہمارے ہاتھوں سے مارا بھی جاتا ہے۔"

"زبردستی چھیننا پڑتا ہے۔" شارق بڑبڑایا۔ "تمہارا مطلب ہے ڈاکے!"

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" محمد عمر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا' پھر اپنی رائفل سنبھالتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے اب ہمیں چل دینا چاہیے اور ہمارا راستہ خاصا لمبا ہے۔"

"کیا ہم رات بھر سفر کرتے رہیں گے!" شارق نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔ مجبوری ہے۔ صبح ہونے سے پہلے ہمیں اپنی پہلی منزل پر پہنچنا ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا اور وہ لوگ اس مکان سے باہر آگئے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اسی طرح ان کا سفر شروع ہو گیا۔

وہ لوگ مسلسل بلندی کی طرف سفر کرتے ہوئے پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ گھوڑوں پر ان کا سفر رات بھر جاری رہا۔ انہیں کہیں تو ہموار راستہ ملا اور کہیں راستہ اس قدر دشوار تھا کہ اس طرف سے گزرتے ہوئے ان کی روح تک کانپ اٹھتی تھی۔

صبح پانچ بجے کے قریب وہ ایک بار پھر ایک کشادہ راستے پر پہنچ گئے۔ اس راستے پر بیک وقت کئی گھوڑے گزر سکتے تھے۔ یہ راستہ چٹانوں کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ بل کھاتے ہوئے اس راستے پر چلتے ہوئے ایک مسطح چٹان پر واقع ایک قلعہ نما مکان میں پہنچ گئے۔ اس مکان کے چاروں طرف خاصی کشادہ جگہ تھی اور وہاں سے نشیب میں دور تک پھیلی ہوئی وادی کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔

یہ مکان قلعہ نما تھا۔ اس میں کئی کمرے تھے اور بہت وسیع و عریض صحن تھا۔ شارق کے اندازے کے مطابق یہاں کم از کم دو سو آدمی بیک وقت قیام کر سکتے تھے۔ ایسے قلعہ نما مکان انہوں نے افغانستان میں کئی جگہ دیکھے تھے۔ پہلے تو ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکی تھی کہ ویران پہاڑوں میں آبادی سے میلوں دور اس قسم کے قلعہ نما مکان بنانے کی کیا تک تھی لیکن ایک موقع پر گل رحمان سے باتیں کرتے ہوئے انہیں یہ پتہ چلا تھا کہ افغانستان صدیوں سے بیرونی حملہ آوروں کی گزرگاہ رہا ہے۔ ان بیرونی حملہ آوروں سے نمٹنے کے لیے ہی جگہ جگہ ایسے چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے گئے تھے جہاں فوج کے سپاہی موجود رہتے تھے۔ ماضی میں یوں بھی افغانستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور جاگیروں میں بٹا ہوا تھا۔ ہر ریاست کے حکمران' جاگیردار اور امیر نے اپنے علاقے کی حفاظت کیلئے گزرگاہوں اور اپنی ریاست کی سرحدوں پر ایسے قلعے بنا رکھے تھے تاکہ مداخلت کاروں اور بیرونی حملہ آوروں کو روکا جا سکے۔

اس وقت اس قلعہ نما مکان میں چار آدمی تھے اور بقول نولکھا کے چار بیں دیسی ریچھ تھے۔ انہوں نے مہینوں سے نہ تو بال کٹوائے تھے اور نہ ہی نہائے ہوں گے۔ حالانکہ ان پہاڑوں میں پانی کی کمی نہیں تھی۔ جگہ جگہ برساتی ندی نالے موجود تھے جن میں صاف اور شفاف پانی بہہ رہا تھا۔

گھوڑے انہوں نے آنگن میں کھلے چھوڑ دیئے تھے۔ محمد عمر انہیں ایک کشادہ کمرے میں لے آیا۔ یہاں فرش پر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ تھکن سے اس قدر نڈھال تھے کہ چٹائی پر گرتے ہی سو گئے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد محمد عمر نے انہیں جگایا۔ اس وقت ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ توے پر پکی ہوئی موٹی موٹی روٹیاں' تلا ہوا خشک گوشت اور بغیر دودھ کے چائے۔

اس وقت دھوپ نکل چکی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد یہ لوگ کچھ دیر دھوپ میں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر کمرے میں آکر چٹائی پر لیٹ گئے۔

دوبارہ جب شارق کی آنکھ کھلی تو سہ پہر کے تین بج رہے تھے۔ نولکھا اس سے پہلے جاگ چکا تھا البتہ ثمینہ اور شاہ پری سو رہی تھیں۔ ان کی باتوں کی آواز سن کر وہ دونوں بھی جاگ گئیں۔

انہوں نے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔ البتہ رات کا کھانا شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی کھا لیا گیا تھا۔ رات کو روشنی کے لیے لالٹین روشن کر لی گئی۔ ایک لالٹین ان کے کمرے میں بھی رکھ دی گئی۔ محمد عمر کافی دیر تک ان کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا' پھر ادھر اپنے آدمیوں کے پاس چلا گیا۔

وہ لوگ اگرچہ دن بھر سوئے رہے تھے مگر ان کی تھکن ابھی پوری طرح نہیں اتری تھی۔ محمد عمر کے جانے کے بعد وہ سب اونگھنے لگے۔ شارق نے اٹھ کر دروازے کو اندر سے کنڈا لگا دیا اور نولکھا کے پاس آکر لیٹ گیا۔ ان سے کچھ فاصلے پر ثمینہ اور شاہ پری لیٹی ہوئی تھیں۔ ثمینہ غالباً سو گئی تھی لیکن شاہ پری جاگ رہی تھی۔ شارق کو اس کی ہلکی ہلکی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں۔

"مجھے اس کی حالت پر افسوس ہو رہا ہے۔" شارق نے نولکھا کے کان میں سرگوشی کی۔ "اسے اپنی ماں کی موت کا اتنا صدمہ ہے۔ جب اسے پتہ چلے گا کہ اس کا باپ بھی اس دنیا میں نہیں رہا تو اس کی حالت کیا ہوگی۔"

"باپ اس دنیا میں نہیں رہا' کیا مطلب؟" نولکھا نے اسے گھورا۔

"میں نے ابھی تم لوگوں کو بھی نہیں بتایا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "جب ہم تہہ خانے میں اترے تھے تو ملا نصیر الدین حملہ آوروں کو روکنے کے لیے باہر ہی رک گیا تھا۔ میں دروازے کے سوراخ سے آنکھ لگا کر دیکھ رہا تھا۔ دو پولیس والوں نے ملا نصیر الدین کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس سے ہمارے بارے میں پوچھ رہے تھے لیکن اس نے اپنی جان تو دیدی مگر ہمارے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ اسے بڑی بے دردی سے قتل کیا گیا تھا۔"

"تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا؟" نولکھا بولا۔

"موقع ہی کب ملا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "سرنگ سے نکلتے ہی محمد عمر نے ہینڈز اپ کرا دیا تھا۔ اس کے بعد طور خان وغیرہ آگئے تھے اور پھر صورتحال ایسی تھی کہ میں شاہ پری کو اس کے باپ کے قتل کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا۔ اگر اس کی ماں کا انتقال نہ ہوا ہوتا تو میں یہ دکھ بھری خبر اسے سنا ہی دیتا۔"

"بیچاری۔" نولکھا کہتے ہوئے بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "یہ تو بہت ظلم ہوا ہے اس کے ساتھ۔ وہ بیچاری اپنے باپ کا انتظار کرتی رہے گی لیکن کب تک، آخر کب تک چھپاؤ گے یہ خبر اس سے؟"

"دو تین دن بعد اسے بتا دوں گا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت تک شاید وہ اس قابل ہو جائے کہ یہ نیا صدمہ برداشت کر لے۔"

نولکھا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ اسے ملا نصیر الدین کی موت کا واقعی بڑا دکھ تھا۔ اس بیچارے نے ان لوگوں کو بچانے کے لیے جان دیدی تھی۔ اگر وہ چاہتا تو ان کے بارے میں بتا کر اپنی جان بچا سکتا تھا۔

نولکھا نے گردن گھما کر شاہ پری کی طرف دیکھا۔ وہ ثمینہ سے لپٹی ہوئی تھی۔ ثمینہ تو سو رہی تھی لیکن شاہ پری کی ہلکی ہلکی سسکیاں اسے سنائی دے رہی تھیں۔ نولکھا کو اس سے پہلے سے زیادہ ہمدردی ہو گئی۔ وہ اسے دلاسہ دینا چاہتا تھا مگر اس کے باپ کا حوالہ نہیں دے سکتا تھا۔

نولکھا نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھا۔ وہ بھی سو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد شاہ پری کی سسکیاں بھی بند ہو گئیں۔ شاید وہ بھی سو گئی تھی لیکن نولکھا جاگتا رہا، اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ شارق کی باتوں نے اس کی نیند اڑا دی تھی۔

ہر طرف سناٹا تھا، کھڑکی کے باہر سے جھینگر وغیرہ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں جو اس سناٹے میں بڑی پراسرار لگ رہی تھیں۔

رات دھیرے دھیرے بیت رہی تھی۔ نولکھا نے کئی مرتبہ آنکھیں بند کرکے سونے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ وہ جب بھی آنکھیں بند کرتا، شاہ پری کا معصوم چہرہ اس کے تصور میں ابھر آتا اور وہ آنکھیں کھول دیتا لیکن رات کے آخری پہر اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے اور بالآخر وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

○

اس قلعہ نما مکان میں رہتے ہوئے تیسرا دن تھا۔ ان لوگوں کے پاس کرنے کو کچھ نہیں تھا، لہٰذا یہ لوگ جی بھر کے بور ہوتے رہے۔ اسی روز شام کو کھانا کھانے کے دوران محمد عمر نے اعلان کر دیا کہ اگر آج رات طور خان اور اس کے ساتھی یہاں نہ پہنچے تو وہ لوگ صبح سویرے اپنے مرکز کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

"تمہارا یہ مرکز کہاں ہے اور یہاں سے کتنی دور ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"کل صبح چلیں گے تو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے پہنچ جائیں گے۔ وہاں سے زراوک نامی شہر چند میل کے فاصلے پر ہے۔"

"زراوک سے ہم کس طرف جا سکتے ہیں؟" شارق نے ایک اور سوال کیا۔

"یوں تو زراوک سے پاکستانی علاقے شمالی وزیرستان کی سرحد قریب پڑتی ہے لیکن تم لوگ اگر پاکستان جانا چاہتے ہو تو تمہارے لیے جنوبی وزیرستان کی سرحد پار کرنا زیادہ مناسب رہے گا۔"

"جنوبی وزیرستان زراوک سے کتنی دور ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"کئی دن کا فاصلہ ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں کئی روز تک ان پہاڑوں میں بھٹکنا پڑے گا۔" قریب بیٹھے ہوئے نولکھا نے کہا۔ پھر محمد عمر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ایک بات تو بتاؤ یار۔ تم لوگ ان پہاڑوں میں کیسے زندگی گزار رہے ہو۔ کیا تمہیں اپنے گھر والے یاد نہیں آتے؟"

"گھر والے!" محمد عمر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں تو اپنے گھر والوں کی شکلیں بھی بھول چکا ہوں۔ یہی پہاڑ اور ویرانی ہمارا گھر ہے۔ کہیں کہیں اس طرح کے مکان ہمارے قبضے میں ہیں ورنہ ہماری راتیں یا تو کھلے آسمان تلے گزرتی ہیں یا غاروں میں اور غاروں کی ان پہاڑوں میں کمی نہیں۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم لوگ ان پہاڑوں میں کیوں رہ رہے ہو؟" نولکھا نے

کہا۔ "ہر شخص کا ہر حکومت سے کوئی نہ کوئی سیاسی اختلاف ضرور ہوتا ہے بلکہ سیاسی اختلاف ہر شخص کا حق ہے لیکن اختلاف زیادہ شدت اختیار کر جائے تو حکومت کے عتاب سے بچنے کے لیے روپوش ہونا ہی پڑتا ہے لیکن جب حکومت بدل جاتی ہے تو یہ سارے اختلافات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ یہاں تو کئی حکومتیں بدلی ہیں۔ اس کے باوجود تم لوگ ان ویرانوں میں چھپے ہوئے ہو۔"

"اس لیے کہ ہم جیسے لوگ ہر حکومت کو مطلوب ہوتے ہیں۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہم کبھی اپنے گھروں کو نہیں لوٹ سکتے۔ ہم جیسے لوگوں کو باقی زندگی انہی پہاڑوں میں گزارنی ہوتی ہے۔"

"میں سمجھا نہیں!" نولکھا نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم سب فراری ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "ہم میں کوئی بھی آدمی ایسا نہیں ہے جس کے ہاتھوں دو چار آدمی نہ مارے گئے ہوں۔ کسی نے قبائلی دشمنی کی بنا پر اپنے دشمن کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اور کسی نے کسی اور وجہ سے۔ یہ لوگ نہ اپنے قبیلوں میں رہ سکتے ہیں' نہ شہروں اور بستیوں میں۔ یہ لوگ نہ صرف قانون کو مطلوب ہیں بلکہ ان کے دشمن بھی انہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ ان کے لیے پہاڑ ہی محفوظ پناہ گاہیں ہیں۔"

"اوہ سمجھا....." نولکھا نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "تو یہ قاتلوں کا گروہ ہے جو قانون اور اپنے دشمنوں سے بچنے کے لیے ان پہاڑوں میں پناہ لیے ہوئے ہے۔"

"یہی سمجھ لو....." محمد عمر نے جواب دیا۔ "لیکن ان پہاڑوں کے باہر سب لوگ ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ ملک طوطی خان جیسے لوگ بھی ہیں جو وقتاً" فوقتاً" ہماری مدد کرتے رہتے ہیں اور ہم بھی ایسے موقعوں پر ان کے کام آتے ہیں۔ اس روز جب ملک طوطی خان کا پیغام ملا تھا طور خان یہیں پر تھا۔ پیغام ملتے ہی وہ ہمیں ساتھ لے کر چل پڑا تھا۔"

"تو گویا طور خان اس گروہ کا سردار ہے۔" نولکھا نے کہا۔ "اسے تو یہ گروہ بنانے میں بڑی دشواری پیش آئی ہوگی۔ ویسے تم اس گروہ میں کب سے ہو؟"

"مجھے تین سال ہو چکے ہیں۔" محمد عمر نے بتایا۔ "یہ گروہ طور خان زہنی نے بنایا تھا۔ وہ مجھ سے تقریباً دو ہفتے پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ وہ تاجک ہے۔ ویسے اس گروہ میں مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے شامل ہیں۔ میں قندھار سے بھاگ کر آیا تھا۔ دو پاکستانی ہیں جن کا تعلق صوبہ سرحد سے ہے۔ وہ پولیس سے بچنے کے لیے اگرچہ آزاد علاقے میں آگئے تھے لیکن تم جانتے ہو کہ آزاد قبائلی علاقوں میں جرگے کا نظام چلتا ہے۔ جرگہ جو فیصلہ کر دے' وہ ہر حالت میں قبول کرنا پڑتا ہے۔ پولیٹیکل ایجنٹ کے مجبور کرنے پر جرگے نے ان دونوں کو قانون کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا تھا لیکن وہ دونوں وہاں سے بھاگ کر افغانستان آگئے۔ کچھ عرصہ مختلف علاقوں میں بھٹکتے رہے اور پھر اس گروہ میں شامل ہو گئے۔"

"تم نے کہا تھا کہ طور خان تم سے دو ہفتے پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ وہ گروہ کا سردار کیسے بنا؟" نولکھا نے پوچھا۔

"طاقت کا قانون ہر جگہ چلتا ہے۔" محمد عمر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "طور خان سے پہلے اس گروہ کا سربراہ ایک قندھاری تھا۔ طور خان کا کسی بات پر اس سے اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس وقت طور خان کو گروہ میں کسی کی بھی حمایت حاصل نہیں تھی لیکن طور خان نے قبیلے کے قندھاری سردار کو قتل کر دیا تو گروہ کے باقی آدمیوں نے اس کے سامنے سر جھکا دیا اور اسے گروہ کا سردار تسلیم کر لیا۔"

"اس گروہ میں کتنے آدمی ہیں؟" نولکھا نے ایک اور سوال کیا۔

"تقریباً پینتیس۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "گروہ کے اخراجات چلانا سردار کی ذمہ داری ہے اور یہ سردار کا کام ہے کہ وہ قرب و جوار کی بستیوں کے سرداروں سے راشن وصول کرے یا بستیوں میں لوٹ مار کی جائے۔"

"سمجھ گیا بھائی۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لوٹ مار ہی تم لوگوں کا پیشہ ہے۔ لوٹ مار تو ہم بھی کرتے ہیں لیکن ہمارا طریقہ ذرا مختلف ہے۔"

شارق ایک طرف بیٹھا خاموشی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ محمد عمر نے جو انکشافات کیے تھے' وہ اس کے لیے خاصے دلچسپ تھے۔ گروہ کے سربراہ طور خان سے بہت مختصر سی ملاقات ہوئی تھی اور وہ اس کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا لیکن اسے جو باتیں معلوم ہوئی تھیں' ان سے وہ کسی حد تک اندازہ لگا سکتا تھا کہ اگر کوئی برا وقت آیا تو طور خان جیسے شخص سے نمٹنا آسان کام نہیں ہوگا۔

اگلے روز صبح سویرے وہ لوگ روانہ ہو گئے۔ اس مرتبہ راستہ زیادہ دشوار نہیں تھا۔ وہ ایک وادی میں سفر کر رہے تھے۔ دوپہر کے قریب وہ ایک دریا کے سامنے پہنچ گئے۔ پانی کی وجہ سے آس پاس درختوں کی بہتات تھی۔ شہتوت کے درخت زیادہ تھے۔ انہوں نے درختوں کے قریب ہی پڑاؤ ڈال دیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ کچھ دیر آرام کرنے کے لیے ادھر ادھر لیٹ گئے۔ ثمینہ شاہ پری کے ساتھ تھی۔ شارق نے ثمینہ کو اشارے سے بلایا اور اس کے ساتھ ٹہلتا ہوا دریا کے کنارے پر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں پیر پانی میں لٹکا لیے تھے۔

"کوئی خاص بات ہے؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ بھی اس کے قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہاں..... خاص بات ہی سمجھو۔" شارق نے مدھم لہجے میں کہا۔ "کل رات میں نے نوکھا کو تو بتا دیا تھا اور اب تمہیں بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ تم اس معاملے کو کس طرح ہینڈل کرتی ہو۔"

"معاملہ کیا ہے؟" ثمینہ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ جب ہم ملک طوطی خان کی حویلی میں تہہ خانے میں اترے تھے تو ملا نصیر الدین پولیس والوں کو ہم سے دور رکھنے کے لیے باہر ہی رہ گیا تھا۔"

"ہاں' مجھے یاد ہے اور وہ ہمارے ساتھ بھی نہیں آیا۔" ثمینہ بولی۔

"اب وہ کبھی نہیں آئے گا۔" شارق نے کہا۔ اس کے لہجے میں افسردگی تھی۔

"کیا مطلب' کیا کہنا چاہتے ہو؟" ثمینہ اسے گھورا۔

"ملا نصیر الدین کو قتل کر دیا گیا تھا۔" شارق نے کہا اور پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "اب تک میں اس لیے خاموش رہا کہ شاہ پری ماں کی موت کے صدمے سے نڈھال ہو رہی تھی لیکن اس کے باپ کے قتل کی خبر زیادہ دیر تک چھپائی نہیں جا سکتی۔ تم کسی طرح شاہ پری کو بتا دو کہ اس کا باپ بھی اس دنیا میں نہیں رہا۔"

ثمینہ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک دم اداسی چھا گئی تھی۔ ملا نصیر الدین یا شاہ پری سے ان کا کوئی خونی رشتہ نہیں تھا لیکن ان سے کئی راتوں کا ساتھ رہا تھا اور پھر ملا نصیر الدین نے انہی کی جان بچانے کے لیے اپنی جان دی تھی۔ شاہ پری سے تو ثمینہ کو کچھ زیادہ ہی انس ہو گیا تھا۔ اسے یاد آگیا' جب وہ شاہ پری کے گاؤں سے فرار ہوئے تھے اور وہ راستہ بھٹک گئی تھی اور پھر دوسرے دن اسے شاہ پری بھی اس ویرانے میں مل گئی تھی۔ اسے سب کچھ یاد آرہا تھا کہ کس طرح وہ پہاڑوں میں بھٹکنے کے بعد ایک والے مکان میں پہنچ گئی تھیں جہاں جہانزیب نامی شخص نے شاہ پری کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی اور اس کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ پھر ان کا اس مکان سے فرار ہونا اور پولیس کے ہاتھوں پکڑے جانا۔

شام کو شاہ پری کا باپ اسے پولیس سے چھڑا کر لے گیا تھا۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ وہ جیل میں پڑی رہے گی اور پولیس والوں کی ہوس کا نشانہ بنتی رہے گی۔ پولیس چوکی کے انچارج نے اس کی عزت لوٹنے کی کوشش کی تھی لیکن عین وقت پر شارق اور ملا نصیر الدین کے آدمی

پہنچ گئے تھے اور پولیس والوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد اسے پولیس چوکی سے نکال لے گئے تھے۔

ثمینہ کو سب کچھ یاد آرہا تھا۔ ملا نصیر الدین نے ان کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا اور پھر جب وہ لوگ بھی ملک طوطی خان کے گاؤں پہنچے تھے تو ملا نصیر الدین کتنا خوش ہوا تھا۔ شاہ پری کتنا خوش ہوئی تھی۔ ملا نصیر الدین نے انہیں حفاظت کا یقین دلایا تھا اور بالآخر انہیں بچانے کے لیے اپنی جان دیدی تھی۔

ثمینہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"میرا خیال تھا تم بہت باہمت لڑکی ہو اور تم شاہ پری کو سہارا دو گی لیکن تم تو خود رونے لگیں۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بات ہی ایسی ہے کہ میں اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکی۔" ثمینہ نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "مگر تم فکر مت کرو۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔"

اپنے پیچھے پتھروں کے لڑھکنے کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ انہوں نے بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھا۔ شاہ پری کو اپنے سے چند قدم کے فاصلہ پر کھڑے دیکھ کر شارق کے دماغ میں تیز سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ نجانے کب سے وہاں کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔

"مم.....میں نے.....سن لیا ہے.....سب کچھ سن لیا ہے۔" شاہ پری کی آواز جیسے حلق میں پھنس رہی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل پیلا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں اور وہ کھڑے کھڑے لہرانے لگی۔

ثمینہ دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ شاہ پری بے ہوش ہو گئی تھی۔ اگر ثمینہ بروقت اسے نہ سنبھال لیتی تو وہ یقیناً گر جاتی۔ شارق بھی دوڑ کر ان کے قریب پہنچ گیا اور دونوں نے شاہ پری کو سہارا دے کر زمین پر لٹا دیا۔ شارق اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دینے لگا۔ نوکھا اور محمد عمر نے بھی دیکھ لیا اور وہ دونوں بھی دوڑ کر ان کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا ہوا.....کیا ہوا اس لڑکی کو؟" محمد عمر نے پوچھا۔ وہ بھی اس صورتحال سے ایک دم حواس باختہ ہو گیا تھا۔

"صدمے سے بے ہوش ہو گئی ہے۔" شارق نے کہا اور چلو میں پانی لے کر شاہ پری کے حلق میں ٹپکانے لگا۔

"ماں نے اس کی آغوش میں دم توڑا تھا۔ یہ اس صدمے کو آسانی سے نہیں بھول سکے گی۔" محمد عمر نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ماں کا صدمہ تو اس نے کسی طرح برداشت کر ہی لیا تھا مگر باپ کی موت کی خبر اس کے حواس پر بجلی بن کر گری ہے۔" شارق نے کہا۔

"باپ کی موت کی خبر! میں سمجھا نہیں۔" محمد عمر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اس کا باپ ملک طوطی خان کی حویلی میں پولیس کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ کسی مناسب وقت پر اسے بتا دوں گا لیکن وہاں سے فرار ہوتے ہوئے تہہ خانے کی سرنگ میں اس کی ماں کو بچھو نے ڈس لیا' وہ مر گئی۔ میں نے اس کے باپ کی موت کی خبر چھپائی۔ اب میں ثمینہ کو سمجھا رہا تھا کہ کسی مناسب طریقے سے اسے باپ کی موت کا بھی بتا دیا جائے۔ اس نے ہماری باتیں سن لیں۔"

شارق شاہ پری کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شاہ پری ہوش میں آگئی۔ وہ کچھ دیر تک عجیب سی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھتی رہی' پھر اٹھ کر ثمینہ سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔ ان میں سے کسی نے اسے چپ کرانے کی کوشش نہیں کی کیونکہ ان کے خیال میں اس کا رو لینا ہی بہتر تھا۔ اس طرح اس کے دل کا غبار ہلکا ہو جاتا۔

شاہ پری کی وجہ سے انہیں تقریباً ایک گھنٹہ مزید وہاں رکنا پڑا اور پھر وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر دریا کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ تقریباً دو گھنٹوں کی مسافت کے بعد انہوں نے دریا پار کر لیا۔ وادی کے اختتام پر وہ ایک بار پھر اونچے پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔

ان کا سفر سورج غروب ہونے کے بعد بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ کئی گھنٹوں سے گھوڑوں کی پشت پر سوار تھے اور بری طرح تھک گئے تھے۔

"ابھی ہمیں اور کتنا دور جانا ہے محمد عمر؟" ثمینہ نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔ اسے اپنے سے زیادہ شاہ پری کی فکر تھی جس کا گھوڑا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور گھوڑے پر بیٹھی ہوئی شاہ پری بار بار جھول رہی تھی۔

"تقریباً ایک گھنٹہ۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ ایک تنگ سے راستے میں داخل ہو گئے۔ دونوں طرف عمودی چٹانیں تھیں اور راستہ اس قدر تنگ تھا کہ دو گھوڑے پہلو بہ پہلو بمشکل چل سکتے تھے لیکن وہ لوگ سنگل لائن میں چل رہے تھے۔ سب سے آگے محمد عمر تھا اور آخر میں شارق.....وہ گردن اٹھائے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دونوں طرف چٹانیں تقریباً سو فٹ اونچی تھیں جنہیں دیکھ کر خوف آرہا تھا۔ لگتا تھا جیسے کسی بھی وقت گر جائیں گی۔ یہ چٹان پہلے یقیناً ایک ہی رہی

ہوگی اور کسی وقت زلزلے سے بٹ کر دو حصوں میں تقسیم ہو گئی ہوگی۔

یہ تنگ سا راستہ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا سا تھا۔ وہ تقریباً آدھے گھنٹے تک اس راستے پر چلتے رہے اور بالآخر ایک کھلی جگہ پر پہنچ گئے۔ یہ ایک مسطح چٹان تھی جس کی چوڑائی سو فٹ اور لمبائی ڈیڑھ سو فٹ رہی ہوگی۔ اس کے تین اطراف میں بند چٹانیں اٹھی ہوئی تھیں اور ایک طرف عمودی ڈھلان تھی۔ اس ڈھلان کے اختتام پر تاحدِ نظر وسیع و عریض وادی پھیلی ہوئی تھی اور اس وادی میں بہت دور نشیب میں روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔

"وہ روشنیاں کیسی ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"زراوک شہر۔" عمر نے جواب دیا۔

شارق اس طرف دیکھنے لگا۔ روشنیوں کے پھیلاؤ سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ شہر زیادہ بڑا نہیں تھا۔

وہ لوگ گھوڑوں سے اتر آئے تھے۔ محمد عمر اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے دائیں طرف کی چٹان میں ایک اور تنگ سی دراڑ میں داخل ہو گیا۔ ان لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ اس دراڑ کے اختتام پر بھی بیس تیس فٹ چوڑی کھلی جگہ تھی اور سامنے ایک بہت بڑے غار کا دہانہ نظر آرہا تھا۔ غار کا دہانہ اتنا بڑا تھا کہ ایک ٹرک اس میں آسانی سے داخل ہو سکتا تھا۔

وہ لوگ جیسے ہی اس تنگ سی دراڑ سے باہر نکلے' دو آدمی کسی طرف سے نمودار ہوئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں لیکن رائفلوں کی نالیں نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے پہلے محمد عمر سے' پھر شارق اور نولکھا سے ہاتھ ملایا اور پھر ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگے۔ ان دونوں لڑکیوں کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی۔ وہ کچھ دیر وہیں کھڑے باتیں کرتے رہے' پھر غار میں آگئے۔

تقریباً دس گز آگے جا کر غار دائیں طرف مڑ گیا۔ اس طرف تیز روشنی ہو رہی تھی۔ مختلف جگہوں پر دو پیٹرومیکس جل رہے تھے۔ دیواروں کے ساتھ ساتھ غار کے فرش پر بستر بچھے ہوئے تھے۔ سات آدمی غار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی گرمجوشی سے ان لوگوں سے ہاتھ ملایا تھا۔

"محمد عمر! یہ کون لوگ ہیں۔ تم انہیں یہاں کیوں لائے ہو؟" ان میں سے ایک نے محمد عمر کی طرف دیکھتے ہوئے پشتو میں پوچھا۔

"یہ طور خان کے مہمان ہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "موسیٰ خان۔" وہ اس شخص کی طرف دیکھ کر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "طور خان نے کہا تھا کہ ان لوگوں کا خیال رکھا جائے

اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ خود بھی ایک دو دن بعد یہاں پہنچ جائے گا۔"

"تم فکر مت کرو۔ ہم ان کا بہت خیال رکھے گا۔" موسیٰ خان نے جواب دیا اور عجیب سی نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھا۔

شارق نے موسیٰ خان کی نظروں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ کسی بھی وقت اس کی نیت میں فتور آسکتا ہے۔ یہ لوگ نجانے کب سے ان پہاڑوں میں پڑے ہوئے تھے۔ اتنا عرصہ وہ عورت سے دور رہے تھے اور اب دو جوان اور حسین عورتیں ان کے سامنے تھیں۔ ان کی نیت کسی بھی وقت بدل سکتی تھی۔ غار میں بیٹھے ہوئے اور لوگ بھی للچائی ہوئی نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"موسیٰ خان۔" محمد عمر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے کھانے کا کوئی بندوبست کرو۔ بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"تھوڑا انتظار تو کرنا پڑے گا۔" موسیٰ خان کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"بیٹھو۔ تم لوگ بیٹھو۔" محمد عمر نے شارق وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ لوگ دوسرے آدمیوں سے قدرے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ محمد عمر نے انہیں بتایا کہ موسیٰ خان اس گروہ کا نائب صدر ہے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی اٹھ کر غار کے دوسرے حصے میں چلا گیا۔ شارق سرگوشیوں میں اپنے ساتھیوں سے باتیں کرنے لگا۔

"ہمیں یہاں بہت محتاط رہنا ہوگا ثمینہ۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے ان لوگوں کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔ یہ لوگ کسی بھی وقت کوئی حرکت کر سکتے ہیں۔"

"ان کی تو آنکھوں میں، میں نے بھی ہوس کی چمک دیکھ لی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"لیکن مطمئن رہو۔ اگر ان لوگوں نے کوئی حرکت کی تو آسانی سے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"یہ ڈاکو لوگ اپنے سرداروں کا بڑا حکم مانتے ہیں۔" نولکھا نے کہا۔ "محمد عمر نے انہیں بتا بھی دیا ہے کہ ہم طور خان کے مہمان ہیں اور میرا خیال ہے کہ طور خان کے آنے سے پہلے یہ لوگ کوئی حماقت نہیں کریں گے۔"

"کسی کی نیت کا کوئی بھروسہ نہیں۔ ہمیں بہرحال محتاط رہنا ہوگا۔" شارق نے کہا۔ وہ لوگ بیٹھے سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ رائفلیں انہوں نے اپنے قریب ہی رکھی ہوئی تھیں تاکہ کسی ہنگامی صورتحال میں انہیں استعمال کیا جا سکے۔

کھانا انہیں تقریباً ایک گھنٹے بعد ملا تھا۔ وہی توے کی پکی ہوئی موٹی موٹی روٹیاں اور تلا ہوا

خشک گوشت۔

"میرا خیال ہے اس ملک کے لوگ باسی کھانا کھانے کے عادی ہیں۔" نولکھا نے گوشت کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

"باسی نہیں، یہ تازہ کھانا ہے۔ ابھی تیار کیا گیا ہے۔" محمد عمر نے کہا۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ یہاں کے لوگ زیادہ تر سوکھا ہوا گوشت ہی کھاتے ہیں۔"

"اوہ۔" محمد عمر بولا۔ "بات یہ ہے کہ اس ملک کی زیادہ آبادی چھوٹی چھوٹی بستیوں کی صورت میں پھیلی ہوئی ہے۔ بہت سی بستیوں میں قصاب کی دکانیں نہیں ہیں۔ لوگ جانوروں کو ذبح کر کے گوشت سکھا لیتے ہیں اور ضرورت کے مطابق استعمال کرتے رہتے ہیں۔"

نولکھا نے اس مرتبہ جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ دوسرے آدمی ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ شارق نے محسوس کیا کہ موسیٰ خان اور اس کے دو ساتھی بار بار کن انکھیوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"محمد عمر! یہ موسیٰ کیسا آدمی ہے؟" شارق نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"بہت بڑا دیوث ہے۔" محمد عمر نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔ "اسی لیے تو طور خان نے خاص طور پر تم لوگوں کے لیے بارے میں پیغام بھجوایا تھا کہ اس کے مہمان ہیں اور انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔"

"لیکن مجھے اس کی نیت پر شبہ ہو رہا ہے۔" شارق بولا۔ "ہم لوگ جب سے یہاں آئے ہیں۔ موسیٰ اور اس کے ساتھی ثمینہ اور شاہ پری کو گھور رہے ہیں۔"

"مجھے بھی یقین ہے کہ ان لڑکیوں کے بارے میں اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔"

محمد عمر نے جواب دیا۔ "لیکن تم فکر مت کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر اس نے کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو نمٹ لیں گے۔ طور خان بھی اس سے خوش نہیں ہے۔ یہ سردار بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔"

"اور طور خان کیسا آدمی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ تاجک ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "تاجکستان میں اس پر کئی لوگوں کے قتل کا الزام ہے۔ وہ فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا تھا۔ یہاں بھی کئی آدمی اس کے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ کابل میں ایک بڑے پولیس آفیسر کو اس نے ہاتھوں سے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا تھا۔ اب اس کی ساری زندگی پہاڑوں میں گزرے گی۔"

"عورتوں کے بارے میں اس کا رویہ کیسا ہے؟" شارق نے ایک اور سوال کیا۔

"عورت ہر مرد کی کمزوری ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "حسین اور جوان لڑکیاں تو ان جیسے لوگوں کو کچھ بھی کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔" وہ کن انکھیوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ "مجھے یاد ہے تقریباً تین مہینے پہلے موسیٰ خان کسی عورت کو اٹھا لایا تھا جسے طور خان نے اس سے چھین لیا تھا۔ اس بات پر دونوں میں ناراضگی بھی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ عورت کئی روز تک طور خان کے پاس رہی تھی۔ پھر وہ اسے لے کر کہیں چلا گیا تھا۔ کئی روز بعد واپس آیا تو وہ عورت اس کے ساتھ نہیں تھی۔"

"کیا طور خان اور موسیٰ خان میں اس عورت کے لیے جھگڑا بھی ہوا تھا؟"

"نہیں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "طور خان کے کہنے پر موسیٰ خان نے وہ عورت خاموشی سے اس کے حوالے کر دی تھی لیکن میں جانتا ہوں' ان میں رنجش پیدا ہو گئی تھی۔ موسیٰ خان کے دل میں اب بھی ناراضگی ہے۔"

"ہوں۔" شارق نے ہنکارہ بھرا۔ "کیا رات کو ہمیں یہیں سونا پڑے گا۔ میرا مطلب ہے اسی غار میں!"

"ایک چھوٹا سا غار اور بھی ہے۔" محمد عمر نے کہا۔ "غار کا وہ حصہ دراصل طور خان کے استعمال میں رہتا ہے۔ تم لوگ چاہو تو وہاں سو جانا۔"

"ٹھیک ہے' ہم وہیں سوئیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

کھانا کھانے کے بعد محمد عمر انہیں غار کے ایک اور حصہ میں لے آیا۔ غار کا یہ حصہ کسی چھوٹے کمرے کی طرح تھا جس کے فرش پر چٹائی اور اس پر بھیڑ کی کھالوں سے بنا ہوا گدا سا بچھا ہوا تھا۔ ایک دیوار میں کیل ٹھکے ہوئے تھے جن پر کچھ کپڑے ٹنگے ہوئے تھے۔ اسی غار کے پچھلے حصے میں یقیناً چھوٹی چھوٹی درزیں بھی یا سوراخ تھے جن سے تازہ ہوا اندر آ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ تم لوگ سو جاؤ۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔" محمد عمر کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔

وہ لوگ دیواروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ شارق اور نولکھا بھی غار کے دروازہ نما دہانے کے دائیں اور بائیں طرف بیٹھے تھے جبکہ ثمینہ اور شاہ پری پچھلے حصے میں چلی گئی تھیں۔ اوڑھنے کے لیے بھی بھیڑ کی کھالیں ہی رکھی ہوئی تھیں۔ ثمینہ اور شاہ پری نے لیٹ کر وہ کھالیں اوڑھ لیں اور کچھ ہی دیر بعد نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تو وحشیوں میں گھر گئے ہیں۔ جب تک یہاں سے نکل نہیں جاتے' چین سے سو بھی نہیں سکتے۔ خاص طور پر یہاں تو ہمیں جاگ کر پہرہ دینا پڑے گا۔ ایسا کرو' تم سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔ آدھی رات کے بعد میں تمہیں جگا دوں

گا۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ طریقہ مناسب رہے گا۔" شارق نے جواب دیا اور بھیڑ کی کھال اوڑھ کر نیم دراز ہو گیا۔

نولکھا نے اپنی جگہ بدل لی۔ اب وہ ایسی جگہ پر بیٹھ گیا تھا جہاں سے وہ دروازے کے باہر تک دیکھ سکتا تھا۔

شارق گہری نیند سو رہا تھا۔ تھکن سے اسے ایسی نیند آئی تھی کہ کچھ ہوش نہ رہا تھا۔ گویا وہ مردوں سے شرط باندھ کر سویا تھا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو نولکھا کو غار کے دروازے کے قریب بیٹھے دیکھ کر چونک گیا۔

"تم بڑی جلدی جاگ گئے۔ سوئے نہیں کیا؟" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تم سو رہے تھے تو میں کیسے سو جاتا۔" نولکھا بولا۔

"کیا مطلب؟" شارق آنکھیں ملنے لگا۔

"رات کو ہم دونوں میں یہ طے ہوا تھا کہ آدھی رات تک تم سوؤ گے اور میں جاگوں گا۔ پھر تم جاگ جاؤ گے تو میں سو جاؤں گا۔" نولکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے تمہیں جگانے کی بہت کوشش کی شارق باؤ مگر تم تو شاید مردوں سے شرط باندھ کر سوئے تھے۔"

"اوہ!" شارق کو سب کچھ یاد آ گیا۔ "مجھے افسوس ہے نولکھے۔ اچھا اب میں جاگ گیا ہوں تو سو جا۔"

"میں نے تو اب سونا ہی ہے۔" نولکھا نے جماہی لیتے ہوئے کہا اور ذرا آگے بڑھ کر فرش پر لیٹ گیا۔

شارق کے ذہن پر کچھ دیر تک غنودگی سی چھائی رہی۔ پھر وہ پوری طرح بیدار ہو گیا۔ اس نے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ابھی تک گہری نیند سو رہی تھیں۔ غار میں لالٹین جل رہی تھی۔ باہر والے غار میں پیٹرومیکس جل رہا تھا اور یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ دن طلوع ہوا تھا یا نہیں۔ اس نے جھانک کر باہر کی طرف دیکھا۔ موسیٰ خان اور اس کے دو ساتھی سوئے ہوئے تھے جبکہ باقی وہاں موجود نہیں تھے۔

شارق اٹھ کر اس چھوٹے غار سے باہر نکل آیا۔ رائفل اس کے ہاتھ میں تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا غار کے بیرونی حصے کی طرف چلنے لگا۔ موڑ گھوم کر اس نے باہر کی طرف جھانکا۔ غار کے دہانے کے باہر کھلی جگہ پر محمد عمر اور تین چار آدمی نماز پڑھ رہے تھے اور دن کا اجالا پھیل رہا تھا۔

تقریباً سات بجے سب ہی لوگ جاگ گئے اور غار میں گہما گہمی شروع ہو گئی۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی جاگ گئی تھیں۔ ثمینہ نے نولکھا کو جگانا چاہا مگر شارق نے اسے منع کر دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ نولکھا اپنی نیند پوری کر لے۔

ثمینہ اور شاہ پری کے جاگنے کے بعد شارق کے لیے ایک نئی پریشانی پیدا ہو گئی۔ ثمینہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو وہ پریشان سا ہو گیا لیکن اس پریشانی کو دور کرنے کا ایک ہی حل تھا۔ وہ ان دونوں کو لے کر غار سے باہر آگیا۔

دھوپ نکل آئی تھی۔ موسیٰ خان اور اس کے دو تین ساتھی ایک طرف بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ان میں سے کچھ فاصلے پر محمد عمر دو آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ایک طرف پتھر رکھ کر چولہا بنا ہوا تھا جس میں چیڑ کی موٹی موٹی لکڑیاں جل رہی تھیں اور ایک آدمی روٹیاں پکانے کی تیاری کر رہا تھا۔

شارق کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ دونوں لڑکیاں اس سے دو تین قدم پیچھے تھیں۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر غار کے دہانے کے دائیں طرف چٹان میں ایک دراڑ کی طرف بڑھ گیا۔ آگے جا کر یہ دراڑ خاصی کشادہ ہو گئی تھی۔ وہ تینوں اس دراڑ میں چلتے ہوئے اس جگہ پر نکل آئے جہاں ہر طرف بڑے بڑے پتھر پھیلے ہوئے تھے۔ شارق وہیں رک گیا اور ثمینہ کو اشارہ کیا۔ ثمینہ اور شاہ پری ان پتھروں میں چلتی چلی گئی۔

ان کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ شارق وہیں بیٹھا ہوا تھا جہاں وہ دونوں اسے چھوڑ کر گئی تھیں۔ وہ تینوں اسی راستے پر چلتے ہوئے غار میں واپس آگئے۔ موسیٰ خان اور محمد عمر اس وقت بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ واپسی پر شارق نے محسوس کیا کہ موسیٰ خان بڑی گہری نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کو دیکھ رہا تھا۔

ثمینہ اور شاہ پری تو غار کے اندر چلی گئیں اور شارق وہیں محمد عمر کے پاس بیٹھ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد روٹیاں پک گئیں اور بغیر دودھ کی چائے بھی تیار ہو گئی۔ موسیٰ خان اور اس کے ساتھی تو وہیں بیٹھے ناشتہ کرنے لگے۔ البتہ محمد عمر شارق وغیرہ کا حصہ لے کر اس کے ساتھ غار میں آگیا تھا۔

وہ تین دن تک یہاں پڑے رہے۔ کبھی غار کے دہانے کے سامنے آکر کھلی جگہ پر بیٹھ جاتے اور کبھی غار میں آکر لیٹ جاتے۔ ان کا تین دن کا یہ وقت بڑی اذیت میں گزرا تھا۔

طور خان کے ساتھ تین آدمی واپس آئے تھے۔ تین ملک طوطی خان کے گاؤں میں پولیس سے ہونے والے مقابلے میں مارے گئے تھے۔ طور خان نے جو وہاں کی صورتحال بتائی تھی، وہ بڑی

خوفناک تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق تقریباً ایک سو پولیس والوں نے بستی کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ پہلے تو رائفلوں اور سب مشین گنوں سے فائرنگ ہوتی رہی، پھر دونوں طرف سے لائٹ مشین گنیں استعمال ہونے لگی۔ افغانستان کے کسی بھی علاقے میں روسیوں کے چھوڑے ہوئے اسلحہ اور گولہ بارود کی کمی نہیں تھی۔ بعض بستیوں میں لوگوں کے پاس راکٹ بھی موجود تھے۔ ملک طوطی خان کے آدمیوں نے بھی پولیس پر دو راکٹ فائر کیے تھے جس کے جواب میں پولیس نے بستی پر راکٹوں کی بارش کر دی۔ کئی گھر کھنڈر بن گئے۔ ملک طوطی خان سمیت بستی کے درجنوں آدمی مارے گئے تھے جن میں طور خان کے تین آدمی بھی شامل تھے۔ طور خان کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ وہ اپنے تین ساتھیوں کے ہمراہ بڑی مشکل سے پولیس کا گھیرا توڑ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا تھا۔ پولیس کی ایک پارٹی نے کئی گھنٹوں تک اس کا پیچھا کیا لیکن بلند پہاڑوں میں پہنچ کر وہ پولیس والوں کو دھوکا دے کر وہاں سے نکل آنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ملک طوطی خان سے اپنے تعلقات کے بارے میں طور خان نے بتایا کہ وہ لوگ جب بھی گردیز کی طرف جاتے تھے، ملک طوطی خان ہی کے مہمان بنتے تھے۔ طور خان نے ایک موقع پر ملک طوطی خان کی مدد کی تھی۔ اس کے دشمن قبیلے کے لوگ اسے اغوا کر کے لے جا رہے تھے لیکن راستے میں طور خان نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے بچا لیا تھا۔ اپنے دشمنوں سے اپنی جان بچ جانے پر ملک طوطی خان، طور خان کا احسان مند تھا۔ اسے بعد میں یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ طور خان ڈاکو ہے، باغی ہے، مفرور ہے اور حکومت کو اس کی تلاش ہے لیکن وہ وقتاً فوقتاً اس کی مدد کرتا رہتا تھا۔ وہ جب اس علاقے میں ہوتا تو ملک طوطی خان اسے پولیس کی سرگرمیوں سے آگاہ رکھتا۔ ملک طوطی خان نے پہلی مرتبہ اسے اپنی مدد کے لیے بلایا تھا اور طور خان کو افسوس ہو رہا تھا کہ وہ ملک طوطی خان کی کوئی مدد نہیں کر سکا تھا۔ اپنے تین آدمی مروا لینے کے باوجود وہ ملک طوطی خان کو زندہ نہیں بچا سکا تھا۔

طور خان کو واپس آئے ہوئے دو روز ہو گئے تھے اور اس دوران شارق نے محسوس کیا تھا کہ وہ شاہ پری پر کچھ زیادہ ہی مہربان ہو رہا تھا۔ شارق کو اس کی آنکھوں میں بھی میل نظر آنے لگا تھا۔

یہ تیسرے دن کی بات تھی۔ شارق، ثمینہ اور شاہ پری کے ساتھ پہاڑوں میں گھوم رہا تھا۔ نولکھا بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ لوگ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ان اطراف میں چیڑ کے درختوں کی بہتات تھی۔ درختوں کی چوٹیاں آسمان کو چھوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ زمین پر ادھر ادھر چیڑ کے پھل بکھرے ہوئے تھے۔ یہ پھل لٹو کی طرح تھے۔ آگے سے نوکدار اور پیچھے سے لٹو کی طرح

بتدریج موٹے ہوتے چلے گئے تھے۔ دیکھنے میں بالکل لٹو ہی لگتے تھے لیکن ان پر انگوٹھے کے ناخنوں کی طرح تہہ در تہہ موٹی موٹی پرتیں تھیں اور یہ پرتیں اتنی سخت تھیں کہ انہیں ہاتھ سے توڑنا ممکن نہیں تھا۔ ثمینہ کو تین چار ایسے پھل مل گئے جن کے پرت کسی قدرے کھلے ہوئے تھے۔ وہ اسے پتھر سے توڑنے لگی اور اسے یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ ان کے اندر سے چلغوزے نکل رہے تھے۔

شارق، ثمینہ اور نولکھا کے لئے یہ انکشاف خاصا دلچسپ ثابت ہوا تھا کہ چلغوزہ چیڑ کے درخت پر لگتا تھا۔

شاہ پری بھی ان کے لیے ادھر ادھر گھوم کر چلغوزے کے لٹو نما پھل جمع کر رہی تھی اور وہ ان لٹوؤں کو پتھروں سے توڑ توڑ کر ان میں سے چلغوزے نکال رہے تھے۔

شاہ پری کسی قدر دور نکل کر پتھروں کے پیچھے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ لوگ چلغوزے توڑنے میں مصروف تھے۔ انہوں نے شاہ پری کی عدم موجودگی کو محسوس نہیں کیا لیکن آدھے گھنٹے بعد ثمینہ کو اچانک ہی اس کا خیال آگیا۔

"ارے! یہ شاہ پری کہاں گئی؟" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ہمارے لیے لٹو جمع کر رہی ہے۔ یہیں کہیں ہوگی۔" شارق نے جواب دیا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے ایک لٹو پر پتھر مارنے لگا۔

اور پھر اچانک ہی ایک نسوانی چیخ کی آواز سن کر وہ اچھل پڑے۔

"یہ.....یہ کیسی چیخ تھی؟" ثمینہ بدحواس سی ہوگئی۔

"آواز تو شاہ پری کی تھی۔" شارق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے چیخ کی آواز اس طرف سے آئی تھی۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا اور پتھروں پر چڑھنے لگا۔ ثمینہ اور نولکھا بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔

چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ شارق پتھروں پر دوڑتا چلا گیا۔ چیخنے کی آوازیں مسلسل اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق ایک جھٹکے سے ایک جگہ رک گیا۔ تقریباً بیس گز آگے جو منظر اسے نظر آیا، وہ بہت ہی خوفناک اور سنسنی خیز تھا۔ طور خان نے شاہ پری کو دبوچ رکھا تھا۔ شاہ پری کے جسم پر لباس نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ وہ طور خان کے شکنجے میں پھنسی بری طرح مچل اور چیخ رہی تھی۔ طور خان کے دو آدمی ایک طرف کھڑے قہقہے لگا رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر شارق کا دماغ گھوم گیا۔

"طور خان....." وہ رائفل سنبھالتے ہوئے چیخا۔ "اس لڑکی کو چھوڑ دو ورنہ تمہیں گولیوں سے چھلنی کر دوں گا۔"

طور خان اور اس کے ساتھیوں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم یہاں سے واپس چلے جاؤ....." طور خان نے بھی چیخ کر جواب دیا۔ "میں نے تم لوگوں کو یہاں اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ مہمان بن کر مفت کی روٹیاں توڑتے رہو۔ اس لڑکی کو میں نے دیکھتے ہی پسند کر لیا تھا۔ اسی لیے تو تم لوگوں کو محمد عمر کے ساتھ اس طرف بھیج دیا تھا۔ جاؤ، واپس چلے جاؤ شارق اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔"

"اگر تم نے اس لڑکی کو نہیں چھوڑا تو میں تمہارا کام تمام کر دوں گا۔ طور خان چھوڑ دو اس لڑکی کو۔" شارق چیخا۔

"طور خان جس چیز کو پسند کر لیتا ہے، اسے ہر قیمت پر حاصل کر لیتا ہے۔" طور خان نے کہا۔ "واپس چلے جاؤ شارق.....اب دنیا کی کوئی طاقت اس لڑکی کو مجھ سے نہیں چھین سکتی۔"

"میں آخری وارننگ دے رہا ہوں طور خان۔" شارق نے چیخ کر کہا۔ "اگر تم نے شاہ پری کو نہ چھوڑا تو میں فائر کھول دوں گا۔ میں تین تک گنوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور پھر اس نے گنتی شروع کر دی۔

طور خان کے دونوں ساتھیوں نے رائفلیں سیدھی کر لیں۔ طور خان اور اس کے دونوں ساتھیوں کا خیال تھا کہ شارق فائر کھولنے کی حماقت نہیں کرے گا۔ وہ تو شاید یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ چاروں ان کے قبضے میں ہیں۔ وہ ان کے ساتھ جو چاہیں کر سکتے ہیں، ان پہاڑوں میں کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔ ویسے بھی آبادی سے میلوں دور ان پہاڑوں میں ڈاکوؤں کے گروہ کے مقابلے میں کون آسکتا تھا۔

شارق نے تین کہا اور گولی چلا دی۔ گولی طور خان کے پیروں سے چند فٹ کے فاصلے پر لگی۔

"یہ تمہارے لیے وارننگ ہے طور خان۔" شارق چیخا۔ "اب اگر تم نے اس لڑکی کو نہ چھوڑا تو دوسری گولی تمہارے سر میں لگے گی۔"

طور خان کے دونوں ساتھیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ شارق پتھر کی آڑ میں ہو گیا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا، اس کے دائیں بائیں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ثمینہ اور نولکھا بھی پتھروں کی آڑ میں پوزیشن لے چکے تھے۔ انہوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ طور خان کے ساتھی بھی پتھروں میں پوزیشن لے چکے تھے۔ طور خان قدرے کھلی جگہ پر تھا اور شاہ پری کو دبوچے ہوئے تھا۔ شاہ پری اپنے آپ کو چھڑانے کے لیے بری طرح مچل رہی تھی۔ طور خان اب اسے گھسیٹ

کر پتھروں کی آڑ میں لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شارق نے بڑی احتیاط سے نشانہ لے کر ٹریگر دبا دیا۔

گولی طور خان کے کندھے پر لگی اور وہ چیختا ہوا پیچھے گر گیا۔ شاہ پری نے اس کی گرفت سے آزاد ہوتے ہی دوڑ لگا دی۔ دوڑتے ہوئے اس کا پیر الٹ گیا۔ وہ منہ کے بل گری اور اس کا اس طرح گرنا ہی اس کی زندگی کی ضمانت بن گیا۔ اگر وہ نہ گرتی تو طور خان کے ایک ساتھی کی چلائی ہوئی گولی اس کی کھوپڑی اڑا دیتی۔ شاہ پری اٹھنے کے بجائے زمین پر رینگتی ہوئی پتھروں کی آڑ میں چلی گئی۔

اپنے پیچھے فائرنگ کی آواز سن کر شارق چونک گیا۔ اس نے تیزی سے مڑ کر دیکھا۔ اس کے پیچھے ایک اونچے پتھر پر محمد عمر رائفل سنبھالے کھڑا تھا۔ شارق کو سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ محمد عمر نے ٹریگر دبا دیا۔ گولیوں کی باڑھ شارق کے سر کے بہت اوپر سے گزر گئی۔

"فکر مت کرو شارق بھائی۔" محمد عمر نے چیخ کر کہا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ان لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ بے غیرت ہیں یہ لوگ..... انہیں زندہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اسے اطمینان سا ہوا۔ لٹیروں اور خونیوں کے اس گروہ میں کم از کم ایک آدمی ان کی حمایت میں تھا۔ محمد عمر دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا۔

"تم یہیں رکو۔ میں انہیں پچھلی طرف سے جا کر گھیرتا ہوں۔" شارق نے عمر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پتھروں میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

نوکھا اور ثمینہ نے بھی محمد عمر کو دیکھ لیا تھا۔ ثمینہ کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

شارق دوڑتا ہوا طور خان اور اس کے ساتھیوں کے پچھلی طرف چلا گیا۔ وہ تینوں پتھروں کی آڑ میں چھپے ثمینہ وغیرہ پر فائرنگ کر رہے تھے۔ طور خان ایک کندھا زخمی ہونے کے باوجود ان پر گولیاں برسا رہا تھا۔

"طور خان۔" شارق چیخا۔ "اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔"

طور خان نے ایک دم پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس نے رائفل سیدھی کرنا چاہی لیکن موقع نہیں مل سکا۔ شارق کی رائفل سے نکلی ہوئی گولیوں نے اسے چھلنی کر دیا۔ اس کا دوسرا ساتھی بھی شارق کی گولیوں کا نشانہ بن گیا۔ تیسرے آدمی نے ایک طرف دوڑ لگا دی لیکن وہ چند گز سے آگے

نہیں جا سکا تھا کہ محمد عمر کی گولیوں نے اسے ڈھیر کر دیا۔

شارق نے پتھروں سے چھلانگ لگا دی اور اس طرف دوڑا۔ جہاں شاہ پری پتھروں کے پیچھے چھپی تھی لیکن شاہ پری وہاں نہیں تھی۔ وہ شاہ پری کو آوازیں دیتا ہوا ایک طرف دوڑتا رہا اور پھر اسے شاہ پری نظر آگئی۔ وہ ایک طرف دوڑی جا رہی تھی۔

شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شاہ پری کیا کرنے جا رہی تھی۔ وہ جس طرف دوڑ رہی تھی، آگے سینکڑوں فٹ گہرا کھڈ تھا اور وہ یقیناً اس کھڈ میں چھلانگ لگانا چاہتی تھی۔

"شاہ پری..... رک جاؤ..... شاہ پری۔" شارق چیخا۔

لیکن شاہ پری نہیں رکی..... وہ دوڑتی رہی۔ شارق بھی تیزی سے دوڑنے لگا اور بالآخر شاہ پری کے قریب پہنچ گیا۔ کھڈ کا کنارا صرف چند گز کے فاصلہ پر رہ گیا تھا۔

شارق نے دوڑتے ہوئے چھلانگ لگا دی اور شاہ پری کو ساتھ لیتا ہوا زمین پر گرا اور وہ دونوں دائیں طرف ڈھلان پر لڑھکنے لگے۔ شارق نے شاہ پری کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ اگر وہ شاہ پری کو گرفت میں لینے میں کامیاب نہ ہوتا تو شاہ پری سینکڑوں فٹ گہرے کھڈ میں جا گری ہوتی لیکن شارق نے اسے عین آخری لمحوں میں موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا تھا۔

○

وہ ڈھلان زیادہ خطرناک نہیں تھی۔ پندرہ سولہ فٹ لڑھکنے کے بعد وہ ایک پتھر سے ٹکرا کر رک گئے۔ شارق نے اب بھی شاہ پری کو اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ شاہ پری کے جسم پر لباس نام کا ایک چیتھڑا تک نہیں تھا۔ اس بات کا احساس ہوتے ہی اس نے شاہ پری کو چھوڑ دیا اور اس کی طرف سے رخ بدل کر بیٹھ گیا۔ شاہ پری کی سسکیاں اس کے کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔

"تت..... تم نے مجھے کیوں بچایا..... مر جانے دیا ہوتا مجھے....." شاہ پری سسکیاں بھرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ "اس ذلت کے بعد میں زندہ نہیں رہنا چاہتی۔"

"میرا خیال ہے ہم بروقت پہنچ گئے تھے اور وہ دیوث اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

"لیکن اس نے مجھے سب کے سامنے ننگا کر دیا....."

"ہمت سے کام لو شاہ پری۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہاری عزت بچ گئی۔ خدا

کا شکر ہے کہ وہ لوگ اپنے گھناؤنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ لو..... یہ پہن لو..... میں ثمینہ کو بلاتا ہوں۔" اس نے قمیض اتار کر شاہ پری کی طرف بڑھا دی۔

شاہ پری نے قمیض پہن لی اور ایک پتھر کی آڑ میں سمٹ کر بیٹھ گئی۔ شارق اٹھ کر ڈھلوان کے اوپر آگیا اور ثمینہ اور محمد عمر کو آوازیں دینے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں وہاں پہنچ گئے۔ محمد عمر نے کندھے پر ایک چادر پڑی ہوئی تھی۔ اکثر افغان ایسی چادریں بھی اپنے کندھوں پر ڈالے رکھتے تھے۔

"محمد عمر یہ چادر مجھے دے دو۔" شارق نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

محمد عمر نے چادر اتار کر اس کی طرف بڑھا دی۔ شارق نے ڈھلان پر اتر کر وہ چادر اس پتھر کے پیچھے پھینک دی جہاں شاہ پری سمٹی بیٹھی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ چادر جسم پر لپیٹ کر باہر آگئی اور اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ شاہ پری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اور پھر اچانک ہی وہ لوگ اچھل پڑے۔ ویرانہ اچانک ہی فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھا تھا۔ محمد عمر دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا اور فارسی زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہنے لگا مگر فائرنگ نہیں رکی بلکہ اس میں کچھ اور شدت آگئی تھی۔

شارق وغیرہ بھی محمد عمر کے پاس پہنچ گئے۔ محمد عمر نے بتایا کہ دوسرے لوگوں کو طور خان کی موت کا پتہ چل گیا ہے اور موسیٰ خان طور خان کے بعض ساتھیوں کو ختم کر کے گروہ پر قابض ہونا چاہتا ہے۔

"اگر موسیٰ خان گروہ کا سردار بن گیا تو ہمارے لیے مزید مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔" شارق نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ ایسا نہیں ہوگا۔ تم لوگ یہیں رکو۔ میں ابھی آتا ہوں۔" محمد عمر نے کہا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

شارق، نولکھا اور ثمینہ رائفلیں سنبھالے تیار کھڑے تھے۔ شاہ پری ایک پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ فائرنگ کی آوازوں کے درمیان محمد عمر اور کچھ لوگوں کے چیخنے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ تقریباً پانچ منٹ بعد محمد عمر دوبارہ ان کے پاس آگیا۔

"گروہ کے دس بارہ آدمی ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہیں جبکہ چند آدمی موسیٰ خان کے ساتھ ہیں۔ تم لوگ فکر مت کرو، میرے ساتھ آؤ۔" محمد عمر نے کہا اور وہ سب ایک طرف بھاگتے چلے گئے۔

تقریباً دو گھنٹوں تک ویرانہ فائرنگ کی خوفناک آوازوں سے گونجتا رہا اور یہ فائرنگ اس وقت رکی تھی جب موسیٰ خان اور اس کے سارے ساتھی ختم ہو گئے تھے۔ پتھروں میں مختلف جگہوں پر لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کی لاشیں وہیں پڑی رہنے دیں البتہ ان کا اسلحہ جمع کر لیا اور غار کے سامنے کھلی جگہ پر آگئے۔ محمد عمر گروہ کے آدمیوں کو بتا رہا تھا کہ جھگڑا کس طرح شروع ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ اگر شارق بروقت نہ پہنچ جاتا تو شاہ پری کی عزت لٹ چکی ہوتی۔ طور خان کے ساتھیوں نے روایات سے غداری کی تھی۔ مہمانوں کے ساتھ زیادتی کر کے افغان قوم کو رسوا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو ان کے جرم کی سزا مل گئی۔

محمد عمر نے شارق کو ہیرو بنا کر ان کے سامنے پیش کیا تھا اور پھر سب نے متفقہ طور پر شارق کو گروہ کا سردار تسلیم کر لیا۔ شارق کا دماغ گھوم گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قسم کی صورتحال بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ گروہ کے لوگ شارق کے نام کے نعرے لگا رہے تھے اور پھر سب اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ شاہ پری پھوٹ پھوٹ نے اپنی رائفلیں شارق کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ یہ اسے باقاعدہ سردار تسلیم کرنے کا اعلان تھا۔

شارق پیشہ ور ڈاکو نہیں تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ گروہ کا سردار بننے کا مطلب کیا ہے۔ وہ یہاں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے ساری زندگی یہاں نہیں رہنا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ کس چکر میں پھنس کر یہاں آیا تھا۔ ملک بھر کی پولیس ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر اس ملک سے نکل جانا چاہتا تھا مگر خونیوں کے اس گروہ کی سرداری قبول کر لینے کا مطلب تھا کہ وہ لوگ یہیں پھنس کر رہ جائیں اور کبھی واپس نہیں جائیں گے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر نولکھا نے اس کے پیر پر پیر رکھ دیا اور سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بھائیو..... شارق باؤ نے گروہ کی سرداری قبول کر لی ہے۔ تم سب کو بہت مبارک ہو۔ اب یہاں کوئی طور خان اور موسیٰ خان پیدا نہیں ہوگا۔ شارق باؤ ایسا آدمی ہے جو دوسروں کے لیے جان دے سکتا ہے۔ دوسروں کی عزت بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا سکتا ہے۔ یہ اپنے فرض سے کبھی غداری نہیں کرے گا اور تم سب کا خیال رکھے گا۔"

فضا ایک بار پھر سردار زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔

"زندہ باد کی بات چھوڑو یار۔" نولکھا نے کہا۔ "کوئی کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ تازہ گوشت لاؤ کہیں سے، سوکھا ہوا گوشت کھا کھا کر طبیعت خراب ہونے لگی ہے۔"

"آج ہم تمہیں تازہ گوشت کھلائیں گے۔" محمد عمر نے کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی یہ محفل برخاست ہو گئی۔ محمد عمر کے کہنے پر دو تین آدمی رائفلیں لے

کر پہاڑوں میں چلے گئے۔

"ان پہاڑوں میں کہیں کہیں جنگلی بکرے بھی ہوتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ ایک دو بکرے شکار کیے بغیر واپس نہیں آئیں گے۔" محمد عمر نے کہا۔

وہ لوگ کچھ دیر تک باہر ہی بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر شارق اپنے ساتھیوں کو لے کر غار کے اندر آگیا۔

"تم نے بہت برا کیا نوکھے۔" شارق نوکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں سردار نہیں بننا چاہتا تھا۔ جانتے ہو سرداری کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

"اچھی طرح جانتا ہوں۔" نوکھا نے جواب دیا۔ "جب ان لوگوں نے تمہیں اپنا سردار تسلیم کر لیا ہے تو تمہیں کیا اعتراض ہے۔ سردار بننے کا سب سے بڑا فائدہ ہمیں یہ ہوا ہے کہ اب ہم ہر لحاظ سے محفوظ ہیں۔ ان میں سے کوئی شخص اب شاہ پری یا ثمینہ بی بی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ اب ہمیں ان لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہا۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہم اپنی مرضی سے نقل و حرکت کر سکتے ہیں۔ ایک دو دن بعد ہمیں یہاں سے نکلنے کا پروگرام بنانا چاہیے۔"

"ہاں۔ یہ بات تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" شارق بولا۔

"محمد عمر شریف آدمی ہے' اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔" نوکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے اعتماد میں لو اور اس کے ساتھ مل کر یہاں سے نکلنے کا پروگرام بناؤ۔ مجھے یقین ہے کہ وہ بھی اس گروہ سے نکلنا چاہتا ہے۔"

"ہاں۔ محمد عمر واقعی ایک شریف آدمی ہے۔" شارق نے کہا۔ "آج شاہ پری کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا' وہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگر اس میں شرافت نہ ہوتی تو وہ ہمارا ساتھ دینے کے بجائے طور خان کا ساتھ دیتا۔ وہ ہمارے پیچھے تھا۔ آسانی سے ہمیں گولیوں سے چھلنی کر سکتا تھا لیکن یہ اس کی شرافت تھی کہ اس نے شاہ پری کی عزت بچانے کے لیے ہمارا ساتھ دیا۔ ہم ان سب کے لیے غیر ہیں۔ آؤٹ سائیڈ ہیں لیکن ایک لڑکی کی عزت بچانے کے لیے ہمارا ساتھ دے کر اس نے شرافت کا ثبوت دیا ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔"

اس کے تقریباً دو گھنٹے بعد محمد عمر بھی غار کے اندر آگیا۔ اس نے بتایا کہ گروہ کے جو آدمی شکار کرنے گئے تھے' وہ پہاڑی بکرے شکار کر کے لائے ہیں اور آج رات جشن منایا جائے گا۔

اس رات واقعی جشن منایا گیا۔ غار کے سامنے کھلی جگہ پر آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن کیا گیا اور دونوں بکرے مسلم اس پر بلونے جانے لگے۔

الاؤ پر بکروں کا روسٹ بہت ہی لذیز بنا تھا۔ دستور کے مطابق سب سے پہلے سردار کو بکرے کا گوشت پیش کیا گیا اور پھر دوسروں میں تقسیم کیا گیا۔

گروہ کے تین چار آدمیوں نے رقص شروع کر دیا اور باقی اونچی آواز میں کوئی گیت گا رہے تھے۔ آدھی رات کے بعد جشن کے اختتام سے پہلے شارق نے یہ اعلان کر دیا کہ محمد عمر نائب سردار ہے اور دوسروں کے لیے اس کی ہر بات کو حکم کا درجہ حاصل ہوگا۔ گروہ کے آدمیوں نے سر تسلیم خم کر دیا تھا۔

جشن کے اختتام پر شارق نے محمد عمر کو اپنے پاس بلا لیا۔ غار کے اس حصے میں نوکھا وغیرہ بھی موجود تھے۔ وہ لوگ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے' پھر شارق اصل موضوع پر آگیا۔

"اب کیا پروگرام ہے محمد عمر؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے محمد عمر کی طرف دیکھا۔

"جو تم کہو گے اس پر عمل ہوگا سردار۔" محمد عمر نے کہا۔

"تم نے بتایا تھا کہ تم قندھار کے رہنے والے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں۔" محمد عمر نے مختصر سا جواب دیا۔

"تمہیں اپنے گھر والے یاد نہیں آتے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہارے ماں باپ' بہن بھائی اور دوسرے رشتہ دار بھی ہوں گے اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو تمہاری بیوی اور....."

"شارق بھائی۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"میرے لیے سب کچھ خواب و خیال بن کر رہ گیا ہے۔ میرے ماں باپ بھی ہیں اور بہن بھائی بھی۔ میری شادی بھی ہوئی تھی۔ میں اپنی بیوی کے ساتھ چند مہینے ہی رہ سکا تھا۔ وہ ان دنوں بیمار تھی۔ میں اس کے لیے دوا لینے گیا تھا اور پھر مجھے گھر واپس جانا نصیب نہ ہوا۔"

"تمہارا دل تو ان لوگوں سے ملنے کو چاہتا ہوگا۔" شارق نے پوچھا۔

"چاہنے سے کیا ہوتا ہے جبکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میں قندھار کی حدود میں قدم نہیں رکھ سکتا۔ قندھار کیا' کسی شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پورے ملک کی پولیس کو میری تلاش ہے۔ البتہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں میں اپنے گھر والوں سے مل سکتا ہوں۔" محمد عمر نے کہا۔

"وہ کونسی جگہ ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کوئٹہ۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"کوئٹہ۔ مگر یہ تو پاکستان کا شہر ہے۔" شارق بولا۔

"ہاں۔" محمد عمر نے کہا۔ "کوئٹہ میں بھی ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ آباد ہیں۔ اگر میں کوئٹہ

پہنچ جاؤں تو اپنے گھر والوں کو وہاں بلا سکتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ میں کوئٹہ بھی نہیں جا سکتا۔ یہ ملک میرے لیے ایک ایسا پنجرہ بن گیا ہے جہاں سے میں نکل نہیں سکتا۔"

"تم اگر چاہو تو میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے مجھے اس گروہ کا سردار تو بنا دیا ہے لیکن تم جانتے ہو کہ ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔ ساری زندگی ان پہاڑوں میں نہیں گزار سکتے۔ تم ہی ہمارا ساتھ دو ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ تم نے ہی بتایا تھا کہ ہم سروبی اور گورمل کے راستے پاکستان کے علاقے جنوبی وزیرستان میں داخل ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہی چلو۔"

"ہو تو سکتا ہے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "مگر اس سے پہلے ہمیں ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا پڑے گا۔ ان لوگوں کو جب یہ پتہ چلے گا کہ ہم انہیں چھوڑ کر اس ملک سے نکلنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو یہ لوگ ہمیں جان سے مار دیں گے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ آج ہی تم نے ان لوگوں کے سامنے یہ قسم کھائی ہے کہ زندگی کے آخری سانس تک ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔ اگر انہیں پتہ چل گیا کہ ہم فرار کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو یہ ہمیں غدار قرار دے کر موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انہیں پتہ کیسے چلے گا؟" شارق نے کہا۔ کہ "ہم ایک دو دن بعد ان پہاڑوں سے نکلیں گے اور انہیں کچھ بتائے بغیر سروبی کی طرف بڑھتے رہے گے۔"

"اس کے لیے ہمیں باقاعدہ منصوبہ بنانا پڑے گا۔" محمد عمر نے کہا۔ "میں کچھ سوچ لوں' تم بھی سوچو۔ ہم کل اس مسئلے پر بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "لیکن یہ تو تم نے بتایا ہی نہیں کہ تمہیں شہر قندھار سے فرار کیوں ہونا پڑا تھا؟"

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"سناؤ یار" نوکھا نے پہلی مرتبہ ان کی گفتگو میں مداخلت کی۔ "کوئی آدمی ماں کے پیٹ سے مجرم پیدا نہیں ہوتا۔ اسے حالات مجرم بنا دیتے ہیں۔ کوئی مجبوری اسے جرم کرنے پر مجبور کرتی ہے۔ تمہارے ساتھ بھی کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ ہوا ہوگا۔ ذرا بتاؤ تو ہم بھی سنیں۔"

"ٹھیک کہتے ہو بھائی نوکھا۔" محمد عمر نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں وہ رات کبھی نہیں بھولوں گا۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میرا تعلق قندھار شہر کے ایک کھاتے پیتے گھرانے سے ہے۔ میری بیوی کا تعلق ایک دوسرے قبیلے سے تھا۔ ہم دونوں کی شادی قبیلے کے بزرگوں کی رضامندی سے ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس

طرح رشتے ناطے ہو جانے سے قبیلوں کے تعلقات مضبوط ہوں گے۔"

"اس رات میری بیوی بیمار تھی۔ میں دوا لینے کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ اس وقت شاید رات کے دس بجے تھے۔ سردی کا موسم تھا اور بازار تقریباً سنسان ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر کا مطب بند تھا۔ اس کا گھر چار سو کے دوسری طرف تھا۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ ابھی چار سو پر پہنچا ہی تھا کہ مجھے رک جانا پڑا۔ دو آدمی آپس میں لڑ رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چاقو تھا اور دوسرا نہتا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر بیچ بچاؤ کرانا چاہا مگر اس دوران چاقو والا آدمی اپنے حریف پر وار کر چکا تھا۔ میں نے دوڑ کر اسے پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ بھاگ نکلا۔ میں اس آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ چاقو اس کے سینے میں پیوست تھا اور وہ بری طرح تڑپ رہا تھا۔ میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور چاقو کو دستے سے پکڑ کر اس کے سینے سے کھینچ لیا۔

چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ وہ آدمی میرے سامنے تڑپ رہا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں۔ میں اپنی بیوی کی دوا لینے کے لیے خود ڈاکٹر کی تلاش میں نکلا تھا۔ اس کی کیا مدد کر سکتا تھا۔ میں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پولیس والوں نے مجھے گھیر لیا۔ اس وقت زخمی نے بھی دم توڑ دیا اور پولیس نے مجھے اس کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا۔

میں بے گناہ تھا مگر کسی نے میری بے گناہی کا یقین نہیں کیا۔ تمام ثبوت میرے خلاف تھے۔ لاش سامنے پڑی تھی' چاقو میرے ہاتھ میں تھا۔ ان دو چیزوں کے علاوہ کسی مزید ثبوت کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ مجھے جیل میں بند کر دیا گیا۔

میں چھ مہینے تک جیل میں بند رہا۔ اس دوران مجھے عدالت میں بھی پیش نہیں کیا گیا۔ لگتا تھا قانون کے محافظ مجھے جیل میں ڈال کر بھول گئے ہیں۔ اسی دوران جیل میں میری ملاقات ایک ایسے قیدی سے ہوئی جو قتل کے الزام میں سزا بھگت رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو قتل کیا تھا اور عدالت سے اسے دس سال قید کی سزا ہوئی تھی۔ وہ دو سال بھگت چکا تھا۔

احمد شاہ نامی وہ قیدی جوان تھا اور زندگی کا اتنا طویل حصہ جیل میں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان دنوں جیل سے فرار کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس نے مجھے بھی اپنے منصوبے میں شریک کر لیا۔ میرے ذہن میں صرف ایک بات تھی' وہ قاتل تھا اور جیل سے بھاگنا چاہتا تھا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن مجھے جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔ میں بھی احمد شاہ کے منصوبے میں شامل ہو گیا۔

اور پھر ایک رات ہم جیل سے فرار ہو گئے۔ فرار کی کوشش میں جیل کا ایک سپاہی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ جب میں احمد شاہ کے منصوبے میں شریک ہوا تھا تو میرا خیال تھا کہ میں جیل سے

فرار ہو کر سرحد عبور کر کے چمن اور پھر کوئٹہ چلا جاؤں گا اور اپنے گھر والوں کو بھی وہیں بلا لوں گا لیکن سپاہی کے قتل سے میں بدحواس ہو گیا۔ احمد شاہ بھی گھبرا گیا تھا۔ اس گھبراہٹ اور بدحواسی میں ہم غلط راستہ پر نکل گئے اور قندھار کا رخ کرنے کے بجائے ہرات کی طرف جانے والے راستہ پر ہو لیے اور اس کا احساس ہمیں بہت بعد میں ہوا تھا۔

قندھار سے چند میل دور نکل جانے کے بعد ہمیں ایک مال بردار ٹرک مل گیا۔ ٹرک ڈرائیور نے ہمیں لفٹ دیدی لیکن راستے میں ایک جگہ ٹرک رکوا کر احمد شاہ نے ڈرائیور کو قتل کر دیا۔ کلینر کا گلا میں نے گھونٹ دیا تھا۔ اب میرے ہاتھوں دو قتل ہو چکے تھے۔ میرے لیے واپسی کا کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ میں احمد شاہ کا ساتھ دینے پر مجبور تھا۔

ہرات سے چند میل پہلے دو پولیس والوں نے ہمارا ٹرک رکوا لیا۔ وہ ٹرک کے کاغذات چیک کرنا چاہتے تھے لیکن ہمارے پاس کاغذات نہیں تھے۔ اگر کسی قسم کے کاغذات تھے بھی تو وہ ڈرائیور کے پاس تھے اور اس کے پاس رہ گئے تھے۔

وہ دونوں پولیس والے بھی ہمارے ہاتھوں مارے گئے اور ہمیں وہ ٹرک بھی چھوڑنا پڑا۔ ہرات شہر میں داخل ہو کر ہم تین چار روز احمد شاہ کے ایک دوست کے گھر میں چھپے رہے۔ احمد شاہ نے مجھے بتایا تھا کہ ہرات کے قرب و جوار میں باغیوں کا ایک گروہ موجود ہے۔ وہ ان سے رابطہ کرنا چاہتا تھا اور اس نے گروہ کے سرغنہ کو پیغام بھی بھجوا دیا تھا اور جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

بالآخر ہمیں پیغام مل گیا۔ باغیوں کے گروہ کے دو آدمی ہمیں لینے کے لیے آئے تھے۔ اسی رات ان کے ساتھ شہر سے نکلتے ہوئے پولیس نے ہمیں گھیر لیا۔ بڑا زبردست مقابلہ ہوا تھا۔ احمد شاہ اس مقابلے میں مارا گیا۔ گروہ کے دونوں آدمی مجھے اپنے ساتھ لے کر پہاڑوں میں پہنچ گئے۔

اس گروہ میں شامل ہونے کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ وہ سب لوگ خونی اور قاتل تھے۔ طور خان مجھ سے تقریباً دو ہفتے پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔ وہ تاجک تھا اور طویل عرصہ سے افغانستان میں رہ رہا تھا۔ اس نے تاجکستان میں بھی چند قتل کیے تھے اور کابل میں بھی دو تین آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

○

طور خان شروع ہی سے گروہ کا سردار بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ ہمارا یہ گروہ وارداتیں کرتا ہوا کابل کے قریب سے گزر کر گردیز کی طرف آگیا۔ کچھ عرصہ پہلے طور خان کو موقع مل گیا اور اس نے گروہ کے سردار کو قتل کر دیا۔ موسیٰ خان کو اس نے اپنا نائب بنا لیا تھا لیکن عرصہ

موسیٰ خان بھی سردار بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

میں اس گروہ سے نکلنا چاہتا تھا لیکن جرائم کی دلدل میں اس قدر دھنس گیا تھا کہ اب میرا نکلنا ناممکن ہو گیا تھا۔ اس دوران تم لوگ آگئے۔ اس روز شاہ پری کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا' وہ پہلی مثال نہیں تھی۔ شاہ پری کی قسمت اچھی تھی' وہ بچ گئی۔ اس سے پہلے آنے والی کوئی لڑکی ان کی ہوس سے نہیں بچ سکی تھی۔

"میں نے تم لوگوں کا ساتھ اس لیے دیا تھا کہ تم لوگ شریف ہو۔ بلاوجہ کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ میں نے بھی تم لوگوں کا ساتھ اسی لیے دیا تھا۔ اب تم اس گروہ کے سردار ہو۔ اب یہاں تمہارا حکم چلے گا۔ ان آدمیوں میں اب کوئی بھی ایسا نہیں رہا جو تمہارے کسی حکم کی سرتابی کر سکے۔"

"اس دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے محمد عمر۔" نولکھا نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "تم نے کوئی جرم نہیں کیا تھا لیکن تمہیں مجرم بنا دیا گیا۔ ہم بھی ایسے ہی ہیں۔ شوقیہ طور پر اس لائن میں نہیں آئے۔ ہمیں اس طرف دھکیلا گیا ہے۔ ہم بھی اگر چاہیں تو اپنے اوپر لگے ہوئے یہ داغ نہیں مٹا سکتے۔"

"ٹھیک ہے محمد عمر۔" شارق نے کہا۔ "کل بات کریں گے۔ اب تم بھی جا کر سو جاؤ۔"

محمد عمر اٹھ کر چلا گیا۔ شارق نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اور شاہ پری سو چکی تھیں۔ وہ بھی دیوار کے ساتھ نیم دراز ہو گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

○

انہیں زراوک کے پہاڑوں سے نکلے ہوئے تین دن ہو چکے تھے۔ ان تین دنوں میں شارق نے عقلمندی کا ایک کام یہ کیا تھا کہ گروہ کے دو سروں آدمیوں کو ارغون کی طرف بھیج دیا تھا اور وہ لوگ خود ارغون شہر کے میلوں دور سے گزرتے ہوئے سروبی کی طرف آگئے تھے۔ گروہ کے آدمیوں سے پیچھا چھڑانے کا یہی ایک راستہ تھا۔ محمد عمران کے ساتھ تھا جو راستے کی رہنمائی کر رہا تھا۔

اس رات انہوں نے ایک ندی کے کنارے پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ علاقہ سرسبز تھا اور یہاں درختوں کی بہتات تھی۔ سانپ' بچھوؤں اور دیگر زہریلے کیڑے مکوڑوں کا بھی اندیشہ تھا۔ ندی سے ذرا ہٹ کر انہوں نے تھوڑی سی جگہ صاف کر لی تھی۔ رات کے کھانے میں صرف سوکھا ہوا گوشت تھا جو آگ پر بھون لیا گیا تھا۔

کھانے کے بعد وہ لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ثمینہ اور شاہ پری سو گئی تھیں۔ نولکھا بھی اونگھنے لگا تھا۔ شارق اور محمد عمر اس کے بعد بھی کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور پھر محمد عمر بھی اونگھنے لگا۔

شارق کو نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دونوں سے تقریباً تین گز دور ندی کے کنارے پر بیٹھ گیا اور چاندنی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ہر طرف سکوت طاری تھا۔ شارق کا ذہن ماضی کی طرف پرواز کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کیا تھا اور کیا بن چکا تھا۔ وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ افغانستان میں کسی ایسے گروہ کا سردار بن سکتا ہے جس کا ہر شخص ایک نہیں کئی کئی افراد کے قتل میں ملوث ہے۔ یہ لوگ انسان نہیں وحشی تھے۔ انسانی زندگی کی ان کے نزدیک کوئی قیمت نہیں تھی۔

شارق کو وہ طوفانی رات یاد آگئی جب اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے ماں باپ کو بیدردی سے قتل کیا گیا تھا اور اس کو قتل کے الزام میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا۔

جیل سے نکلنے کے بعد وہ شریفانہ زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن قانون کے محافظ اس کے راستے کی رکاوٹ بن گئے تھے۔ وہ پہلے تو یہ دکھ جھیلتا رہا۔ پھر اپنے راستے کی تمام رکاوٹیں ہٹاتا چلا گیا اور وہ مجرم بن گیا۔ پھر ثمینہ اس کی زندگی میں داخل ہوئی۔ وہ ثمینہ کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ثمینہ بھی اس دلدل میں پھنس جائے۔ وہ اسے ان معاملات سے دور ہی رکھنا چاہتا تھا لیکن حالات اس طرح کروٹ بدلتے گئے کہ نہ چاہتے ہوئے بھی ثمینہ اس دلدل میں پھنستی چلی گئی۔

ماجھا گجر اور لاہور کے دس منشیات فروشوں کے معرکے اور پھر حاجی سے ملاقات۔ حاجی بہت بڑا بین الاقوامی اسمگلر تھا۔ پوری دنیا میں اس کے رابطے تھے۔ شارق اس کے لیے خطرہ بن گیا تھا۔ حاجی بظاہر شارق کی دوستی کا دعویدار تھا لیکن افغانستان کی مہم پر بھیج کر دراصل حاجی نے اس کے قتل کی سازش کی تھی۔ ملک طوطی خان نے ملک فرید خان اور حاجی کے بارے میں جو انکشافات کیے تھے' وہ بڑے بھیانک تھے لیکن بہرحال وہ اس گھناؤنی سازش سے بچ نکلا تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ لاہور پہنچتے ہی سب سے پہلے حاجی سے نمٹے گا۔

یہ سب کچھ سوچتے ہوئے شارق کو مریم اور رضیہ کا خیال آگیا۔ مریم نے اس کے لیے بڑے دکھ جھیلے تھے۔ اس نے اگرچہ مریم اور رضیہ کے لیے ایسا بندوبست کر دیا تھا کہ آئندہ زندگی میں انہیں کوئی پریشانی نہ ہو۔ حاجی والا مکان رضیہ کے نام منتقل ہو چکا تھا۔ گاڑی بھی موجود تھی۔ مریم اور رضیہ کے نام لاکھوں کا بینک بیلنس بھی تھا لیکن اب اسے خیال آرہا تھا کہ حاجی نے ان کے

ساتھ بھی کوئی زیادتی نہ کی ہو۔

شارق نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر ایسی کوئی صورتحال ہوئی تو وہ حاجی کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے شارق وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھ گیا۔ وہ ایک پتھر سے ٹیک لگائے ہوئے تھا۔ اس نے ٹانگیں سامنے کی طرف پھیلا لیں اور نیم دراز سا ہو گیا۔

وہ شاید کوئی خواب دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ وہ میٹھی میٹھی باتیں کر رہے تھے اور پھر ثمینہ نے اپنا سر اس کے کندھے پر ٹکا دیا۔ وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ ثمینہ نے اپنا چہرہ اوپر اٹھایا۔ ثمینہ کے احمریں ہونٹ اس کے سامنے تھے۔ شارق نے اپنا چہرہ نیچے جھکایا' فاصلہ کم ہوتا گیا۔ ثمینہ اس سے لپٹ گئی۔ اس نے شارق کو اپنی بانہوں میں لپیٹ لیا۔

اور پھر دفعتاً" شارق کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کا سانس گھٹ رہا ہوں۔ اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول لیں۔ وہ اب بھی کسی کی بانہوں کی لپیٹ میں تھا۔ گرم گرم سانس اس کے اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔ شارق نے اپنا چہرہ پیچھے ہٹایا اور پھر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

وہ ثمینہ نہیں' شاہ پری تھی جو اس سے لپٹی ہوئی تھی۔ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تھا۔ ایک دلچسپ حقیقت کا سامنا کر رہا تھا۔

شارق کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر انگلی دانتوں میں داب لی۔

"تم کوئی خواب نہیں دیکھ رہے۔" اس کی سماعت سے شاہ پری کی گنگناتی ہوئی سی آواز ٹکرائی۔ "میں کوئی خواب نہیں ہوں' حقیقت ہوں۔"

"لل..... لیکن..... تم یہاں..... کیوں آئی ہو....." شارق ہکلایا۔ "کسی نے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔"

"سب لوگ سو رہے ہیں گہری نیند۔" شاہ پری نے کہا۔ اس کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

"مم..... مگر....."

"اگر مگر کچھ نہیں۔" شاہ پری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "پہلی مرتبہ جب میں نے تمہیں اپنے بابا کے گھر میں دیکھا تھا تو تم اسی وقت مجھے پسند آگئے تھے۔ میں تمہیں چاہنے لگی تھی لیکن کبھی موقع نہ مل سکا کہ تمہارے سامنے اپنے دل کی بات کہہ سکوں۔ میں ثمینہ سے بھی ڈرتی تھی لیکن اس روز تم نے میری عزت بچانے کے لیے اپنی جان کی بازی لگا دی۔ میں تم پر بھروسہ کر سکتی تھی۔ تم ہی وہ شخص ہو جس کی مجھے تلاش تھی۔ تم پہلے شخص ہو جس نے مجھے متاثر کیا ہے۔"

"لیکن اگر کسی نے تمہیں یہاں میرے پاس دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی اور ثمینہ تو مجھے زندہ نہیں چھوڑے گی۔" شارق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ثمینہ تمہاری بیوی نہیں ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ "میرا بھی تم پر اتنا ہی حق ہے جتنا ثمینہ کا۔"

"اوہ!" شارق اس کی بات سن کر چونک گیا۔ "ثمینہ تمہارا بہت خیال رکھتی ہے۔ اسے جب معلوم ہوگا کہ تم اس کے حق پر ڈاکہ مار رہی ہو تو وہ تمہارے بارے میں کیا سوچے گی۔"

"میں اس کی سوچوں پر پابندی نہیں لگا سکتی۔" شاہ پری نے کہا۔ "میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ تمہیں چاہنے کا مجھے بھی اتنا ہی حق ہے جتنا ثمینہ کو۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم وہی شاہ پری ہو جو....."

"میں وہی ہوں۔" شاہ پری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "عورت کے دل میں جب پیار جاگتا ہے تو وہ بے باک ہو جاتی ہے۔ اسے کوئی ڈر خوف نہیں رہتا۔"

"تو تم بے خوف ہو کر یہاں آئی ہو۔" شارق مسکرایا۔

"ہاں۔" شاہ پری نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے دل میں کسی کا ڈر خوف نہیں رہا۔ میں بہت دنوں سے تم سے بات کرنے کا موقع تلاش کر رہی تھی اور بالآخر آج موقع مل گیا۔"

"تم نے مجھے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا ہے شاہ پری۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال اب تم جاؤ۔ اگر کسی کی آنکھ کھل گئی اور تمہیں میرے پاس دیکھ لیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں اس وقت تو جا رہی ہوں لیکن دوسری مرتبہ تم مجھے اس طرح نہیں بھگا سکو گے۔" شاہ پری نے کہا اور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

شاہ پری چند لمحے وہاں کھڑی رہی۔ پھر ایک مختصر سا چکر کاٹ کر پڑاؤ کی طرف جانے لگی۔ شارق اپنی جگہ پر بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ چند سیکنڈ بعد شاہ پری جھاڑی کے پچھلی طرف جا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

شارق اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی تمام تر توجہ پڑاؤ کی طرف تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر کوئی جاگ رہا ہوگا اور اس نے شاہ پری کو دیکھ لیا تو وہ اس سے ضرور پوچھے گا کہ وہ کہاں گئی تھی۔ شارق کو سب سے زیادہ اندیشہ ثمینہ کی طرف سے تھا لیکن کئی منٹ گزر گئے۔ کوئی آواز سنائی نہیں دی جس کا مطلب تھا کہ سب لوگ سوئے ہوئے تھے۔

شارق کی اب نیند اڑ گئی تھی۔ اس کے لیے سوچ کی نئی راہیں کھل گئی تھیں۔ اسے شاہ پری

کی ہمت پر حیرت ہو رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شاہ پری کوئی ایسا قدم اٹھائے گی۔

شاہ پری نے کہا تھا کہ وہ پہلی مرتبہ دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی تھی اور آج موقع ملتے ہی اس نے اپنی محبت کا اظہار کر دیا تھا لیکن اس کے اس اقدام سے خود شارق کا ذہن بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔

ثمینہ شارق کی پہلی محبت تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ لاہور سے فیصل آباد جاتے ہوئے اس نے پہلی مرتبہ ثمینہ کو بس میں دیکھا تھا اور اسی وقت اپنا دل ہار بیٹھا تھا اور پھر ثمینہ تک رسائی حاصل کرنے کے لیے اس نے کیا کیا جتن کیے تھے اور ثمینہ نے بھی اس کے لیے کتنی قربانیاں دی تھیں۔ سب سے پہلے وہ اپنے کالج میں رسوا ہو گئی۔ ماں باپ کی رسوائی کا باعث بنی۔ اس نے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ سب کچھ چھوڑ دیا اور شارق کے ساتھ جرائم کی دلدل میں دھنستی چلی گئی۔ ایک وہ وقت بھی آیا تھا جب لاہور کی زیرزمین دنیا پر ثمینہ کے نام کی دہشت تھی۔ ماجھا گجر جیسے لوگ ثمینہ کے نام سے کانپتے تھے اور ثمینہ نے اس کا جو حشر کیا تھا' وہ بھی لاہور والوں نے دیکھ لیا تھا۔ ثمینہ نے اس کے لیے بہت کچھ کیا تھا اور اب شاہ پری اس کی محبت میں دعویدار بن گئی تھی اور شارق سوچ رہا تھا کہ اگر ثمینہ کو اس کا پتہ چل گیا تو واقعی قیامت ہی آجائے گی۔ ثمینہ کسی طرح بھی برداشت نہیں کر سکے گی کہ کوئی اور لڑکی اپنی زبان سے شارق کا نام لے۔

شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر کچھ دیر تک ندی کے پاس کھڑا رہا' پھر اپنے پڑاؤ میں آگیا۔ سب لوگ سو رہے تھے۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا اپنی جگہ پر آگیا۔ اس کے قدموں کی آہٹ سن کر ثمینہ کے قریب لیٹی ہوئی شاہ پری نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ شارق بھی اس کی طرف دیکھتا ہوا نولکھا کے قریب لیٹ گیا۔ شاہ پری اپنی جگہ پر لیٹی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

شارق کے دماغ میں چیونٹیاں سی رینگ رہی تھیں۔ شاہ پری کی حرکت نے اسے عجیب سی الجھن میں ڈال دیا تھا۔ یہ صورتحال آگے چل کر اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ ایک مرتبہ تو اس نے سوچا کہ شاہ پری کو سمجھانے کی کوشش کرے گا لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شاہ پری سمجھنے والی نہیں تھی۔ اس نے جس بے باکانہ انداز میں اپنی محبت کا اظہار کیا تھا' اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اپنا اٹھا ہوا قدم پیچھے نہیں ہٹائے گی۔ وہ شارق سے محبت کو اپنا حق سمجھ رہی تھی اور اس حق سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔ اس کے خیال میں شارق پر اس کا بھی اتنا ہی حق تھا جتنا ثمینہ کا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتے ہوئے سو گیا اور جب اس کی آنکھ کھلی تو دھوپ نکل چکی تھی۔ نولکھا اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ شاہ پری اور ثمینہ کچھ دور ندی کے کنارے پر بیٹھی تھیں اور محمد

عمر خشک گوشت بھوننے کے لیے آگ جلا رہا تھا۔

شارق بھی اٹھ کر ندی کے کنارے پر آگیا اور منہ ہاتھ دھونے لگا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ شاہ پری بار بار کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ لوگ گھوڑوں پر بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ شارق کو یہ دیکھ کر بالکل حیرت نہیں ہوئی کہ شاہ پری نے اپنا گھوڑا اس کے گھوڑے کے برابر کیا ہوا تھا۔ وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی لیکن وہ اسے مسلسل نظرانداز کر رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر ثمینہ نے کوئی بات محسوس کر لی تو وہ قیامت مچا دے گی۔

دوپہر کو وہ تھوڑی دیر کے لیے ایک جگہ پر رکے تھے۔ کھانا کھاتے ہی انہوں نے دوبارہ اپنا سفر شروع کر دیا تھا۔ تقریباً پانچ بجے کے لگ بھگ وہ ایک وادی میں پہنچ گئے۔ یہ بھی سرسبز علاقہ تھا۔ بلندی سے یہ وادی بہت حسین لگ رہی تھی۔ درختوں میں جا بجا ندیاں بہتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔

"وادی میں اترا جائے یا یہیں پڑاؤ ڈال دیا جائے؟" شارق نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے یہی جگہ مناسب رہے گی۔" محمد عمر نے ایک طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ چٹان اوپر سے سائبان کی طرح آگے کو نکلی ہوئی ہے' ہم وہاں اپنا پڑاؤ ڈال سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر یہیں رک جائیں۔" شارق نے کہا اور ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دفعتاً" وہ چونک گیا۔ شاہ پری ان کے ساتھ نہیں تھی۔ "ارے شاہ پری کہاں گئی؟"

"میرا خیال ہے پیچھے رہ گئی ہوگی۔" نولکھا نے کہا اور شاہ پری کو آوازیں دینے لگا۔

ثمینہ اور شارق بھی شاہ پری کو پکارنے لگے لیکن کوئی جواب نہیں ملا اور پھر اچانک ہی خاموش فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ وہ سب چونک گئے۔ آواز پہاڑوں میں گونج رہی تھی اور یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ گولی کس طرف سے چلی تھی۔

"شاہ پری.....شاہ پری.....کہاں ہو تم؟" ثمینہ نے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے چیخ کر پکارا۔

محمد عمر اور نولکھا نے اپنے گھوڑوں کو ایک طرف بڑھا دیا۔ شارق اور ثمینہ یہیں کھڑے ادھر ادھر دیکھتے رہے۔

تقریباً دس منٹ بعد شاہ پری ایک چٹان کے پیچھے سے نمودار ہوئی۔ وہ پیدل چل رہی تھی اور ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ گھوڑے پر ایک پہاڑی بکرا لدا ہوا تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

"ارے! تم کہاں رہ گئی تھیں؟ ہم تو پریشان ہو گئے تھے اور یہ کیا ہے؟"

"مجھے یہ بکرا نظر آگیا تھا۔" شاہ پری نے گھوڑے پر لدے ہوئے زخمی بکرے کی طرف اشارہ کیا۔ "تم لوگ بہت آگے نکل چکے تھے۔ میں نے سوچا کہ رات کے کھانے کا بندوبست کر لیا جائے لیکن یہ بکرا بھی بہت دور نکل گیا تھا۔ میں نے اس کا تعاقب جاری رکھا اور بالآخر اسے شکار کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا۔" ثمینہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "خشک گوشت کھا کھا کر تو ہم تنگ آچکے تھے۔"

شارق اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور شاہ پری کے گھوڑے کی طرف بڑھا۔ شاہ پری نے بکرے کو ایک رسی سے باندھ رکھا تھا۔ اس نے رسی کھول کر بکرے کو نیچے اتار لیا۔ گولی بکرے کی گردن کے قریب لگی تھی۔ زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ خاصا جاندار بکرا تھا جو گردن پر گولی کھانے کے بعد بھی زندہ تھا۔ شارق نے اسے زمین پر ڈال دیا اور جیب سے چاقو نکال کر تکبیر پڑھتے ہوئے بکرے کی شہہ رگ پر دھار پھیر دی۔ اس دوران نولکھا اور محمد عمر بھی واپس آگئے۔ بکرا دیکھ کر انہیں خاصی حیرت ہوئی تھی اور پھر انہیں یہ سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی کہ یہ بکرا شاہ پری نے شکار کیا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد محمد عمر اور نولکھا اس بکرے کی کھال اتار رہے تھے جبکہ ثمینہ اور شاہ پری ادھر ادھر بکھری ہوئی لکڑیاں جمع کرنے لگیں۔

نولکھا اور محمد عمر نے بکرے کے ٹکڑے کاٹ لیے۔ نولکھا اس طرح چاقو چلا رہا تھا جیسے وہ خاندانی قصائی ہو۔

کئی روز بعد اس رات انہوں نے تازہ گوشت کھایا۔ نولکھا کا موڈ آج قدرے بہتر تھا۔ وہ بار بار اونچی آواز میں ماہیا گانے لگتا اور کبھی کوئی فلمی گیت گنگنانے لگتا۔ اس کا موڈ خوشگوار ہونے کی وجہ شاید یہ تھی کہ اب اسے امید ہو چکی تھی کہ وہ اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ اپنے وطن میں بھی پولیس اس کی تاک میں ہوگی لیکن مٹی کی کشش تھی۔ اسے اپنے وطن کی مٹی سے پیار تھا۔ اسے اطمینان تھا کہ مرے گا تو اپنے ہی وطن کی مٹی میں دفن ہوگا۔

اس رات وہ سب دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شارق اگرچہ شاہ پری کے عین سامنے بیٹھا ہوا تھا لیکن وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کترا رہا تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے ثمینہ کو کسی قسم کا شبہ ہو جائے۔

دوسرے دن سفر کے دوران شاہ پری' شارق سے بات کرنے کا موقع تلاش کرتی رہی اور بالآخر ایک مرتبہ اسے موقع مل ہی گیا۔ ثمینہ اس وقت نولکھا کے ساتھ ان سے کافی آگے تھی۔

ان میں تقریباً بیس گز کا فاصلہ تھا۔ محمد عمر سب سے آگے تھا۔ شاہ پری نے موقع پا کر اپنا گھوڑا شارق کے گھوڑے کے قریب کر لیا۔

"کیا بات ہے تم مجھ سے بات کرنے سے کیوں کترا رہے ہو؟" شاہ پری نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"دیکھو شاہ پری۔" شارق نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ "ثمینہ میری بیوی نہیں ہے لیکن میں اسے دھوکا نہیں دینا چاہتا۔ ہم دونوں کا ساتھ بہت پرانا ہے۔ اس نے میرے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ بہت قربانیاں دی ہیں۔ اس نے میرے لیے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا۔ میری خاطر وہ مجرم بن گئی۔ تمہیں شاید یقین نہیں آئے گا۔ ثمینہ اس وقت پاکستانی پولیس کو سب سے زیادہ مطلوب ہے۔ میری خاطر وہ کئی لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکی ہے۔ میں اسے دھوکا کیسے دے سکتا ہوں۔ اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟"

"میں نے کب کہا ہے کہ اسے دھوکا دو اور اسے چھوڑ دو۔" شاہ پری نے کہا۔ "میں تو تمہاری تھوڑی سی توجہ چاہتی ہوں۔ تھوڑی سی محبت....."

"لیکن جب ثمینہ کو پتہ چلے گا تو اسے کتنا دکھ ہوگا۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم جانتی ہو کہ دنیا کی کوئی عورت اپنی محبت میں کسی دوسری عورت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر تمہارے ساتھ یہ ہو تو کیا تم برداشت کر لو گی؟"

"کبھی نہیں....." شاہ پری نے جواب دیا۔ "لیکن میں دل کے ہاتھوں مجبور ہوں شارق۔ شاید میں پہلی عورت ہوں جس نے اتنی ڈھٹائی سے اپنے دل کی بات کہی ہے۔ اب میں تم سے الگ ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم ثمینہ کو چھوڑ دو لیکن تمہارا تھوڑا سا....."

"کیا تم سمجھتی ہو کہ دو تلواریں ایک نیام میں رہ سکتی ہیں؟" شارق بولا۔

"تم اگر چاہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

شارق کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ثمینہ کو اپنا گھوڑا موڑتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ثمینہ اپنے گھوڑے کو ان کے قریب لے آئی اور ان کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولی۔ "کیا بات ہے۔ تم لوگ بہت پیچھے رہ گئے ہو؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں شاہ پری سے پوچھ رہا تھا کہ آئندہ کے لیے اس کا کیا پروگرام ہے۔ ہم تو سرحد پار کر کے اپنے ملک چلے جائیں گے' یہ کہاں جائے گی؟"

"کہاں جائے گی۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "افغانستان میں اس کے اور بھی تو رشتہ دار ہوں گے۔ یہ ان میں سے کسی کے پاس جا سکتی ہے اور اگر یہ ہمارے ساتھ جانا چاہے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔"

"یہ فیصلہ کرنا تو شاہ پری کا کام ہے کہ وہ افغانستان میں رہے گی یا ہمارے ساتھ جانا چاہے گی۔" شارق نے یہ کہتے ہوئے شاہ پری کی طرف دیکھا۔

"افغانستان میں اب میرا کون ہے؟" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ماں نے لوگوں کے سامنے دم توڑ دیا۔ باپ اور بھائی ملک طوطی خان کی حویلی میں پولیس کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب میرا یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے تو تم ہی لوگوں کو اپنا سب کچھ سمجھ لیا ہے۔ اب میں تم لوگوں کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔ اگر تم لوگ مجھے ساتھ نہ لے جانا چاہو تو....."

"نہیں شاہ پری۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہم تمہیں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ تم ہمارے ساتھ چلو گی' ہمارے ساتھ رہو گی۔"

"کیا واقعی؟" شاہ پری کا لہجہ عجیب سا تھا۔ "شارق کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا؟"

"شارق کو اعتراض کیوں ہوگا۔" ثمینہ نے کہا۔ "اسے تو اور زیادہ خوشی ہوگی۔" شارق چونک گیا۔ کیا ثمینہ کو ان پر شبہ ہو گیا ہے؟ کیا اس نے یہ بات طنزیہ طور پر کہی تھی یا ویسے ہی کہہ رہی تھی؟

وہ رات بھی انہوں نے ایک چٹان کے دامن میں گزاری تھی۔ شاہ پری کی باتوں نے شارق کو کچھ اور بدحواس کر دیا تھا۔ شاہ پری اس معاملے میں جس قدر بے باک ہو رہی تھی' اسے دیکھتے ہوئے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دو چار روز میں کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپ سکتیں۔ وہ خود چاہے کتنا ہی محتاط رہے' شاہ پری کی باتیں اور حرکتیں اس کا راز کھول دیں گی۔

دو دن اور گزر گئے۔ وہ لوگ سروبی نامی شہر سے چند میل کے فاصلہ پر تھے۔ ان کے پاس کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں رہا تھا۔ انہوں نے دوپہر کے وقت ایک جنگل میں پڑاؤ ڈالا تو یہ فیصلہ کیا گیا کہ محمد عمر سروبی شہر جا کر کھانے پینے کا کچھ سامان لے آئے اور یہ لوگ یہیں رک کر اس کا انتظار کریں۔

"ٹھیک ہے۔" محمد عمر نے کہا۔ "میں کچھ دیر میں روانہ ہو جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے واپسی میں دیر ہو جائے' رات بھی ہو سکتی ہے۔ تم لوگ یہاں سے ادھر ادھر مت ہو جانا۔ اگر راستے سے ہٹ گئے تو انہی پہاڑوں میں بھٹکتے رہو گے۔"

"فکر مت کرو۔ ہم تمہیں اسی جگہ پر ملیں گے۔" شارق نے جواب دیا' محمد عمر چلا گیا۔ وہ لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ کچھ ہی دیر بعد نولکھا اونگھنے لگا۔ ثمینہ بھی ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھے بیٹھے اونگھ گئی تھی۔ شاہ پری اپنی جگہ سے اٹھ کر شارق کے قریب آگئی۔ شارق گھبرا گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شاہ پری اب موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ اس کا خیال درست نکلا۔ شاہ پری اپنی جگہ سے سرکتی ہوئی اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ کن انکھیوں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا جو صورتحال سے بے خبر اونگھ رہی تھی۔

شاہ پری نے اپنا سر شارق کے کندھے سے ٹکا دیا۔ شارق بدحواس سا ہو رہا تھا۔ اسے خوف تھا کہ اگر نولکھا یا ثمینہ کی آنکھ کھل گئی تو غضب ہو جائے گا۔ اس کے برعکس شاہ پری بڑی مطمئن نظر آرہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور پھر اس نے ایک بازو شارق کی گردن میں حمائل کر دیا۔ شارق اپنے آپ کو اس سے الگ ہٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

دفعتاً" فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی۔ شارق اچھل پڑا۔ شاہ پری بھی بدحواس ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ نولکھا اور ثمینہ کی آنکھ بھی کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی ثمینہ نے جو منظر دیکھا' وہ اسے چونکا دینے کے لیے کافی تھا۔ "یہ.....یہ کیا....." وہ ہکلائی۔ "یہ آواز کیسی تھی؟"

"جنگل میں کسی نے گولی چلائی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "شاہ پری ڈر کر مجھ سے لپٹ گئی تھی۔" وہ شاہ پری کو پیچھے ہٹانے لگا۔

ثمینہ کی آنکھوں میں الجھن تیر گئی۔ شاہ پری کا انداز ایسا نہیں تھا کہ وہ ڈر کر لپٹی ہو۔ اس نے گھورتی ہوئی نظروں سے شاہ پری کو دیکھا اور پھر شارق کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں شبہات جنم لے رہے تھے۔

ٹھیک اسی لمحہ ایک اور فائر ہوا۔ اس مرتبہ گولی ان کے قریب ہی ایک درخت پر لگی تھی۔ سب اچھل کر درختوں کی آڑ میں ہو گئے۔ انہیں یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ جو کوئی بھی تھا' انہی کو نشانہ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

شارق نے اپنی رائفل اٹھا لی۔ کچھ دیر تک سامنے درختوں میں دیکھتا رہا۔ بالآخر ایک آدمی اسے نظر آگیا۔ سیاہ لباس میں ملبوس ایک آدمی درختوں کی آڑ لیتا ہوا تیزی سے ایک طرف سے دوسری طرف چلا گیا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں اسے پیچھے سے جا کر گھیرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" شارق کہنے

ہوئے رائفل سنبھالے درختوں میں ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد شاہ پری بھی اپنی رائفل سنبھالے ایک طرف دوڑتی چلی گئی۔ ثمینہ اور نولکھا وہیں درختوں کے پیچھے چھپے کھڑے رہ گئے۔ اس آدمی نے وقفے وقفے سے دو فائر اور کیے تھے۔

"پتہ نہیں کون بے وقوف ہے یہ۔" نولکھا بڑبڑایا۔ "ہم سے اس کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے جو یہ ہمیں مارنے پر تلا ہوا ہے۔"

"یہ دنیا پاگلوں اور بے وقوفوں سے بھری پڑی ہے' ہو گا کوئی۔" ثمینہ بڑبڑائی۔

شاہ پری درختوں میں چھپتی ہوئی سیاہ لباس والے اس شخص کے بہت پیچھے نکل گئی تھی۔ وہ درختوں کی آڑ لیتی ہوئی محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگی اور بالآخر اس نے سیاہ لباس والے اس شخص کو دیکھ لیا۔ اس کی شکل دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ وہ گروہ کے ان آدمیوں میں سے ایک تھا جنہیں شارق نے ارغون کی طرف بھیجا تھا۔

شاہ پری رائفل سنبھالے دبے قدموں آگے بڑھتی رہی۔ وہ آدمی اس کی نظروں میں تھا۔ اگر وہ چاہتی تو اسے گولی مار سکتی تھی لیکن وہ اسے زندہ پکڑنا چاہتی تھی تاکہ اس سے دوسرے آدمیوں کے بارے میں پوچھا جا سکے۔ وہ ابھی دس بارہ گز کے فاصلے پر تھی کہ اس کا پیر ایک جھاڑی میں الجھ گیا۔ وہ لڑکھڑا گئی۔ آہٹ سن کر وہ شخص تیزی سے پیچھے مڑا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنی رائفل سیدھی کرتا' شاہ پری نے سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے ٹریگر دبا دیا۔ اس نے اگرچہ فائر بدحواسی میں کیا تھا لیکن خوش قسمتی سے گولی نے اپنا ٹارگٹ تلاش کر لیا تھا۔

گولی اس سیاہ پوش کے دائیں بازو پر لگی تھی۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔ رائفل بھی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی۔ وہ رائفل اٹھانے کے لیے لپکا لیکن شاہ پری نے ایک اور فائر کر دیا۔ اس مرتبہ گولی اس شخص کے پیروں کے قریب زمین پر لگی۔

"رک جاؤ' اگر تم نے کوئی حرکت کی تو کھوپڑی اڑا دوں گی۔" شاہ پری نے چیخ کر یہ جملہ فارسی زبان میں کہا تھا۔

وہ شخص رک گیا۔ اس نے دوسرے ہاتھ سے زخمی بازو تھام لیا تھا جس سے خون بہہ رہا تھا۔ گولی کلائی سے ذرا اوپر ہڈی توڑتی ہوئی نکل گئی تھی۔ شاہ پری رائفل سنبھالے نپے تلے قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔ سب سے پہلے اس نے سیاہ پوش کی گری ہوئی رائفل اٹھا کر بائیں کندھے پر لٹکا لی اور اسے اپنی رائفل کی زد پر لیتے ہوئے غرائی۔

"خاموشی سے آگے چلتے رہو۔ بھاگنے کی کوشش کی تو اڑا دوں گی۔" سیاہ پوش اپنا زخمی بازو تھامے خاموشی سے اس کے آگے چل پڑا۔ اسی وقت شارق بھی درختوں میں دوڑتا ہوا وہاں پہنچ

گیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلتی گئیں۔ شاہ پری کا ایک نیا رخ
کے سامنے آیا تھا۔ جب تک وہ ملک طوطی خان کی حویلی میں تھی' اس وقت تک شاہ پری
شرمیلی سی لڑکی نظر آتی تھی۔ وہ کبھی کھل کر اس کے سامنے بھی نہیں آئی تھی۔ پھر ملک
خان کی حویلی سے فرار کے بعد بھی وہ ڈری ڈری اور سہمی سہمی سی لڑکی لگی تھی اور جب
خان نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی تو اس کے بعد تو وہ کچھ اور ڈر گئی
لیکن دو تین روز پہلے وہ اچانک ہی شارق کے سامنے اظہار محبت کر بیٹھی تھی۔ دو روز پہلے
نے ایک پہاڑی بکرا شکار کیا تھا اور اب اس نے اس خطرناک سیاہ پوش کو شکار کر لیا تھا جو چھپ
ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہتا تھا۔

شارق بھی اس سیاہ پوش کی شکل دیکھ کر چونک گیا تھا۔ وہ اسی کے گروہ کا آدمی تھا۔
یہاں دیکھ کر شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گروہ کے دوسرے آدمی بھی آس پاس ہی
موجود ہوں گے۔ وہ لوگ اسے اپنے پڑاؤ میں لے آئے۔ ثمینہ اور نولکھا بھی اسے دیکھ کر چو
گئے۔

"ارے!" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ تو سمندر خان ہے۔ اسے تو ہم
دوسرے آدمیوں کے ساتھ ارغوان کی طرف بھیجا تھا۔"

"ہاں میں سمندر خان ہوں۔" سیاہ پوش بولا۔ "اس وقت ہمیں معلوم نہیں تھا کہ تم لو
ہمارے ساتھ دھوکا کرو گے۔ اگر پتہ چل جاتا تو تم لوگوں کو اسی وقت ختم کر دیا جاتا لیکن بچ کر
لوگ اب بھی نہیں جا سکتے۔

"ہمیں کون روک سکتا ہے؟" شارق بولا۔

"میرے ساتھی جو سرونی میں موجود ہیں۔" سمندر خان نے جواب دیا۔ "میں اپنے ایک
سے ملنے اس طرف گاؤں گیا ہوا تھا۔ واپس جا رہا تھا کہ تم لوگ نظروں میں آ گئے۔ میرے سا
تم لوگوں کی تلاش میں ہیں۔ ہم لوگوں نے پولیس کو بھی اطلاع دیدی ہے۔ تم لوگ نکل نہیں
گے۔ بہتر یہی ہے کہ بے موت مرنے کے بجائے میرے ساتھ واپس چلو۔ ہم اب بھی تمہ
سردار تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔"

"تمہارا سردار تو میں اب بھی ہوں۔" شارق نے کہا۔ "تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو
تمہارا سردار جو چاہے کر سکتا ہے۔ تم لوگوں میں سے کوئی بھی اسے روک نہیں سکتا۔" وہ
لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "تم اگر ہمیں دیکھ کر خاموشی سے
جاتے تو شاید بعد میں ہم تم لوگوں کے گھیرے میں آجاتے لیکن ہم پر فائر کھول کر تم نے اپنی

کی سب سے بڑی غلطی کی ہے۔ اب تم یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔"

"مجھے مار کر تم خود مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔" سمندر خان بولا۔ "میرے ساتھیوں کو معلوم ہے کہ میں اس طرف گاؤں گیا تھا۔ اگر شام تک بھی واپس نہ پہنچا تو وہ لوگ میری تلاش شروع کر دیں گے اور اس طرح تم لوگ بھی ان کی نظروں میں آجاؤ گے۔"

"ہم ان چکروں میں آنے والے نہیں ہیں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "شاہ پری۔" وہ شاہ پری کی طرف گھوم گیا۔ "کیا تمہارے خیال میں اسے چھوڑ دینا چاہیے یا....."

شاہ پری کا جواب بڑا حیرت انگیز اور خوفناک تھا۔ اس نے رائفل کی نال سمندر خان کے سینے کی طرف اٹھا کر ٹریگر دبا دیا۔ تڑتڑاتی ہوئی کئی گولیاں رائفل کی نال سے نکل کر سمندر خان کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے جسم سے خون کے کئی فوارے بہہ نکلے تھے۔

یہ سب کچھ اس قدر اچانک اور غیر متوقع ہوا تھا کہ کوئی بھی کچھ نہ سمجھ سکا اور جب ان کے حواس بحال ہوئے تو سمندر خان کی لاش ان کے سامنے پڑی تھی اور شاہ پری کی آنکھوں میں چنگاریاں سی سلگ رہی تھیں۔

"یہ.....یہ کیا کیا تم نے شاہ پری؟" ثمینہ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"وہی جو مجھے کرنا چاہیے تھا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اگر یہ کچھ دیر زندہ رہتا تو شاید ہم میں سے کسی کو اس پر ترس آجاتا اور اسے چھوڑ دیا جاتا۔ اس کا یہاں سے زندہ چلے جانا ہم سب کی موت کا باعث بن سکتا تھا۔ اس لیے میں نے اسے ختم کر دیا۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔" شارق بولا۔ "اب سب سے پہلے اس کی لاش کو ٹھکانے لگانا چاہیے مگر اس کی قبر کیسے کھودیں۔"

"ہم کم از کم یہ تو کر سکتے ہیں کہ اس لاش کو جھاڑیوں سے ڈھک دیں۔" نولکھا نے کہا اور پھر وہ سب لاش کو جھاڑیوں سے ڈھکنے لگے۔

اور اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ لوگ وہاں سے پڑاؤ اٹھا کر آگے چل پڑے۔

○

اور پھر وہی ہوا جس کا شارق کو اندیشہ تھا۔ ثمینہ نے اسے اور شاہ پری کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔

یہ سمندر خان کی موت کے دوسرے دن کی بات تھی۔ دن بھر کے سفر کے بعد رات کا کھانا

کھاتے ہی وہ لوگ سو گئے تھے۔ شارق جاگ رہا تھا' اسے نیند نہیں آرہی تھی۔ آدھی رات کے قریب وہ پڑاؤ سے نکل کر تقریباً دو سو گز دور ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اسے وہاں بیٹھے ہوئے چند ہی منٹ ہوئے تھے کہ اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سن کر چونک گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ شاہ پری تھی جو دبے قدموں آرہی تھی۔ شاہ پری اس کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"میں جاگ رہی تھی۔" شاہ پری اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "میں نے تمہیں اس طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں بھی آگئی۔ ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔"

"دیکھو شاہ پری۔" شارق اپنے تنفس پر قابو پاتے ہوئے بولا۔ "یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے' ٹھیک نہیں ہے۔ اگر کسی کو پتہ چل گیا تو....."

"ڈرنا تو مجھے چاہیے کہ میں لڑکی ہوں۔" شاہ پری اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "لیکن حیرت ہے کہ تم مرد ہو کر بھی عورتوں کی طرح ڈر رہے ہو۔ تمہاری جگہ کوئی اور مرد ہوتا تو....."

"تو بہت خوش ہوتا۔" اس مرتبہ شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"لیکن میں کسی اور قسم کا مرد ہوں۔ میں ثمینہ سے....."

"بس کرو۔" شاہ پری بولی۔ "تنگ آگئی ہوں میں یہ نام سن سن کر۔ مجھے معلوم ہے تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا چاہتے ہو لیکن میں ثابت کر دوں گی کہ میں تمہیں ثمینہ سے زیادہ چاہتی ہوں۔"

"لیکن شاہ پری....."

"بس چھوڑو یہ باتیں۔" شاہ پری نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

"کوئی اور بات کرو۔ میں یہاں اس لیے نہیں آئی ہوں کہ ہم ایسی باتوں پر جھگڑنا شروع کر دیں جن کا ہمیں کوئی فائدہ نہیں۔"

شاہ پری نے مسکراتے ہوئے دونوں بانہیں شارق کی گردن میں حمائل کر دیں۔ شارق کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور پورے بدن پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

طوفان گزر گیا تھا۔ شاہ پری اس کے سینے پر سر ٹکائے بیٹھی تھی اور وہ دونوں مدھم لہجے میں باتیں کر رہے تھے کہ اپنے قریب کسی کے کھانسنے کی آواز سن کر وہ چونک گئے۔ شارق نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ شاہ پری بھی ایک طرف ہٹ گئی تھی۔ ان دونوں کی نظریں ثمینہ پر جمی ہوئی تھیں۔ ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر کچھ کہے بغیر واپس چلی گئی۔

پڑاؤ میں پہنچ کر شارق نے محمد عمر اور نولکھا کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں گہری نیند سو رہے تھے۔ ثمینہ بھی اپنی جگہ پر لیٹ گئی تھی۔ شاہ پری عام طور پر اسی کے قریب ہی لیٹا کرتی تھی لیکن اس وقت آگے بڑھنے کی اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ نولکھا سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

شارق خاموش کھڑا ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو دوسری طرف منہ کیے لیٹی ہوئی تھی۔ شارق نے جب ثمینہ کو اپنے اور شاہ پری کے سامنے کھڑے دیکھا تو اس کا خیال تھا کہ وہ ہنگامہ مچا دے گی لیکن اس نے زبان سے ایک لفظ نہیں کہا تھا اور شارق کے خیال میں یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بن سکتی تھی۔

شارق ثمینہ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ ثمینہ نے نظریں اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی زبان اگرچہ خاموش ہی رہی مگر آنکھوں نے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔

"ثمینہ۔" شارق نے سرگوشی کی۔ "ناراض ہو مجھ سے؟"

"مجھے تم سے ناراض ہونے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ میں کون ہوں تمہاری۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ اداسی تھی۔

"ایسا نہ کہو ثمینہ۔ میں تو....."

"محمد عمر اور نولکھا سو رہے ہیں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "باتوں کی آواز سن کر وہ جاگ جائیں گے۔ ان کی نیند خراب ہوگی۔ سو جاؤ تم بھی۔"

شارق کو ثمینہ کے رویئے پر بڑی حیرت ہوئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ثمینہ اس طرح خاموش رہے گی۔

دوسرے دن صبح سویرے وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سفر کے دوران ثمینہ عام طور پر شارق کے قریب رہا کرتی تھی لیکن اس روز ثمینہ نے جان بوجھ کر اپنا گھوڑا اس سے آگے رکھا تھا۔ وہ نولکھا کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھی۔ اس کی باتوں میں ایسا کوئی تاثر نہیں تھا جس سے نولکھا کو کسی قسم کا شبہ ہوتا۔

شارق اور شاہ پری سب سے پیچھے تھے۔ ثمینہ سے ان کا فاصلہ تقریباً پچاس گز تھا۔ ثمینہ نے ایک مرتبہ بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

"تم تو کہتے تھے ثمینہ قیامت مچا دے گی۔" شاہ پری نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا کیا ہے اس نے؟ وہ تو ایک لفظ تک نہیں بولی۔"

"تم ثمینہ کو نہیں جانتیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ثمینہ کی اس خاموشی کے پیچھے ایک طوفان چھپا ہوا ہے۔ وہ جب زبان کھولے گی تو سن نہیں سکو گی۔"

"لیکن میرا خیال ہے وہ زبان نہیں کھولے گی۔" شاہ پری مسکرائی۔

اور شاہ پری کا یہ خیال غلط نکلا۔ اسی روز دوپہر کو ثمینہ غبارے کی طرح پھٹ پڑی۔ اس نے شاہ پری سے تو کچھ نہیں کہا البتہ شارق کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور جب شاہ پری نے مداخلت کرنے کی کوشش کی تو ثمینہ نے اسے بھی بری طرح ڈانٹ دیا۔ محمد عمر اور نولکھا حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

اب ثمینہ اور شاہ پری کے اختلافات کھل کر سامنے آگئے تھے۔ وہ نہ صرف شاہ پری سے دور رہنے کی کوشش کر رہا تھا بلکہ ثمینہ سے بھی فی الحال دور ہی رہ رہا تھا۔

شام کو وہ لوگ بورمل کے قریب پہنچ گئے۔ بورمل پاکستان کی سرحد سے کچھ دور ایک درمیانے درجے کا قصبہ تھا۔ انہوں نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا' وہ جگہ بورمل سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی۔ انہیں نشیب میں اس قصبہ کی روشنیاں دکھائی دے رہی تھیں۔

رات کو کھانا کھانے کے بعد وہ لوگ جلد ہی سو گئے۔ آدھی رات کے بعد فائر کی آواز سن کر وہ لوگ جاگ گئے اور پھر یہ دیکھ کر حواس باختہ ہو گئے کہ انہیں چاروں طرف سے پولیس نے گھیر رکھا تھا۔

پولیس والوں کی تعداد چھ تھی اور ان سب کی رائفلیں شارق وغیرہ کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

"پورے افغانستان کی پولیس تم لوگوں کو تلاش کر رہی ہے۔" پولیس پارٹی کے انچارج نے کہا۔ "ہمیں اطلاع ملی تھی کہ تم لوگ اس طرف آرہے ہو۔ ہم نے سرحد کی طرف جانے والے تمام راستوں کی نگرانی شروع کر دی تھی اور بالآخر تم لوگ ہماری گرفت میں آہی گئے۔ اب تم لوگوں کو کوئی نہیں بچا سکے گا۔"

"مم.....میں بے قصور ہوں۔" شاہ پری چیخی۔ "میں افغان لڑکی ہوں۔ یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔ یہ خونی اور قاتل ہیں۔" وہ شارق وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چیخ رہی تھی۔ "یہ لوگ مجھے بھی قتل کر دیں گے۔ مجھے بچا لو ان لوگوں سے' یہ خونی اور قاتل ہیں....."

شاہ پری چیخ رہی تھی اور شارق اور ثمینہ متوحش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

کسی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شاہ پری ایسی کوئی حرکت کر سکتی ہے۔ ثمینہ تو اسے ایک خواب سمجھ رہی تھی لیکن وہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ شاہ پری ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی اور ان پر الزامات لگائے چلی جا رہی تھی۔ حالانکہ یہ وہی شاہ پری تھی جس نے قدم قدم پر ان کا ساتھ دیا تھا۔ اس کے ماں باپ نے ان کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دی تھیں اور یہ وہی شاہ پری تھی جسے شارق نے طور خان جیسے وحشی افغانوں کے ہاتھوں سے بچایا تھا اور بعد میں اسی شاہ پری نے اپنے آپ کو شارق کی آغوش میں گرا دیا تھا اور اب وہی شاہ پری ان سے غداری کرکے ان پر الزام لگا رہی تھی۔

"شاہ پری؟" ثمینہ بالآخر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو؟ کیا تمہیں احساس ہے کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں' ٹھیک کر رہی ہوں اور مجھے پوری طرح احساس ہے۔" شاہ پری نے اسے گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے ماں باپ تم لوگوں کی وجہ سے دھوکے میں مارے گئے۔ ہمارا گھر بار اور پورا خاندان تباہ ہو گیا۔ تم لوگ گن پوائنٹ پر مجھے اپنے ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ اس سے پہلے بھی میں موقع کی تلاش میں تھی لیکن مجھے کوئی نہیں مل سکا تھا۔ میں تم لوگوں کا منصوبہ سمجھ چکی تھی۔ تم لوگ سرحد پر پہنچ کر مجھے قتل کر دیتے اور خود سرحد پار کر جاتے۔ یہ اس گروہ کا سرغنہ ہے۔" اس نے شارق کی طرف اشارہ کیا۔ "میرے ماں باپ کے قتل کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ یہ لوگ اب تک کئی محب وطن افغانوں کو قتل کرا چکے ہیں۔ انہیں بچ کر نہیں جانا چاہیے۔ میں ان کے جرائم کی چشم دید گواہ ہوں۔ میں گواہی دوں گی کہ انہوں نے میرے سامنے بہت سے لوگوں کو قتل کیا ہے۔"

"شاہ پری...." ثمینہ دانت کچکچاتے ہوئے بولی۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم آستین کا سانپ ثابت ہوگی۔ ہم نے تمہیں طور خان سے بچا کر واقعی غلطی کی۔"

"غلطی تو میں نے کی جو اپنوں کو چھوڑ کر اب تک تمہارا ساتھ دیتی رہی۔" شاہ پری نے کہا۔ "لیکن اب میں کوئی غلطی نہیں کروں گی اور تم....." وہ ثمینہ کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے

بولی۔ "تم تو بہت ذلیل عورت ہو۔ تم تو مجھے محبت کے حق سے بھی محروم کرنا چاہتی ہو لیکن میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔ تم ایک عورت ہو اور جانتی ہو کہ عورت جب انتقام لینے پر آتی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا راستہ نہیں روک سکتی۔ میں تمہیں اپنے راستے کی رکاوٹ نہیں بننے دوں گی۔"

"کیا تم سمجھتی ہو کہ اس طرح شارق کو حاصل کر سکو گی؟" ثمینہ بولی۔

"نہیں لیکن میں شارق کو تمہارے پاس بھی نہیں رہنے دوں گی۔" شاہ پری نے کہا اور پھر پولیس والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "ان لوگوں کو پکڑ لو۔ میں گواہی دوں گی کہ ان لوگوں نے کہاں کہاں اور کن کن لوگوں کو قتل کیا ہے۔"

"تم پچھتاؤ گی شاہ پری۔" ثمینہ غرائی۔

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے لیکن تم لوگوں کو تمہارے جرائم کی سزا ضرور ملے گی۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

ثمینہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن ایک پولیس والا جو اس پارٹی کا انچارج تھا' آگے آگیا۔ اس نے ثمینہ کے منہ پر زور دار تھپڑ مار دیا۔ ثمینہ چیخ کر پیچھے گر گئی۔

"تم اس طرف آجاؤ۔" پولیس والے نے شاہ پری کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ اب تک بچتے ہوئے آئے ہیں لیکن دیکھتا ہوں کہ اب کس طرح بچتے ہیں۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے ثمینہ اور شارق وغیرہ کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر پولیس والوں کی طرف آگئی۔ ثمینہ اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

وہ اپنا گال سہلاتے ہوئے کھا جانے والی نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ان کی رائفلیں اٹھا لو اور تم گھوڑوں کے قریب چلی جاؤ۔" پولیس پارٹی کے انچارج نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔

شاہ پری نے آگے بڑھ کر زمین پر پڑی ہوئی شارق وغیرہ کی رائفلیں اٹھالیں اور مسکراتے ہوئے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگی۔ پولیس والوں کے گھوڑے وہاں سے تقریباً پچاس گز دور تھے۔ تقریباً دس گز دور پہنچ کر شاہ پری ایک پتھر سے ٹکرائی اور لڑکھڑا کر پشت کے بل گری۔ رائفلیں بھی نیچے گر گئی تھیں۔

پولیس والے مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ شاہ پری نے فارسی زبان میں کچھ کہا اور رائفلیں اٹھانے لگی۔

اور پھر وہ کچھ ہو گیا جس کی کوئی بھی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ پہلی رائفل اٹھاتے ہی شاہ پری

نے اس کا ٹریگر دبا دیا تھا۔ آٹومیٹک رائفل تھی اور اس کا میگزین بھرا ہوا تھا۔ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔ گولیوں کی اس تڑتڑاہٹ میں پولیس والوں کی چیخوں کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ پولیس والے چیختے ہوئے گر رہے تھے اور گر گر کر تڑپ رہے تھے لیکن شاہ پری نے ٹریگر سے انگلی نہیں ہٹائی تھی۔ ٹریگر سے انگلی اس نے اس وقت ہٹائی تھی جب تمام پولیس والے خاک و خون میں لوٹ کر بے حرکت ہو چکے تھے۔

ثمینہ' شارق' نولکھا اور محمد عمر حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ شاہ پری نے رائفل پھینک دی اور اٹھ کر دوڑتی ہوئی ثمینہ سے لپٹ گئی۔ ثمینہ مبہوت سی کھڑی تھی اور جب اسے احساس ہوا تو اس نے دونوں بانہیں شاہ پری کے گرد لپیٹ دیں اور اسے بھینچ لیا۔

"شاہ پری....." ثمینہ کے حلق سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"ثمینہ....." شاہ پری نے پیچھے ہٹ کر اس کا منہ چوم لیا۔ "کیا تم سمجھتی ہو کہ میں تم لوگوں سے غداری کر سکتی تھی؟" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "میں اگر یہ ڈرامہ نہ کرتی تو یہ پولیس والے یا تو ہم سب کو مار ڈالتے یا ہمیں اپنے ساتھ لے جاتے اور ہم سب زندگی بھر جیلوں میں سڑتے رہتے۔"

"جیلوں میں کیوں سڑتے رہتے۔" نولکھا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "ہم پر اتنے لوگوں کے قتل کے الزام ہیں کہ جیل جانے کی نوبت ہی نہ آتی۔ جیل کے دروازے میں قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ لوگ ہمیں گولیوں سے چھلنی کر دیتے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" محمد عمر نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "یہ تو شاہ پری کی عقل مندی ہے کہ اس نے ہم سب کو اذیت ناک موت سے بچا لیا۔"

"ہاں ہم سب کو شاہ پری کا شکر گزار ہونا چاہیے۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے شاہ پری کا منہ چوم لیا۔

"میرا خیال ہے اب ہم لوگوں کو یہاں سے چل پڑنا چاہیے۔" شاہ پری نے کہا۔ "اگر ان کی تلاش میں دوسرے پولیس والے اسی طرف نکل آئے تو ہمارا بچ نکلنا مشکل ہو جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" شارق بولا۔ "لیکن جانے سے پہلے ہمیں ان کا ایمونیشن اپنے قبضے میں لے لینا چاہیے۔ رائفلیں تو ہمارے پاس ہیں۔ میگزین اور گولیوں کی ہمیں ضرورت پڑے گی۔"

وہ لوگ مردہ پولیس والوں کی رائفلوں سے میگزین نکالنے لگے۔ ان کے سینوں پر بھی گولیوں

سے بھرے ہوئے بیلٹ لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے سب کے سب بیلٹ اتار کر اپنے سینوں پر سجا لیے۔ شارق مردہ پولیس والوں کے لباس کی تلاشی لینے لگا۔ اس نے ان سب کی جیبوں سے کرنسی نوٹ بھی نکال لیے اور وہ نوٹ محمد عمر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ اپنے پاس رکھو۔ راستے میں کہیں ضرورت پڑ جائے گی۔"

وہ لوگ رکے بغیر رات بھر چلتے رہے۔ چاند کی روشنی میں انہیں سفر کرنے میں زیادہ دشواری نہیں ہو رہی تھی لیکن آگے راستہ دشوار گزار تھا اور سفر جاری رکھنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لیے انہوں نے ایک چٹان کے دامن میں پڑاؤ ڈال دیا۔ اس طویل تھکن نے انہیں بری طرح نڈھال کر دیا تھا۔ انہوں نے گھوڑوں کو لمبی رسیوں سے پتھروں کے ساتھ باندھ دیا اور پتھروں پر لیٹ کر سو گئے۔ عام طور پر رات کو ایک آدھ آدمی جاگتا رہتا تھا لیکن اس رات کوئی بھی نہیں جاگ سکا تھا۔ سب لوگ بے سدھ ہو کر سو گئے تھے۔

شارق ایک پتھر سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔ نیند میں بھی وہ بے چینی سی محسوس کر رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دوڑتے دوڑتے تھک کر گر پڑا ہو۔ اس کی ٹانگیں شل ہو رہی تھیں اور جسم پسینے میں شرابور تھا۔ پسینہ اس کے جسم پر کیچوے کی طرح رینگ رہا تھا۔ وہ سوتے میں گھبراہٹ سی محسوس کرنے لگا اور پھر دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔

تیز دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ پتھر تپ رہے تھے۔ گرمی کی وجہ سے وہ پسینے میں شرابور ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ گھوڑے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔

شارق ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ اسے حیرت تھی کہ وہ سب لوگ کہاں غائب ہو گئے تھے۔ حالانکہ رات کو انہوں نے اسی جگہ کیمپ لگایا تھا اور وہ ان سے چند گز ہٹ کر پتھر سے ٹیک لگا کر سویا تھا لیکن اب دور دور تک ان میں سے کسی کا نام و نشان تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

اچانک ہی شارق کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا' کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ لوگ صبح اٹھ کر آگے روانہ ہو گئے ہوں؟ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ اسے چھوڑ کر کیسے جا سکتے ہیں لیکن ان کا اس طرح غائب ہو جانا حیرت انگیز تھا۔

شارق گھوم پھر کر ایک بار پھر اسی جگہ آ گیا جہاں سے وہ چلا تھا۔ اس کی رائفل پتھر کے قریب پڑی ہوئی تھی۔ اس نے رائفل اٹھا کر کندھے پر لٹکا لی اور بار بار ان سب کے نام لے کر آوازیں دینے لگا۔ اس کی آواز کی بازگشت پہاڑوں میں گونج رہی تھی لیکن اسے جواب کسی طرف

سے نہیں ملا۔

شارق کا گھوڑا بھی غائب تھا۔ اس نے تقریباً آدھے میل کے علاقے میں گھوم پھر کر دیکھ لیا تھا لیکن کہیں نام و نشان نہیں ملا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک جگہ رک گیا۔ یہاں گھوڑے کی لید پڑی تھی۔ یہ جگہ ان کے کیمپ سے تقریباً دو سو گز دور تھی۔ شارق کو اچھی طرح یاد تھا کہ رات کو انہوں نے گھوڑے اپنے کیمپ کے قریب ہی باندھے تھے لیکن یہاں گھوڑے کی لید کا کیا مطلب ہو سکتا تھا۔

دفعتاً" اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس جگہ گھوڑے کی لید دیکھ کر اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ جہاں بھی گئے تھے' اسی راستے سے گئے تھے۔ اس نے رائفل کندھے پر درست کی اور اس راستے پر چل پڑا۔ مزید دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اسے ایک جگہ اور گھوڑے کی لید نظر آئی تھی۔ وہ اس راستہ پر چلتا رہا۔

یہ چٹانوں کے درمیان کشادہ درہ نما راستہ تھا۔ تیز دھوپ سے چٹانیں تپ رہی تھیں اور شارق کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم کے کسی خطے میں سفر کر رہا ہو۔ اس کا جسم پسینے میں شرابور تھا۔ پیاس سے اس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے تھے اور ہونٹوں پر پپڑیاں سی جم گئی تھیں۔

شارق نے تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کر لیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ اپنے ساتھیوں کے نام لے لے کر آوازیں بھی دیتا رہا تھا لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ وہ اس درے سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دفعتاً" وہ چونک گیا۔ اسے ایسی آواز سنائی دے رہی تھی جیسے کہیں پانی گر رہا ہو۔ وہ چند لمحے وہاں کھڑا رہا' پھر آواز کی سمت میں چلنے لگا۔ ایک چٹان کے پیچھے پہنچ کر وہ رک گیا۔

سامنے پتھروں میں تقریباً دس فٹ کی بلندی سے پانی کی پتلی سی دھار بہہ رہی تھی۔ پانی ایک چھوٹے سے گڑھے میں گر رہا تھا۔ گڑھے میں گرنے والا پانی نیچے ہی کہیں غائب ہو رہا تھا کیونکہ وہ آس پاس کسی طرف بھی بہتا ہوا نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ گڑھا تقریباً تین فٹ لمبا اور دو فٹ چوڑا تھا۔ شارق گڑھے کے کنارے پر بیٹھ گیا اور جھک کر جانوروں کی طرح منہ لگا کر پانی پینے لگا۔ پانی سے پیٹ بھرنے کے بعد اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور پتھر کے ساتھ ہی بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

حواس کسی قدر بحال ہوئے تو وہ صورتحال کا جائزہ لینے لگا۔ صورتحال بے حد سنگین تھی۔ اگر اس کے ساتھی نہ ملے تو وہ ان پہاڑوں میں بھٹکتا رہے گا اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر بھوک پیاس سے دم توڑ دے گا لیکن اسے حیرت تو اس بات کی تھی کہ اس کے ساتھی کہاں چلے گئے تھے۔ کیا

وہ لوگ اسے بھول سکتے تھے؟ اپنے اس خیال پر شارق کو ہنسی آگئی۔ وہ لوگ اسے کیسے بھول
تھے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ لوگ کہاں چلے گئے تھے۔ دفعتاً" اس کے ذہن میں ایک
خیال ابھرا۔ کہیں محمد عمر نے تو غداری نہیں کی تھی۔ ایسا تو نہیں تھا کہ محمد عمر اس کے ساتھیوں
گن پوائنٹ پر کہیں لے گیا ہو۔ ہو سکتا ہے اس نے شارق سے کسی قسم کا خطرہ محسوس کیا ہو
شارق کو یہاں چھوڑ کر انہیں ساتھ لے گیا ہو۔ وہ اکیلا بھی جا سکتا تھا لیکن دو جوان اور خوبصور
لڑکیوں کا ساتھ اس کے لیے مفید ثابت ہو سکتا تھا۔ عورت دنیا کے ہر خطے میں مرد کی کمزور
رہی ہے۔ محمد عمر کو یہ یقین رہا ہوگا کہ اگر وہ اکیلا گیا تو کہیں نہ کہیں پکڑا جائے گا۔ اس لیے
نے دونوں لڑکیوں کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ پکڑے جانے کی صورت میں ان دونوں لڑکیوں
رشوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا تھا۔

لیکن نہیں۔

شارق نے سر جھٹک دیا۔ محمد عمر ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے دل میں کوئی بات ہوتی تو
بہت عرصہ پہلے کھل کر سامنے آچکا ہوتا۔ اس نے تو طور خان کی مخالفت کرکے اس کا ساتھ دیا
اور اس کے بعد بھی قدم قدم پر اس کے ساتھ رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ غداری نہیں کر سکتا تھا۔

شارق کافی دیر چٹان کے سائے میں بیٹھا رہا۔ اس نے اٹھ کر ایک بار پھر پانی پیا اور
راستے پر چل پڑا۔ جگہ جگہ گھوڑوں کی لید یہ ثابت کر رہی تھی کہ وہ صحیح راستے پر جا رہا ہے لیکن
شارق کے خیال میں انہیں پا لینا آسان نہیں تھا۔ وہ لوگ گھوڑوں پر گئے تھے اور یہ پیدل چل
تھا۔ وہ لوگ اب تک نجانے کہاں پہنچ چکے ہوں گے۔ اگر یہ اسی طرح ان بنجر اور ویران راستو
میں بھٹکتا رہا تو اس کی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی تھی۔

وہ چلتا رہا۔ سورج سر پر آگیا تھا۔ چٹانیں انگاروں کی طرح تپ رہی تھیں۔ بھوک' پیاس
گرمی سے وہ نڈھال ہو رہا تھا۔ اس کے لیے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ کندھے پر لٹکی ہوئی رائف
بھی اسے بوجھ محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کئی مرتبہ سوچا کہ اس بوجھ کو کہیں پھینک دے لیک
ہر مرتبہ ارادہ بدل دیا۔ کسی مشکل وقت میں رائفل ہی اس کے کام آسکتی تھی۔

دھوپ کی شدت میں اگرچہ کمی آگئی تھی لیکن چٹانیں ابھی تک تپ رہی تھیں۔ ایک چھو
سی چٹان کے اوپر سے گھوم کر وہ اچانک ہی ایک چھوٹی سی ندی کے سامنے پہنچ گیا۔ پانی دیکھ
شارق کی پیاس بھڑک اٹھی۔ اس نے ندی میں چھلانگ لگا دی۔ اس نے خوب جی بھر کے پانی
اور دیر تک ندی میں بیٹھا رہا۔ جب وہ باہر نکلا تو اس کے کپڑوں سے پانی نچڑ رہا تھا۔

وہ تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر ندی کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ نجانے اسے

امید کیوں تھی کہ یہ چھوٹی سی ندی اسے کسی نہ کسی بستی تک پہنچا دے گی۔

سورج غروب ہو رہا تھا۔ شام ہونے والی تھی۔ شارق صبح سے اب تک چلتا رہا تھا۔ خالی پیٹ
پانی پی پی کر اسے ابکائیاں سی آنے لگی تھیں۔ راستے میں کوئی جانور بھی اسے نظر نہیں آیا تھا جسے
شکار کرکے وہ اپنا پیٹ بھر سکتا۔ وہ چلتے چلتے گر پڑا۔ اس میں اب اٹھنے اور مزید چلنے کی ہمت نہیں
رہی تھی۔ اب اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ شارق ندی کے کنارے پر پڑا رہا۔ تھکن اور بھوک سے وہ
بری طرح نڈھال ہو رہا تھا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ کچھ ہی دیر بعد وہ دنیا و مافیہا سے
بے خبر ہو چکا تھا۔

دفعتاً" اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ فائر کی آواز تھی جس کی بازگشت اب بھی پہاڑوں میں گونج
رہی تھی۔ شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔ چاند ابھی نہیں نکلا
تھا۔ ہر طرف تاریکی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر بیٹھا یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا کہ آواز کس طرف
سے آئی تھی لیکن بازگشت کی آواز بھی اب ختم ہو چکی تھی۔

شارق کے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا۔ اس کے ساتھی آس پاس ہی کہیں موجود
تھے اور گولی یقیناً انہی میں سے کسی نے چلائی تھی۔ وہ اٹھ کر ادھر ادھر دوڑنے لگا۔ اس نے ایک
دو آوازیں بھی دیں لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ فائر کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ اس مرتبہ پورا
برسٹ مارا گیا تھا۔ آواز کی بازگشت پھر پہاڑوں میں گونج رہی تھی۔ شارق نے اپنے کندھے سے
رائفل اتار لی اور اس کا رخ آسمان کی طرف کرکے ٹریگر دبانا ہی چاہتا تھا کہ کسی اور خیال کے
تحت اس نے انگلی ٹریگر سے ہٹالی اور رائفل نیچے جھکا لی۔

وہ فائر کرکے اپنے ساتھیوں کو اپنی موجودگی کی اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن یہ سوچ کر ارادہ بدل دیا
تھا کہ ہو سکتا ہے یہ اس کے ساتھی نہ ہوں۔ خانہ بدوش ہوں یا پہاڑوں میں گشت کرنے والی
پولیس ہو جس نے اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا ہو۔ ایسی صورت میں اس کا محتاط رہنا ہی بہتر تھا۔

وہ رائفل ہاتھ میں پکڑے ایک طرف دوڑنے لگا اور پھر دفعتاً" وہ رک گیا۔ نشیب میں تقریباً
سو گز کے فاصلے پر آگ کا بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ آگ کی روشنی میں ایک چھوٹی سی بستی دکھائی
دے رہی تھی۔ کچھ لوگ ادھر ادھر چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ پانچ چھ آدمی الاؤ کے گرد رقص
کر رہے تھے۔

شارق ایک جگہ پر بیٹھ کر اس طرف دیکھنے لگا۔ اسی لمحہ فضا ایک بار پھر فائرنگ کی آواز سے
گونج اٹھی۔ آگ کے الاؤ کے پاس کھڑے ہوئے ایک شخص نے آسمان کی طرف رائفل کا برسٹ
مارا تھا۔ آسمان کی طرف جاتی ہوئی گولیاں صاف نظر آئیں تھیں۔

شارق گہری نظروں سے اس طرف دیکھتا رہا۔ وہ خانہ بدوشوں کی بستی تھی اور خانہ بدوش کوئی جشن منا رہے تھے۔ دفعتاً" شارق چونک گیا۔ اس کی نظریں الاؤ کے دائیں طرف کچھ لوگوں پر جم گئیں اور پھر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ ابل نے نولکھا اور ثمینہ کو پہچان لیا۔ ان کے ساتھ شاہ پری اور محمد عمر بھی تھے۔ نولکھا اور محمد عمر کے ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ ان چاروں کو دو آدمیوں نے اپنی رائفل کی زد پر لے رکھا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر شارق کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی اور پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔ صورتحال آہستہ آہستہ اس کے ذہن پر واضح ہونے لگی۔ گزشتہ رات اس کے ساتھی کسی طرح ان قبائلیوں کی نظروں میں آگئے تھے۔ وہ لوگ انہیں گرفتار کرکے یہاں سے لے آئے تھے۔ شارق خود ان کی نظروں میں نہیں آسکا ہوگا اس لیے بچ گیا تھا ورنہ وہ بھی ان کے ساتھ یہاں بندھا ہوا ہوتا۔

شارق کو اپنے ساتھی مل گئے تھے لیکن صورتحال خاصی سنگین تھی۔ اس کے دو ساتھی بندھے ہوئے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری اگرچہ آزاد تھیں لیکن شاید وہ بھی کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ ان قبائلیوں کی تعداد کتنی تھی' وہ خود اکیلا تھا۔ رائفل میں ایک بھرا ہوا میگزین تھا اور بیلٹ میں تقریباً بیس گولیاں تھیں۔ کوئی کارروائی شروع کرنے سے پہلے یہ اندازہ لگا لینا ضروری تھا کہ اس کے مقابلے پر کتنے لوگ ہیں۔

وہ اپنی جگہ پر بیٹھا کچھ دیر تک نشیب میں دیکھتا رہا' پھر وہاں سے ہٹ کر دائیں طرف چلنے لگا۔ وہ ایک مختصر سا چکر کاٹ کر ایسی جگہ پر آگیا جہاں سے اس کے ساتھی زیادہ نمایاں نظر آرہے تھے۔ اس طرف اسے ایک اور چیز نظر آگئی۔ ایک پتھر پر غالباً قبیلے کا سردار بیٹھا ہوا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر الاؤ کے ایک کنارے پر دہکتے ہوئے کوئلوں پر بکرے یا دنبے روسٹ کیے جا رہے تھے۔ شارق کو دو تین عورتیں بھی گھومتی ہوئی نظر آئی تھیں۔

شارق گھومتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ اس دوران شارق نے اندازہ لگا لیا تھا کہ ان خانہ بدوشوں کی تعداد پندرہ اور بیس کے درمیان تھی۔ عورتیں ان کے علاوہ تھیں۔ کوئی بچہ اسے نظر نہیں آیا تھا۔

شارق کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کس طرح چھڑوائے۔ اندھا دھند فائرنگ کر دینا حماقت ہی ہوتی۔ اس طرح وہ زیادہ سے زیادہ دو چار آدمیوں کو مار سکتا تھا' باقی لوگ اسے بھون کر رکھ دیتے۔ نہیں وہ یہ حماقت نہیں کر سکتا تھا۔

وہ گھومتا ہوا خیموں کی طرف نکل آیا۔ کل آٹھ خیمے تھے۔ ایک خیمہ بڑا تھا۔ دفعتاً" شارق

کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اپنے ساتھیوں کو چھڑانے کی ترکیب اس کے ذہن میں آگئی تھی۔ اگر وہ کسی ایک خیمے کو آگ لگا دے تو قبائلیوں کی توجہ اس طرف مبذول ہو جائے گی اور وہ اپنے ساتھیوں کو چھڑا لے گا۔

وہ اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا۔ خوش قسمتی سے ماچس اس کی جیب میں موجود تھی۔ گزشتہ رات نولکھا نے آگ جلائی تھی تو غیر ارادی طور پر شارق نے اس سے ماچس لے کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

اس نے جیب سے ماچس نکالی۔ اسے کھول کر ٹٹول کر دیکھا۔ اس میں چند ہی تیلیاں تھیں اور خیمے کے موٹے کپڑے کو ماچس کی تیلیوں سے آگ لگانا مشکل تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ کچھ خشک جھاڑیاں جمع کیں اور ایک خیمے کے قریب آگیا۔

سب لوگ خیموں کے سامنے کے رخ پر الاؤ کی طرف تھے۔ شارق نے جھاڑیاں خیمے کے کپڑے کے نیچے جمع کر دیں اور تیلی جلا کر انہیں شعلہ دکھانے لگا۔ تیلی بجھ گئی۔ دوسری تیلی سے جھاڑیوں کو آگ نہیں لگ سکی حالانکہ جھاڑیاں خشک تھیں۔

شارق کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ اگر کوئی قبائلی اس طرف نکل آیا تو اسے بھاگنے کا بھی موقع نہیں مل سکے گا۔ اس نے تیسری تیلی جلائی۔ اس مرتبہ اسے ناکامی نہیں ہوئی' جھاڑیوں نے آگ پکڑ لی۔ شارق نے جھاڑیاں اس طرح سمیٹ دیں کہ انہیں اچھی طرح آگ لگ سکے۔

جھاڑیوں کی خشک شاخیں جلتے ہوئے چٹخ رہی تھیں۔ شارق نے جلتی ہوئی جھاڑیاں خیمے کے کپڑے کے نیچے ڈال دیں اور جب کپڑے نے آگ پکڑ لی تو وہاں سے ہٹ کر دبے قدموں دوڑتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ وہ چکر کاٹ کر اس جگہ آگیا جہاں اس کے ساتھی بندھے ہوئے زمین پر بیٹھے تھے۔ وہ ان کے پیچھے تقریباً دس گز کے فاصلے پر پتھروں کے پیچھے بیٹھا کبھی قبائلیوں کو دیکھنے لگتا اور کبھی خیموں کی طرف۔

قبائلیوں کا رقص جاری تھا۔ وہ فارسی یا دری زبان سے کچھ گا بھی رہے تھے جس کا ایک لفظ بھی شارق کے پلے نہیں پڑ رہا تھا۔ وہ بار بار خیموں کی طرف دیکھ رہا تھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

خیموں کے پچھلی طرف آخری خیمے سے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔ اسی لمحہ عورت کی چیخ سنائی دی۔ وہ چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہی تھی۔ قبائلیوں کا رقص تھم گیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے تمام قبائلی خیموں کی طرف دوڑنے لگے۔ پتھر پر بیٹھا ہوا سردار بھی ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ وہ ان دو قبائلیوں کی طرف مڑنے لگا جنہوں نے نولکھا وغیرہ کو رائفلوں کی زد پر لے رکھا تھا۔

اس نے تیز لہجے میں ان سے کچھ کہا اور پھر خود بھی دوڑتا ہوا خیموں کی طرف چلا گیا۔

اب وہاں صرف وہی دو قبائلی رہ گئے تھے جنہوں نے نولکھا وغیرہ کو رائفلوں کی زد پر لے تھا۔ شارق نے رائفل سنبھال لی اور دبے قدموں آگے بڑھنے لگا۔ ان قبائلیوں سے چند فر فاصلہ پر پہنچ کر وہ رک گیا۔

"تم دونوں اپنی رائفلیں پھینک دو ورنہ چھلنی کر دوں گا۔" شارق نے یہ جملہ ٹوٹی فارسی زبان میں کہا تھا۔ اتنے دنوں سے افغانستان میں رہتے ہوئے وہ تھوڑی بہت فارسی زبان گیا تھا۔

ایک قبائلی تیزی سے پیچھے مڑا۔ شارق نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر گولی چلا دی۔ وہ قبا کر ڈھیر ہو گیا۔ گولی اس کے سینے میں لگی تھی۔ دوسرے قبائلی نے رائفل پھینک دی۔

آگ نے دوسرے خیمے کو بھی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ تمام قبائلی اس طرف جمع تھے۔ ا شور میں شارق کی چلائی ہوئی گولی کی آواز پر کسی نے توجہ نہیں دی تھی۔ ایسے میں وہ کس کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

ثمینہ اور شاہ پری اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی حرکت میں آچکی تھیں۔ انہوں نے اور محمد عمر کے ہاتھ کھول دیئے۔

"رائفلیں اٹھا لو.....اور گھوڑے کہاں ہیں تم لوگوں کے؟" شارق بولا۔

قبائلیوں کی رائفلیں ایک چبوترے پر پڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ایک رائفل اٹھالی۔

"اس طرف آؤ' جلدی کرو۔ گھوڑے اس چٹان کے پچھلی طرف بندھے ہوئے ہیں۔" نے کہا۔

"ان لوگوں کا کیا کیا جائے؟" شارق بولا۔

"انہیں ساتھ لے چلو۔ چٹان کے پیچھے لے جا کر گولی مار دیں گے۔" شاہ پری نے کہا دونوں قبائلیوں کو اپنی رائفل کی زد پر لیتے ہوئے غرائی۔ "چلو خاموشی سے چلتے رہو۔"

وہ دونوں قبائلی خاموشی سے ان کے آگے چل دیئے۔ چٹان کے پیچھے پہنچ کر وہ رک یہاں کئی گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک ایک گھوڑا کھول لیا۔ محمد عمر ان قبائلیوں کو باندھنا چاہتا تھا مگر شارق بول پڑا۔

"ایک کو باندھ کر یہیں ڈال دو اور دوسرے کو ساتھ لے لو۔ ہمیں کچھ علم نہیں ہے کس جگہ پر ہیں۔ یہ قبائلی ہماری رہنمائی کرے گا۔ مناسب فاصلہ طے کر لینے کے بعد ا

ے میں کہیں چھوڑ دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" محمد عمر نے کہا۔ "اگر ان لوگوں نے ہمارا پیچھا بھی کیا تو یہ ایک بندہ ہمارے یر غمال رہے گا۔"

اس قبائلی کے ہاتھ پشت پر باندھ کر اسے بھی گھوڑے پر ڈال دیا گیا۔ محمد عمر اس کے پیچھے گیا اور انہوں نے گھوڑوں کو ہانک دیا۔

ٹھیک اسی وقت قبائلیوں کو بھی حقیقت کا پتہ چل گیا لیکن آگ کئی خیموں تک پھیل چکی ں۔ وہ آگ بجھانے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔ انہیں قیدیوں کے بھاگ جانے کی پروا نہیں ں۔ اس لیے کسی نے ان کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔

چاند نکل آیا تھا۔ محمد عمر والا گھوڑا سب سے آگے تھا۔ اس کے پیچھے ثمینہ' شاہ پری کے وڑے' ان کے پیچھے نولکھا اور آخر میں شارق کا گھوڑا تھا۔ چاندنی کی وجہ سے انہیں زیادہ پریشانی یں ہو رہی تھی۔ راستہ بھی زیادہ دشوار نہیں تھا' اس لیے گھوڑے مناسب رفتار سے دوڑتے ہے۔

آدھی رات کے لگ بھگ انہوں نے گھوڑے روک لیے۔ وہ اس وقت خاصی بلندی پر ے۔ دائیں طرف نشیب میں بہت دور ٹمٹماتی ہوئی مدھم سی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ قیدی ائی نے بتایا کہ وہ بابا خیل نامی ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ وہاں سے ایک راستہ سروبی کی طرف ل جاتا ہے۔

وہ لوگ گھوڑوں سے اتر آئے۔ شارق کے خیال میں وہ بستی کم سے کم پانچ میل دور ضرور ی۔ گھوڑوں سے اتر کر وہ لوگ ادھر ادھر پتھروں سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

"کیا کوئی ایسا راستہ نہیں ہے کہ بستی سے بچ کر سروبی کی طرف نکلا جا سکے؟" شارق نے ئی سے پوچھا۔

"اس طرف تقریباً دو میل آگے دریا کی دوسری طرف دو راستے ہیں۔" قبائلی نے منہ سے ب طرف اشارہ کیا۔ "وہاں سے ایک راستہ سروبی کی طرف جاتا ہے اور دوسرا درہ منگرو تائی نرائی ا طرف۔"

"کس کی تائی کی بات کر رہے ہو خان بھائی؟" نولکھا بولا۔

"کسی کی تائی کی بات نہیں کر رہا۔ یہ جگہ کا نام ہے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ر پھر قبائلی کی طرف رخ کر کے بولا۔ "یہ درہ منگرو تائی نرائی کہاں پر ہے؟"

"جنوبی وزیرستان کی سرحد پر۔" قبائلی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم تمہیں دریا تک اپنے ساتھ لے جائیں گے' اس کے
تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔"

"میرے ہاتھ تو کھول دو۔ میں بڑی اذیت محسوس کر رہا ہوں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی
حرکت نہیں کروں گا۔" قبائلی نے ملتجی لہجے میں کہا۔

شارق نے اس کے ہاتھ کھول دیئے۔ قبائلی اپنی کلائیاں سہلانے لگا۔

"تم لوگ انہی پہاڑوں میں گھومتے رہتے ہو۔ کھانے کا سامان کہاں سے لیتے ہو اور کام
کیا کرتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"ہم خانہ بدوش لوگ ہیں۔" قبائلی نے جواب دیا۔ "تھوڑا بہت سامان ادھر سے ادھر کر
رہتے ہیں۔ ہم سال میں ایک دو مرتبہ پاکستان بھی چلے جاتے ہیں۔ یہاں سے کچھ سامان لے جا
وہاں فروخت کر دیتے ہیں۔ بس اسی طرح ہمارا گزارہ ہوتا ہے۔"

"یہاں سے کیا چیز پاکستان لے کر جاتے ہو' ہیروئن؟" شارق نے کہتے ہوئے اس کے چہر
پر نظریں جما دیں۔

"ہاں۔" قبائلی نے بے خوفی سے جواب دیا۔ "اس سے زیادہ منافع بخش اور کوئی چیز
ہے۔ کم سے کم وزن' زیادہ سے زیادہ قیمت۔ اسے اپنے سامان میں چھپایا بھی آسانی سے جا
ہے۔"

"ہیروئن کہاں سے لیتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"وزیرستان کی سرحد کے قریب کئی فیکٹریاں ہیں جہاں ہیروئن تیار ہوتی ہے۔" قبائلی
جواب دیا۔ "لیکن پہاڑوں میں چھپی ہوئی ان فیکٹریوں کو تلاش کر لینا آسان نہیں ہے اور پھ
فیکٹری کی حفاظت کے لیے ان لوگوں نے بڑے سخت انتظامات کر رکھے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہم بھی ہیروئن کی فیکٹریوں کی تلاش ہی میں
ہوئے ہیں۔ ابھی تک ہم کسی فیکٹری تک نہیں پہنچ سکے لیکن جو بھی فیکٹری ہمیں ملے گی' ہم ا
تباہ کر دیں گے۔"

شارق کی یہ بات سن کر ثمینہ اور نوکھا چونکے بغیر نہیں رہ سکے تھے۔ وہ اس وقت تو خام
رہے لیکن بعد میں ثمینہ نے شارق کو گھیر لیا۔

"ہاں ثمینہ۔" شارق نے اس کے سوال کے جواب میں گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "میں
روز سے سوچ رہا ہوں کہ ہماری زندگی کا مقصد کیا ہے۔ ہم ان پہاڑوں میں کیوں گھوم رہے ہ
ہم یہاں کیوں اور کیا لینے آئے تھے؟" وہ چند لمحے خاموش رہا' پھر بولا۔ "دراصل لالچ انسا

کبھی ایک مقام پر ٹکنے نہیں دیتا۔ وہ اوپر اور اوپر جانا چاہتا ہے۔ ہم بھی اوپر ہی جانا چاہتے تھے۔
لالچ میں آکر حاجی کا کہنا مان لیا تھا۔ وہ تو ہماری قسمت اچھی تھی کہ بچ گئے ورنہ اس خبیث نے
ہمیں اوپر بھیجنے کا پورا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ ہم ان ویران پہاڑوں میں ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔
قدم قدم پر موت کا سامنا ہے۔ ایک دو نہیں' کئی مرتبہ موت کے منہ سے نکلے ہیں۔ اب میں نے
فیصلہ کر لیا ہے کہ پاکستان پہنچ کر اپنی زندگی کا راستہ بدلنے کی کوشش کریں گے۔ اب تک ہم
موت بانٹتے رہے ہیں۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے معصوم لوگوں کے خون میں زہر گھولتے رہے ہیں
لیکن اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہم یہ زہر بیچنے والوں کو ختم کر دیں گے۔ سب سے پہلے ہم حاجی سے
نمٹیں گے۔"

"تمہارے ان خیالات پر مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" ثمینہ بولی۔ "ایک حاجی کو ختم کرو گے تو
اس کی جگہ دس اور آجائیں گے اور پھر تم یہ بات بھول رہے ہو کہ تم بھی اسی کشتی کے سوار ہو۔
تم اب تک جو کچھ کر چکے ہو' کیا ایک حاجی کو ختم کرکے اس کی تلافی ہو سکتی ہے؟"

"میں اپنے آپ کو بے قصور اور بے گناہ نہیں کہتا لیکن یہ تم بھی جانتی ہو کہ میں نے یہ کام
اپنی خوشی سے نہیں کیا تھا۔ مجھے غلط اور پرخار راستے پر چلنے پر مجبور کیا گیا تھا لیکن....."

"لیکن اب تم نے جس راستے پر چلنے کا فیصلہ کیا ہے وہ اس سے زیادہ پرخار ہے۔"
ثمینہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم پہلے بھی کوشش کر چکے ہو' تمہیں اس کا تجربہ
ہے۔ کیا اب تم ایسا کر سکو گے؟"

"ہاں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور مجھے اس پر عمل کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔"
شارق نے جواب دیا۔ "بہرحال ہم نے اب تک جو کچھ بھی کیا ہے' غلط کیا ہے۔ میں یہ
اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اپنا انتقام لینے کے لیے اپنی پوری قوم کو نقصان پہنچایا ہے۔ ان
جوانوں کے خون میں زہر گھولا ہے جنہوں نے کل اس ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے لیکن وہ کہتے
ہیں نا کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے۔ میں اس نقصان کی تلافی کرنے
کی کوشش کروں گا۔"

"میرا خیال ہے تم ایسا نہیں کر سکتے۔ حاجی جیسے دولت کے پجاری تمہیں ایسا نہیں کرنے دیں
گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اب کوئی حاجی میرا راستہ نہیں روک سکے گا۔" شارق نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"کیا تم میرے یہ نقصان کی تلافی بھی کر سکو گے؟" ثمینہ نے یہ کہتے ہوئے عجیب سی نظروں
سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارا نقصان؟" شارق چونک گیا۔

"ہاں۔" ثمینہ بولی۔ "میں ایک سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ ایک معزز پیشے سے وابستہ تھی لیکن تم مجھے کہاں لے آئے ہو۔ کیا تم مجھے میرا وہ مقام واپس دلا سکتے ہو؟ میری کھوئی ہوئی عزت واپس لا سکتے ہو؟ میرے ماں باپ کی جو رسوائی ہوئی ہے' اس کی تلافی کر سکتے ہو؟"

شارق خاموش رہا۔ اس کے پاس ثمینہ کی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش بیٹھا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"تم تو سنجیدہ ہو گئے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری خاطر میں نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا ہے اور سب کچھ بھول چکی ہوں۔ تم جو کہو گے' میں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن میری ایک بات یاد رکھنا۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "ہم چاہے کچھ بھی کر لیں' اپنے آپ کو بے گناہ ثابت نہیں کر سکتے۔ انتقام لینے کے لیے ہم نے خود وہی سب کچھ شروع کر دیا تھا جو ہمیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ایک طرف تو نے موت کے سوداگروں سے جنگ شروع کر دی تھی اور دوسری طرف قانون کے خلاف محاذ کھول لیا۔ دو بڑی قوتیں ہمارے خلاف برسرپیکار ہیں۔ قانون اور موت کے سوداگر..... موت کے سوداگروں سے تو شاید ہم نجات حاصل کر لیں لیکن قانون ہمیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اسے ہماری تلاش جاری رہے گی۔"

"قانون کی مجھے پروا نہیں۔" شارق نے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے میں موت کے ان سوداگروں سے دو دو ہاتھ کروں گا جن کی وجہ سے آج ہم اپنے گھر سے ہزاروں میل دور ان بنجر اور ویران پہاڑوں میں ٹھوکریں کھاتے پھر رہے ہیں۔"

"ایک بات کہوں شارق۔" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔

"ہاں کہو۔" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ویسے تم جو کچھ بھی کہہ رہے ہو' مجھے اس پر یقین نہیں آرہا۔" ثمینہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "اٹھنے کو دل نہیں چاہ رہا۔ بڑی تھکن ہو رہی ہے' رات کا باقی حصہ یہیں گزار لیں' صبح آگے چلیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"یقین تو آنے والا وقت دلائے گا۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میرا خیال ہے' اب ہمیں آگے چلنا چاہیے۔"

"اس قبائلی کے کہنے کے مطابق دریا یہاں سے صرف دو میل کے فاصلے پر ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم دریا پر پہنچ کر آرام کریں گے۔ مجھے بہت شدت کی پیاس لگ رہی ہے۔ میں نے دو

دن سے کچھ کھایا بھی نہیں ہے۔"

"کھایا تو ہم نے بھی کچھ نہیں ہے۔" ثمینہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "دریا پر پہنچ کر پیاس تو بجھ سکتی ہے۔"

دس منٹ بعد وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس قبائلی کو محمد عمر نے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا تھا۔ ثمینہ اور شارق کے گھوڑے سب سے پہلے تھے۔ تھوڑی دیر بعد شاہ پری بھی اپنا گھوڑا روک کر ان کے ساتھ مل گئی۔

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آسکی۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ مجھے وہاں چھوڑ کر آگے کیسے چل پڑے تھے؟"

"میں بتاتی ہوں۔" ثمینہ سے پہلے شاہ پری بول پڑی۔ "ہم سب لوگ تو تھکن سے نڈھال گہری نیند سو رہے تھے کہ اچانک پانچ چھ مسلح قبائلیوں نے ہمیں گھیر لیا۔ وہ لوگ اپنے قبیلہ کے لیے ارغوان شہر سے کھانے پینے کا سامان لے کر آرہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ رک گئے۔ خانہ بدوش چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں ان پہاڑوں میں سفر کرتے رہتے ہیں اور یہ لوگ ایک دوسرے کو لوٹتے بھی رہتے ہیں۔ ہمارے بارے میں بھی ان لوگوں کا یہی خیال تھا کہ ہمارے پاس بہت دولت ہوگی لیکن ہم تو کنگلے نکلے۔ ممکن ہے وہ قبائلی ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے لیکن مجھے اور ثمینہ کو دیکھ کر ان کی نیت بدل گئی۔ جوان اور خوبصورت عورت سے زیادہ قیمتی چیز کہاں ہو سکتی ہے۔ انہوں نے ہمیں رائفلوں کی زد پر لے کر اپنے ساتھ چلنے پر مجبور کر دیا۔"

"حیرت ہے۔ یہ سب کچھ ہوا اور مجھے پتہ نہیں چل سکا۔" شارق بولا۔

"تم ہم لوگوں سے کچھ فاصلے پر ایک بڑے پتھر کی آڑ میں سوئے ہوئے تھے اور گہری نیند میں تھے۔ ان قبائلیوں نے بھی تمہیں نہیں دیکھا۔ ثمینہ وغیرہ کا خیال تھا کہ تمہیں بھی جگا دیا جائے لیکن میں نے انہیں منع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اگر تم پیچھے رہ جاؤ گے تو شاید ہماری کچھ مدد کر سکو گے اور میرا یہ خیال درست نکلا۔"

"حیرت ہے۔ میں اتنی گہری نیند سویا رہا اور مجھے اس ہنگامے کا پتہ ہی نہ چل سکا۔" شارق نے کہا۔

"کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"صبح جب میری آنکھ کھلی تو دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔" شارق نے کہا۔ "تم لوگوں کو نہ پا کر میں پریشان ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ تو میرے ذہن میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ شاید تم لوگ مجھے بھول گئے ہو اور سوتا چھوڑ کر چلے گئے ہو۔"

"ہم تمہیں کیسے بھول سکتے ہیں۔ خاص طور پر میں اور ثمینہ۔" شاہ پری مسکرائی۔

"بے شرم۔" ثمینہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"وہ تو میں ہوں۔" شاہ پری ڈھٹائی سے بولی۔ "بہرحال ہم دونوں کے بارے میں ان قبائلیوں کے ارادے خطرناک تھے۔ ان کا تعلق ایک خانہ بدوش قبیلہ سے تھا۔ یہ لوگ سرحد پار کرکے پاکستان بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔ ہیروئن کی اسمگلنگ کے علاوہ یہ لوگ عورتوں کی خرید و فروخت کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ ان کے قبیلے میں پانچ چھ عورتیں ہیں جو انہوں نے مختلف جگہوں سے اٹھائی ہوئی ہیں۔ سرحد پار کرتے ہی یہ لوگ ان عورتوں کو فروخت کر دیں گے۔ ہمارے بارے میں بھی یہ لوگ راستے میں یہی باتیں کر رہے تھے۔"

"لیکن جب ہم لوگ قبیلے میں پہنچے تو ہم دونوں کو دیکھ کر قبیلے کے سردار کی رال ٹپکنے لگی۔ اس نے جشن منانے کا اعلان کر دیا۔ یہ ان کی رسم ہے کہ جب کوئی عورت ان کے قبیلہ میں آتی ہے تو یہ لوگ جشن مناتے ہیں۔ سردار نے یہ بھی اعلان کیا تھا کہ وہ ہم دونوں میں سے کسی ایک سے شادی کرے گا۔ اس کا فیصلہ اس وقت ہوتا جب روسٹ کیے جانے والے بکروں کا گوشت تقسیم ہوتا۔ قرعہ اندازی کی جاتی اور ہم دونوں میں سے جس کا نام نکلتا' اسے سردار کی دلہن بنا دیا جاتا۔ سردار تین دن تک دلہن کو اپنے ساتھ رکھتا' پھر اسے قبیلہ کے دوسرے آدمیوں کے حوالے کر دیا جاتا اور سرحد پار کرنے کے بعد فروخت کر دیا جاتا۔"

"بہت بے غیرت ہیں یہ لوگ۔" شارق بولا۔ "کوئی غیرت مند شخص اپنی دلہن کو کسی دوسرے کے حوالے نہیں کر سکتا۔ اس دنیا میں ایسے بے غیرتوں کی کمی نہیں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"بہرحال ان کا جشن جاری تھا۔ بکرے روسٹ ہو رہے تھے اور تھوڑی دیر بعد ہمارے لیے قرعہ اندازی ہونے والی تھی کہ اچانک خیموں میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ قبائلی اس طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔"

"خیموں میں آگ خود بخود نہیں بھڑکی تھی۔" شارق نے کہا۔ "وہ آگ میں نے لگائی تھی۔ ان کی توجہ ہٹانے کا اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔ وہ لوگ جیسے ہی اس طرف بھاگے میں تم لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔"

"مجھے یقین تھا کہ تم ہماری مدد کو ضرور آؤ گے لیکن تم یہاں تک پہنچے کیسے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"پہلے تو میں تم لوگوں کو ان چٹانوں کے آس پاس ہی ڈھونڈتا رہا۔ پھر مجھے گھوڑے کی لید نظر

آئی۔ سمجھو کہ وہ لید ہی میرے لیے نشانِ راہ ثابت ہوئی اور میں یہاں تک پہنچ گیا لیکن بھوک سے میری بری حالت ہو رہی ہے۔"

"فکر مت کرو ہم نے بھی کچھ نہیں کھایا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

وہ لوگ ایک تنگ سے راستے پر پہنچ گئے تھے۔ تقریباً سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ اس دراڑ نما راستے سے باہر آگئے۔ سامنے ڈھلان تھی اور نشیب میں دریا بہہ رہا تھا۔ مدھم چاندنی میں دریا کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔

آدھے گھنٹے میں وہ دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہ گھوڑے سے اترتے ہی پانی پر ٹوٹ پڑے۔ گھوڑے بھی نجانے کب سے پیاسے تھے' وہ بھی پانی پینے لگے۔ وہ لوگ کچھ دیر وہاں رکے اور پھر دریا پار کرنے کے لیے انہیں تقریباً نصف میل اوپر کی طرف جانا پڑا۔

دریا کے دوسری طرف سبزہ تھا اور درخت تھے۔ وہ لوگ آگے جانے کے بجائے کنارے کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اس قبائلی کے ہاتھ پیر باندھ کر ایک طرف ڈال دیا گیا تھا کیونکہ اندیشہ تھا کہ اگر وہ لوگ سو گئے تو وہ قبائلی بھاگ نہ جائے۔

واقعی سب لوگ سو گئے تھے اور پھر شارق کی آنکھ فائر کی آواز سن کر کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس کے قریب ہی ثمینہ اور شاہ پری سوئی ہوئی تھیں۔ ان سے کچھ فاصلے پر محمد عمر تھا اور اس کے ساتھ وہ قبائلی۔ وہ لوگ بھی فائر کی آواز سن کر اٹھ گئے تھے۔ شارق ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ ایک اور فائر ہوا اور پھر صورتحال اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

وہ نولکھا تھا جو وہاں سے تقریباً سو گز دور دریا کی طرف بھاگ رہا تھا۔ محمد عمر بھی اٹھ کر اس طرف بھاگ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں واپس آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان دونوں نے ایک پہاڑی بکرا اٹھا رکھا تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

دن کی روشنی پھیل چکی تھی لیکن سورج ابھی طلوع نہیں ہوا تھا۔

"کچھ دیر پہلے میری آنکھ کھل گئی تھی۔" نولکھا انہیں بتا رہا تھا۔ "میں نے اس بکرے کو اس طرف آتے ہوئے دیکھا۔ یہ شاید پانی پینے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی۔ میں رائفل اٹھا کر اس کے قریب آنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ حضرت پانی پی کر ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ شاید اپنی موت کی راہ تک رہا تھا۔ میں نے گولی چلا دی جو اس کی ٹانگ میں لگی' یہ زخمی ہو کر بھاگا۔ میں نے دوسرا فائر کیا اور یہ ڈھیر ہو گیا۔ اب یہ ہمارے پیٹ کی آگ بجھائے گا۔"

نولکھا مزے لے لے کر اپنے شکار کی داستان سنا رہا تھا۔ محمد عمر نے تکبیر پڑھ کر بکرے کے گلے پر چھری پھیر دی تھی اور اب وہ اس کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ بکرے کی کھال اتار چکے تھے۔ شارق' ثمینہ اور شاہ پری وغیرہ نے آس پاس سے سوکھی ہوئی لکڑیاں جمع کر لی تھیں۔ اس قبائلی کے ہاتھ پیر کھول دیئے گئے تھے اور لکڑیاں جمع کرنے میں وہ بھی ان کی مدد کر رہا تھا۔ بکرا روسٹ ہونے میں ایک گھنٹہ لگ گیا اور پھر انہوں نے کئی روز بعد پہلی مرتبہ بھنا ہوا گوشت پیٹ بھر کر کھایا تھا۔ ان کا قبائلی قیدی بھی ان کے ساتھ بیٹھا کھا رہا تھا۔

ایک گھنٹے کے بعد وہ لوگ آگے جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ بچا ہوا گوشت انہوں نے ایک کپڑے میں باندھ لیا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ اس گوشت سے دوپہر اور رات کا کام بھی چل جائے گا۔

"وہ دونوں راستے کہاں ہیں جن کا تم نے ذکر کیا تھا؟" شارق نے اس قبائلی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں سے تقریباً آدھا میل آگے ایک چٹان ہے۔" قبائلی نے اشارہ کیا۔ اس چٹان کے دائیں طرف والا راستہ منگروتائی نوائی کی طرف اور بائیں طرف والا راستہ بورمل کی طرف جاتا ہے۔ اب یہ تم لوگوں پر منحصر ہے کہ کونسا راستہ اختیار کرتے ہو۔"

"ہیروئن کی فیکٹریاں کس طرف ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"منگروتائی نوائی کی طرف۔" قبائلی نے جواب دیا۔ "کم از کم تین فیکٹریوں کے بارے میں' میں بھی جانتا ہوں۔ ان خفیہ راستوں سے بھی واقف ہوں جو ان فیکٹریوں تک جاتے ہیں۔"

"لیکن.....ہم تمہیں تو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہے۔" شارق نے کہا۔ "ہم نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ اب تم چاہو تو واپس جا سکتے ہو۔"

"و.....و.....واپس....." قبائلی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ "میں اکیلا ان پہاڑوں میں واپس نہیں جا سکتا۔ بھوک پیاس سے مر جاؤں گا۔ اگر میں اپنے قبیلہ میں واپس پہنچ بھی گیا تو وہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے۔ مم.....مجھے اپنے ساتھ لے چلو.....میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم لوگوں سے غداری نہیں کروں گا اور ایسے راستے سے سرحد پار کرا دوں گا کہ کسی کی نظروں میں نہیں آؤ گے۔ سرحد پار جنوبی وزیرستان میں بھی تم لوگوں کے لیے مددگار ثابت ہو سکتا ہوں۔ مجھے اپنے ساتھ لے چلو' مجھے مرنے کے لیے یہاں مت چھوڑو۔"

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے لگا اور بالآخر یہ طے ہوا کہ مسعود نامی اس قبائلی کو ساتھ لے لیا جائے۔ وہ واقعی ان کے لیے مددگار ثابت ہو سکتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے مسعود کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کو تیار ہیں لیکن اگر تم نے کسی بھی موقع پر کوئی گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو بلا دریغ گولی مار دی جائے گی۔"

"مجھے اپنی جان عزیز ہے۔ میں کوئی گڑبڑ نہیں کروں گا۔" مسعود نے کہا۔ شارق نے اسے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا اور وہ آگے روانہ ہو گئے۔ اس چٹان تک پہنچنے میں انہیں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

"منگروتائی نوائی کا راستہ کونسا ہے؟" شارق نے مسعود سے پوچھا۔

"یہ اس طرف۔" مسعود نے ایک طرف اشارہ کیا۔

انہوں نے گھوڑے اسی طرف موڑ دیئے۔ کچھ دیر تک تو وہ ایک کشادہ وادی میں چلتے رہے' پھر پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے' راستہ دشوار ہوتا جا رہا تھا۔ کئی جگہوں پر تو انہیں گھوڑوں سے اتر کر پیدل چلنا پڑا تھا۔

دوپہر کو وہ ایک جگہ پر رک گئے۔ یہاں چند درخت بھی تھے اور ایک چھوٹی سی ندی بھی۔ انہوں نے آگ جلا کر بچا کھچا گوشت گرم کر کے کھایا اور آرام کرنے کے لیے ادھر ادھر لیٹ گئے۔

"ان پہاڑوں کے پیچھے منگروتائی کی طرف جانے والا راستہ ہے۔" مسعود نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہیروئن بنانے کی وہ تینوں فیکٹریاں بھی اسی طرف ہیں جن کے بارے میں' میں جانتا ہوں۔ وہاں اور فیکٹریاں بھی ہوں گی' انہیں تلاش کرنا پڑے گا۔"

تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ مختصر سی وادی عبور کر کے وہ ایک بار پھر پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ اس سے آگے وہ زیادہ فاصلہ طے نہیں کر سکے۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور راستہ بے حد خطرناک تھا۔ مسعود کے مشورے پر انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا کیونکہ اس کے کہنے کے مطابق آگے کئی میل تک پڑاؤ کی جگہ بھی نہیں تھی۔ ایک جگہ ایک چھوٹا سا جھرنا بھی بہہ رہا تھا۔ اس کی نظریں چٹان پر تقریباً بیس فٹ اوپر ایک جگہ جم گئی تھیں' وہ کسی غار کا دہانہ تھا۔

غار تک براہ راست پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ چٹان کسی دیوار کی طرح بالکل عمودی تھی۔ اس پر چڑھنا ممکن نہیں تھا۔ شارق ادھر ادھر دیکھتا ہوا تقریباً دس گز آگے چٹان میں واقع ایک تنگ سی دراڑ میں گھس گیا۔ چٹان میں بل کھاتی ہوئی وہ دراڑ غار کے دہانے تک چلی گئی تھی۔ یہ تنگ سی دراڑ بتدریج بلندی کی طرف چلی گئی تھی۔ وہ اس پر چڑھتا رہا۔ دہانے سے چند فٹ پہلے وہ کھلی

جگہ پر آگیا تھا۔

تقریباً چار فٹ چوڑی پٹی تھی جو چٹان سے باہر کو نکلی ہوئی تھی۔ وہ اس پٹی پر چلتا ہوا غار کے سامنے پہنچ گیا۔ غار کے سامنے آٹھ دس فٹ چوڑی جگہ تھی۔

سورج ابھی پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا۔ روشنی غار کے اندر بھی پہنچ رہی تھی۔ شارق غار کے دہانے پر پہنچ گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ غار کے دہانے کے اندر کی طرف جلی ہوئی لکڑیاں' راکھ اور کوئلے پڑے ہوئے تھے جس کا مطلب تھا کہ یہ غار رہائش کے لیے استعمال ہوتا رہا تھا۔ پتھروں کو جوڑ کر چولہا بنایا گیا تھا جس کا مطلب تھا کہ یہاں کھانا وغیرہ بھی بنایا گیا تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ایک اور بات شارق کی سمجھ میں آئی تھی کہ یہ غار رہائش کے لیے محفوظ تھا اور اس کے اندر سانپ یا بچھو وغیرہ نہیں تھے۔

غار کافی کشادہ تھا۔ اس میں دس بارہ آدمی بیک وقت رہ سکتے تھے۔ دیواریں دھوئیں سے کالی ہو رہی تھیں اور غار کے اندر بعض ایسی چیزیں بکھری ہوئی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان سے پہلے جو لوگ اس غار میں آئے تھے' وہ کئی روز رہے تھے۔

شارق غار سے نکل کر سامنے والے چبوترے کے کنارے پر آگیا۔ بیس بائیس فٹ نیچے کھلی جگہ پر اس کے ساتھی موجود تھے۔ بلندی اگرچہ زیادہ نہیں تھی لیکن نیچے جھانکتے ہوئے عجیب سا خوف محسوس ہوتا تھا۔ نولکھا ایک پتھر سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اس کے قریب ہی ثمینہ اور شاہ پری لیٹی ہوئی تھیں۔ محمد عمر اور مسعود ان سے کچھ دور بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ شارق نے نولکھا کو آواز دی تو سب لوگ سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگے۔

"ارے! تم اس غار تک کیسے پہنچ گئے؟" ثمینہ نے کہا۔

"اس طرف ایک تنگ سی دراڑ ہے۔ وہیں سے اوپر آنے کا راستہ ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہ غار کافی کشادہ ہے۔ یہاں پہلے بھی کچھ لوگ رہ کر جا چکے ہیں۔ جلی ہوئی لکڑیاں اور کوئلے بکھرے ہوئے ہیں۔ تم لوگ بھی چاہو تو اوپر آسکتے ہو۔"

"ہم تو یہیں ٹھیک ہیں۔ ان دونوں کو اپنے پاس بلا لو۔ رات آرام سے گزر جائے گی۔" نولکھا نے کہا اور ثمینہ اور شاہ پری سے کچھ کہنے لگا۔

کچھ ہی دیر بعد ثمینہ اور شاہ پری وہاں سے اٹھ کر دراڑ کی طرف جا رہی تھیں۔ دس منٹ بعد وہ دونوں غار کے دہانے کے سامنے پہنچ گئیں اور شارق کے قریب ہی بیٹھ گئیں۔

شارق کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ وہ دونوں اس کی چاہنے والی تھیں۔ ان دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے حسد و رقابت کی آگ جل رہی تھی۔ ایک موقع پر وہ ان

دونوں کی لڑائی دیکھ چکا تھا اور شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ فی الوقت بظاہر دونوں ایک دوسرے سے پیار و محبت سے باتیں کرتی تھیں اور بظاہر یہی لگتا تھا کہ ان میں سگی بہنوں جیسی محبت ہے لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ لاوا اندر ہی اندر پک رہا ہے اور جب آتش فشاں پھٹے گا تو اہل پڑنے والا یہ لاوا سب کچھ اپنے ساتھ بہا لے جائے گا۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ شارق نے اپنی جگہ سے اٹھ کر چبوترے سے نیچے جھانکا' نیچے خاموشی تھی جس کا مطلب تھا کہ نولکھا وغیرہ سو چکے تھے۔ وہ چبوترے سے اٹھ کر غار کے اندر آگیا۔ دہانے کے قریب غار کے اندر کی طرف وہ تھوڑی سی جگہ صاف کر چکا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی اس کے ساتھ ہی غار کے اندر آگئی تھیں۔ وہ تینوں دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

انہوں نے دن بھر گھوڑوں کی پیٹھ پر سواری کی تھی۔ تھکن کے باوجود انہیں نیند نہیں آرہی تھی۔ وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شارق کو نیند نہ آنے کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی۔ اگر وہ الگ الگ ہوتے تو کب کے سو چکے ہوتے لیکن اس کی دونوں چاہنے والیاں اس کے قریب بیٹھی ہوئی تھیں۔ اس صورتحال میں ان دونوں میں سے کس کو نیند آسکتی تھی اور شارق کو نیند اس لیے نہیں آرہی تھی کہ اس کے دل میں یہ خوف تھا کہ وہ دونوں آپس میں لڑنا شروع نہ کر دیں۔ ویرانے میں وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا لیکن شارق کے خیال میں رات اپنا نصف سفر طے کر چکی تھی۔ بالآخر اسے جمائیاں آنے لگیں۔ اس نے ٹانگیں پھیلا لیں اور نیم دراز ہو کر آنکھیں موند لیں۔

شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر سویا تھا لیکن گھوڑے کی ہنہناہٹ کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس نے بدحواس ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اور شاہ پری ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر سو رہی تھیں۔ گھوڑے کی ہنہناہٹ نے ان کی نیند میں خلل نہیں ڈالا تھا۔ شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر رینگتا ہوا غار سے باہر آگیا اور چبوترے کے کنارے پر رک کر نیچے جھانکنے لگا۔ اسے فوراً ہی اندازہ ہو گیا تھا جیسے نیچے کسی قسم کی دھینگا مشتی ہو رہی ہو۔

"نولکھا۔" شارق نے پکارا۔ "کیا ہوا..... یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ہونا کیا ہے شارق باؤ۔" نیچے سے نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "بچھو کبھی ڈنک مارنے سے باز نہیں آسکتا۔ یہ قبائلی جسے تم اپنے ساتھ لے آئے تھے' گھوڑا چرا کر بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتفاق سے میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اسے پکڑ لیا۔"

"میں آرہا ہوں نیچے۔" شارق بولا۔

"نہیں۔ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "محمد عمر نے اسے قابو

میں کر رکھا ہے۔ ابھی اس کا بندوبست ہو جاتا ہے۔"

شارق دوسری طرف دیکھنے لگا۔ محمد عمر اور مسعود ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ وہ دونوں چٹان کے کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ تاریکی میں یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ ان دونوں میں مسعود کون تھا اور محمد عمر کون۔

لیکن دفعتاً ایک آدمی نے دوسرے کو اچھال کر چٹان سے نیچے پھینک دیا۔ شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ چیخ بڑی خوفناک تھی۔

"یہ.....یہ.....کون گرا ہے؟" شارق نے چیخ کر پوچھا۔

"خس کم جہاں پاک۔" نولکھا کی آواز سنائی دی۔ "وہ قبائلی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ تم آرام سے سو جاؤ۔ صبح بات ہوگی۔"

لیکن ظاہر ہے شارق آرام سے نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہوا چٹان سے نیچے آگیا۔ محمد عمر ہانپ رہا تھا اور نولکھا اس کے قریب کھڑا تھا۔

"کیا ہوا محمد عمر.....تم ٹھیک تو ہو نا؟" شارق نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں شارق بھائی۔ تم فکر مت کرو۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

"ہوا کیا تھا؟" شارق بولا۔ "وہ واقعی بھاگ رہا تھا یا تم لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی۔"

"غلط فہمی نہیں ہوئی تھی شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "آہٹ سن کر اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی تھی۔ اس وقت مسعود دبے قدموں اس طرف جا رہا تھا۔ میں سمجھا شاید پیشاب وغیرہ کرنے جا رہا ہے لیکن وہ ایک گھوڑے کی رسی کھولنے لگا تو مجھے شک ہوا۔ اسی وقت گھوڑا بھی ہنہنانے لگا۔ میں نے محمد عمر کو جگا دیا اور ہم دونوں نے مسعود کو پکڑ لیا۔ میں تو پیچھے ہٹ گیا۔ محمد عمر نے اسے جہنم میں پہنچا دیا۔"

شارق اس چٹان کے کنارے پر آگیا۔ دوسری طرف سینکڑوں فٹ گہرا کھڈ تھا جس میں محمد عمر نے مسعود کو اچھال کر پھینکا تھا۔ نیچے پتھروں پر گر کر اس میں کچھ بھی نہیں بچا ہوگا۔

"جاؤ شارق باؤ۔ تم سو جاؤ" نولکھا نے کہا۔

شارق دوبارہ غار میں آگیا۔ ثمینہ اور شاہ پری گہری نیند سو رہی تھیں۔ شارق اپنی جگہ پر آکر لیٹ گیا۔ کچھ دیر تک وہ مسعود کے بارے میں سوچتا رہا' پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

اپنے سینے پر بوجھ محسوس کرکے شارق کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ شاہ پری اس پر لدی ہوئی تھی۔ شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ ثمینہ گہری نیند سو رہی تھی۔ اس نے دوسری طرف دیکھا۔ غار کے باہر بہت ہلکا سا اجالا نظر آرہا تھا جس کا مطلب تھا کہ

دن طلوع ہونے والا ہے۔

"شاہ پری۔" شارق کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ "دن نکلنے والا ہے۔ اگر ثمینہ کی آنکھ کھل گئی تو قیامت ہی آجائے گی۔"

"اس کی تم پروا مت کرو۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "ہم نے سمجھوتہ کر لیا ہے۔ نہ وہ میرے معاملے میں مداخلت کرے گی اور نہ میں اس کے معاملے میں دخل دوں گی۔ وہ جاگ بھی گئی تو اپنی آنکھیں بند رکھے گی۔"

"کیا.....؟" شارق کو یوں لگا جیسے اس کے سر پر ایٹم بم پھٹا ہو۔ "یعنی..... یعنی.....تم دونوں نے طے کر لیا ہے کہ....."

"ہاں.....تم ہماری مشترکہ پراپرٹی ہو۔" شاہ پری مسکرائی۔

"تمہارا مطلب ہے.... ففٹی ففٹی....." شارق ہکلایا۔

"ہاں۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "اگر ہم دونوں لڑتی رہیں تو نہ تم میرے ہاتھ آؤ گے نہ ثمینہ کے۔ اس لیے ہم نے ففٹی ففٹی پر ہی سمجھوتہ کر لیا ہے۔"

ٹھیک اسی وقت ثمینہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے اوپر گر گئی۔ شارق کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

شارق کے لیے یہ صورتحال واقعی خطرناک تھی۔ ان دونوں لڑکیوں نے اسے بانٹ لیا تھا۔ اپنی محبت میں ایک دوسری کو حصہ دار بنا لیا تھا اور یہ شارق کے لیے حیرت انگیز بات تھی۔ اس کا علم تو یہ کہتا تھا کہ دنیا کی کوئی عورت کسی دوسری عورت کو اپنی محبت میں حصے دار نہیں بنا سکتی۔ عورت تو اپنے محبوب کے نام کے ساتھ کسی دوسری عورت کا نام سننا بھی برداشت نہیں کر سکتی اور یہاں صورتحال یہ تھی کہ دو عورتوں نے ایک مرد کی محبت پر سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اسے ساجھے کی جائیداد بنا لیا تھا لیکن شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ سمجھوتہ زیادہ عرصہ تک نبھ نہ سکے گا۔ وہ ثمینہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ثمینہ نے اس کے لیے اس کی محبت کے لیے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ کی دوسری عورت کو کیسے برداشت کر سکتی تھی۔ دوسری طرف وہ شاہ پری کو بھی دیکھ چکا تھا۔ اس کی محبت میں پہاڑی ندی جیسی تندی تھی۔ طوفانی انداز تھا اس کا۔ اس نے بھی شارق کی خاطر بہت کچھ کیا تھا۔ چھ پولیس والوں کو کھڑے کھڑے گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔

شارق اندازہ لگا سکتا تھا کہ ساجھے کی اس محبت کا انجام کیا ہوگا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ وہ دونوں لڑکیاں مفاہمت کا راستہ اختیار کرکے ایک دوسرے کو دھوکا دے رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے موقع کی تلاش میں تھیں۔

شارق یہ سب کچھ سوچتے ہوئے سو گیا تھا اور پھر اس کی آنکھ فائر کی آواز سے ہی کھلی تھی۔ اس نے ہڑبڑا کر ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ غار میں موجود نہیں تھی۔ البتہ شاہ پری اس کی ٹانگ پر سر رکھے سو رہی تھی۔ شارق نے بڑی آہستگی سے اس کا سر ہٹایا اور غار کے دہانے پر آگیا۔

باہر ہر طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ وہ غار سے نکل کر چبوترے پر آگیا اور نیچے جھانکنے لگا۔ نولکھا اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔

"گولی کس نے چلائی تھی اور ثمینہ اور محمد عمر کہاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ دونوں کسی شکار کی تلاش میں گئے تھے۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "گولی کی آواز تو میں نے سنی ہے۔ اب پتہ نہیں ثمینہ نے محمد عمر کو شکار کیا ہے یا محمد عمر نے ثمینہ کو شکار کیا ہے یا انہوں نے کسی پہاڑی بکرے کو شکار کیا ہے۔"

"محمد عمر قابل اعتماد آدمی ہے۔ وہ ثمینہ کو شکار نہیں کر سکتا۔ انہوں نے یقیناً کوئی بکرا ہی شکار کیا ہوگا۔" شارق نے کہا اور آہٹ سن کر پیچھے مڑ گیا۔

شاہ پری آنکھیں ملتی ہوئی غار سے باہر آگئی۔ شارق کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر اسے لے کر اسی دراڑ والے راستے سے ہوتا ہوا نیچے آگیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد ثمینہ اور محمد عمر بھی آگئے۔ وہ دونوں ایک مارخور کو ٹانگوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لا رہے تھے۔ مارخور کو گولی بھی لگی تھی اور محمد عمر نے اسے بھی ذبح کر ڈالا تھا۔

محمد عمر اور نولکھا بکرے کی کھال اتارنے لگے اور شارق، ثمینہ اور شاہ پری لکڑیاں جمع کرنے کے لیے چلے گئے۔ انہیں واپسی میں آدھا گھنٹہ لگا تھا۔ وہ اتنی لکڑیاں جمع کر لائے تھے کہ پورا بکرا آسانی سے روسٹ کیا جا سکتا تھا۔ محمد عمر اور نولکھا بکرے کی کھال اتار چکے تھے۔ محمد عمر اپنے چاقو سے بکرے کے ٹکڑے کاٹتے ہوئے بتا رہا تھا کہ مارخور دراصل پہاڑی بکرا ہی ہوتا ہے۔ یہ سانپ کا بدترین دشمن ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس جگہ اس کی کھال کا چھوٹا سا ٹکڑا بھی موجود ہو، سانپ اس کے آس پاس بھی نہیں پھٹکتا۔

بکرے کا گوشت ایک گھنٹے سے پہلے تیار نہیں ہو سکا تھا۔ اس وقت تک دھوپ تیز ہو گئی تھی اور کھلی جگہ پر بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ لوگ بھنا ہوا گوشت اٹھا کر غار میں آگئے۔

ان کا پروگرام یہ تھا کہ پیٹ بھرنے کے بعد یہاں سے رخصت ہو جائیں گے لیکن پیٹ بھرتے ہی ان پر سستی سی طاری ہونے لگی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ فی الحال یہیں آرام کیا جائے۔ دوپہر کے بعد یہاں سے چلا جائے۔ دوپہر تک وہ سب لوگ غار میں بے خبر سوتے رہے۔ اس دوران اگر ان کا کوئی دشمن آکر ان کے گلے بھی کاٹ جاتا تو انہیں پتہ نہ چلتا۔ دوپہر کو جاگ جانے

کے بعد بھی ان پر سستی سی طاری رہی اور وہ اس کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہاں سے رخصت ہو سکے تھے۔

وہ لوگ رکے بغیر چلتے رہے۔ شام سے کچھ پہلے انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔ سورج غروب ہونے والا تھا اور آگے راستہ خطرناک تھا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد سفر کرنا خطرناک تھا۔ کھانا انہوں نے اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی کھا لیا تھا۔ بچا ہوا گوشت صبح کے لیے سنبھال کر رکھ لیا گیا۔ وہ سب ایک جگہ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ شاہ پری اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ پھر اچانک" وہ رک گئی اور دائیں طرف نشیب میں دیکھنے لگی۔ نشیب میں ایک جگہ روشنی نظر آرہی تھی۔ ایک ہی بلب تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس ایک بلب کے علاوہ دور دور تک روشنی کا نام و نشان نہیں تھا۔

شاہ پری الجھن میں پڑ گئی۔ اگر وہاں کوئی آبادی ہوتی تو کچھ اور روشنیاں بھی ہوتیں لیکن صرف ایک ہی روشنی تھی اور یہ روشنی بھی بلب کی تھی۔ اسے اس بات پر بھی حیرت ہو رہی تھی کہ ان پہاڑوں میں جہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا، وہ اکلوتا بلب کیسے جل رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑی نشیب میں دیکھتی رہی، پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آگئی اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ان پہاڑوں میں ایک ایسی چیز دیکھ کر آئی ہوں جس کے بارے میں سن کر تم حیران ہو جاؤ گے۔"

"ان پہاڑوں میں شیر تو ہوتے نہیں، تم نے کیا چیز دیکھ لی ہے؟" شارق بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" شاہ پری نے اشارہ کیا اور شارق کو اپنے ساتھ چٹان کے کنارے پر لے گئی۔ "وہ روشنی دیکھ رہے ہو۔" اس نے اشارہ کیا۔

"کوئی بلب جل رہا ہے۔ غالباً کوئی بستی ہوگی۔" شارق نے کہا۔

"افغانستان ایک پسماندہ ملک ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"روسیوں کے چھوڑے ہوئے اسلحہ اور غربت اور افلاس کے علاوہ یہاں ہر چیز کی کمی ہے۔ یہاں بڑی بڑی بستیوں اور قصبوں میں بجلی نہیں ہے۔ افغانستان کی آدھی سے زیادہ آبادی نہیں جانتی کہ بجلی ہوتی کیا ہے۔ ہم اس وقت آبادی سے میلوں دور بنجر اور ویران پہاڑوں میں ہیں لیکن یہاں سے کچھ فاصلے پر جلتا ہوا وہ بجلی کا بلب....."

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ مسعود نامی اس قبائلی نے بتایا تھا کہ پاکستان کی سرحد کے آس پاس ان

پہاڑوں میں جہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا' وہ اکلوتا بلب کیسے جل رہا تھا۔

وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑی نشیب میں دیکھتی رہی' پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آگئی اور شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ان پہاڑوں میں ایک ایسی چیز دیکھ کر آئی ہوں جس کے بارے میں سن کر تم حیران ہو گے۔"

"ان پہاڑوں میں شیر تو ہوتے نہیں' تم نے کیا چیز دیکھ لی ہے؟" شارق بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" شاہ پری نے اشارہ کیا اور شارق کو اپنے ساتھ چٹان کے کنارے پر لے آئی۔ "وہ روشنی دیکھ رہے ہو۔" اس نے اشارہ کیا۔

"کوئی بلب جل رہا ہے۔ غالباً کوئی بستی ہوگی۔" شارق نے کہا۔

"افغانستان ایک پسماندہ ملک ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"روسیوں کے چھوڑے ہوئے اسلحہ اور غربت اور افلاس کے علاوہ یہاں ہر چیز کی کمی ہے۔ یہاں بڑی بڑی بستیوں اور قصبوں میں بجلی نہیں ہے۔ افغانستان کی آدھی سے زیادہ آبادی نہیں جانتی کہ بجلی ہوتی کیا ہے۔ ہم اس وقت آبادی سے میلوں دور بنجر اور ویران پہاڑوں میں ہیں لیکن ہم سے کچھ فاصلے پر جلتا ہوا وہ بجلی کا بلب....."

"کیا کہنا چاہتی ہو؟" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہیں یاد ہوگا کہ مسعود نامی اس قبائلی نے بتایا تھا کہ پاکستان کی سرحد کے آس پاس ان پہاڑوں میں ہیروئن کی فیکٹریاں ہیں اور....."

"سمجھ گیا۔" شارق نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ "تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہاں ہیروئن کی کوئی فیکٹری ہے۔"

"ہاں۔" شاہ پری نے اثبات میں سر ہلایا۔ "لیکن ضروری نہیں کہ میرا خیال درست ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس طرف واقعی کوئی بستی ہو اور نشیب ہونے کی وجہ سے دوسری روشنیاں نہ آرہی ہوں لیکن ان پہاڑوں میں بجلی کی موجودگی والی بات اب بھی میرے حلق سے نہیں رہی اور پھر وہ روشنی یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے آدھا میل کا فاصلہ ہوگا۔"

"شاید۔" شارق بولا۔ "چیک کرنا پڑے گا۔"

نوکھا اور محمد عمر بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب آگئے تھے اور وہ بھی اس اکلو روشنی کو دیکھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے تم لوگ یہیں بیٹھو۔ میں اور محمد عمر جا کر دیکھتے ہیں کہ وہ روشنی کیسی ہے

"شارق۔" اس نے سرگوشی کی۔ "یہ.....یہ آواز سن رہے ہو؟"

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "میرا خیال ہے کوئی جنریٹر چل رہا ہے۔ اگر یہاں واقعی ہیروئن کی کوئی فیکٹری کام کر رہی ہے تو ہمیں بہت احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ آس پاس کوئی موجود ہو سکتا ہے۔"

"ابھی تک کوئی نظر نہیں آیا۔ احتیاط سے آگے چلتے رہو۔" شاہ پری بولی۔

وہ تینوں ایک بار پھر آگے چلنے لگے۔ تینوں نے رائفلیں تان رکھی تھیں۔ ایک لمحے کے نوٹس پر وہ فائرنگ شروع کر سکتے تھے۔ وہ ایک تنگ سے راستے پر مسلسل نشیب سے اتر رہے تھے۔ دفعتاً شارق رک گیا۔ اس نے ہاتھ سے اپنے ساتھیوں کو بھی رکنے کا اشارہ کیا۔

تقریباً دس گز آگے ایک پتھر پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا اور وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ اگر وہ سگریٹ نہ پی رہا ہوتا تو اس کی موجودگی کا پتہ نہیں چل سکتا تھا۔ چند سیکنڈ پہلے اس نے سگریٹ کا کش لگایا تھا اور سگریٹ کی مدھم سی روشنی سے ہی شارق کو اس آدمی کے بارے میں پتہ چلا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں آگے جا کر اس آدمی کو قابو میں کرتا ہوں۔" محمد عمر نے شارق اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہوشیار رہنا۔" شارق نے بھی سرگوشی کی۔ "اس کے منہ سے آواز نہیں نکلنی چاہیے۔ اگر اس نے شور مچا دیا تو گڑبڑ ہو جائے گی۔"

"فکر مت کرو۔" محمد عمر بولا۔ "اسے ہونٹ کھولنے کا بھی موقع نہیں مل سکے گا۔"

محمد عمر نے اپنی رائفل وہیں رکھ کر چاقو نکال لیا اور بڑے محتاط انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا اس پتھر کی طرف بڑھنے لگا جس پر وہ شخص بیٹھا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ شارق اور شاہ پری اپنی اپنی رائفل سنبھالے تیار کھڑے تھے۔

محمد عمر بہت محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ پتھر کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ وہ شخص چادر اوڑھے بیٹھا تھا اور وقفے وقفے سے سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے قریب ہی پتھر پر ایک اے کے فورٹی سیون رائفل بھی رکھی ہوئی تھی۔ محمد عمر پتھر کے قریب رک گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ چیتے کی طرح چھلانگ لگا کر پتھر پر پہنچ گیا۔

پتھر پر بیٹھا ہوا وہ شخص چونک کر مڑا مگر محمد عمر نے اسے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے ایک بازو اس کی گردن کے گرد لپیٹ دیا اور دوسرے ہاتھ سے چاقو کی نوک اس کی شہ رگ سے لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

"تمہارے منہ سے کوئی آواز نکلی تو گلا کاٹ دوں گا۔ خاموشی سے نیچے اتر چلو۔"

یہ جملہ اس نے پشتو زبان میں کہا تھا اور اس شخص نے محمد عمر کی بات اچھی طرح سمجھ تھی۔

"کون ہو تم؟" اس شخص کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔ "تم جو کوئی بھی ہو، یہ سے زندہ بچ کر نہیں جا سکو گے۔"

"ابھی تو تمہاری زندگی میرے رحم و کرم پر ہے۔ خاموشی سے نیچے اترو۔" محمد عمر نے کہا۔

وہ شخص بیٹھے بیٹھے گھوم کر پتھر سے نیچے اترنے لگا۔ محمد عمر نے اس کی گردن چھوڑ کر پھرتی سے پتھر پر پڑی ہوئی کلاشنکوف اٹھا لی تھی لیکن چاقو کی نوک اس نے اس شخص کی گر سے لگائے رکھی تھی۔

محمد عمر اس شخص کو لے کر شارق اور شاہ پری کے قریب آگیا۔ ان دونوں کو دیکھ کر اس شخص کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ان دونوں نے اسے رائفلوں کی زد پر لے لیا تھا۔ محمد عمر نے چاقو جیب میں ڈال لیا اور اپنی رائفل بھی اٹھا لی۔

وہ تینوں اس شخص کو رائفلوں کی زد پر لیے اپنے پڑاؤ پر آگئے۔

"تم لوگ جو بھی ہو، بچ کر نہیں جا سکو گے۔ ان پہاڑوں پر چاروں طرف ہمارے آدمی مو ہیں۔" اس شخص نے کہا۔

"ہم یہاں تک آئے ہیں تو واپس بھی چلے جائیں گے۔" شارق نے ٹوٹی پھوٹی پشتو میں

"تم اپنی فکر کرو اور یہ بتاؤ کہ وہاں بیٹھے کیا کر رہے تھے؟"

"وہاں کیا کام ہو رہا ہے؟"

"تم لوگ خود کیوں نہیں معلوم کر لیتے؟" اس شخص نے جواب دیا۔

"وہ تو ہم کر ہی لیں گے لیکن اس سے پہلے تم سے کچھ باتیں معلوم کرنا ضروری ہے۔" عمر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ہمیں معلوم ہے کہ وہاں ہیروئن کی فیکٹری کام کر ہے۔ تم سے ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت وہاں کتنے آدمی ہیں؟"

"تم لوگ مجھ سے کچھ بھی معلوم نہیں کر سکو گے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"ہم نے تو پتھروں کو بھی زبان کھولنے پر مجبور کر دیا ہے، تم تو انسان ہو۔ ابھی کچھ دیر میں فرفر بولنے لگو گے۔" محمد عمر نے کہا اور جیب سے رومال نکال کر بڑی پھرتی سے اس شخص کے میں ٹھونس دیا اور پھر اسی شخص کی چادر سے ایک پٹی سی پھاڑ کر اس کے منہ پر باندھ دی رومال باہر نہ نکل سکے۔

شارق اور نولکھا وغیرہ خاموش کھڑے یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ محمد عمر نے ایک بار پھر جیب سے چاقو نکال لیا اور نوک اس شخص کے گال پر رکھتے ہوئے بولا۔

"میں نے تمہارا منہ اس لیے بند کیا ہے کہ تم چیخ نہ سکو۔ تمہارے ہاتھ پیر کھلے چھوڑ دیئے ہیں۔ اگر تم چاہو تو اپنا دفاع کر سکتے ہو۔ اس دور ان اگر تم ہماری باتوں کا جواب دینا چاہو تو سر ہلا دینا۔"

اس نے چاقو کی نوک سے ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ اس شخص نے اچانک ہی محمد عمر کے ہاتھ پر ہاتھ مار دیا۔ اس طرح چرکا لگنے سے اس کے گال پر چٹھکا سا لگ گیا اور خون رسنے لگا۔

محمد عمر نے چاقو پھینک دیا اور ایک زوردار گھونسہ اس کی کھوپڑی پر رسید کر دیا۔ وہ شخص لڑکھڑا کر پیچھے گرا۔ محمد عمر نے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔

اس شخص کا صرف منہ بندھا ہوا تھا، ہاتھ پیر کھلے ہوئے تھے۔ وہ بھی بھرپور انداز میں اپنا دفاع کر رہا تھا لیکن محمد عمر شروع ہی سے اس پر حاوی ہو گیا تھا۔

زمین پر دھینگا مشتی کرتے ہوئے چاقو ایک بار پھر محمد عمر کے ہاتھ میں آگیا۔ اس نے چاقو کی نوک اس شخص کی شہ رگ پر رکھ دی۔ پہلے ایک ہلکا سا چرکا دیا، کھال کٹ گئی اور خون رسنے لگا۔

"میں تمہارا گلا کاٹ دوں گا۔ بتاؤ زبان کھولو گے یا نہیں؟" محمد عمر غرایا۔

اس شخص نے سر کو ہولے سے حرکت دی۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ محمد عمر نے اس کے گلے سے چاقو ہٹا لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ چاقو کی نوک سے اس نے اس شخص کے منہ پر بندھی ہوئی پٹی کھول دی اور منہ میں ٹھنسا ہوا رومال بھی نکال دیا اور اسے زوردار ٹھوکر رسید کرتے ہوئے غرایا۔

"بتاؤ وہاں کتنے لوگ ہیں اور کیا ہو رہا ہے؟"

"وہاں.....وہاں.....تین آدمی اور ہیں۔" وہ شخص اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "ہیروئن کی یہ لیبارٹری خان عبدالقدوس کی ملکیت ہے۔ یہاں کی حکومت اب تک اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی تو تم لوگ کیا کر لو گے؟ تم لوگ ان پہاڑوں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔"

"اس لیبارٹری میں کتنی ہیروئن تیار ہوتی ہے اور یہ ہیروئن کہاں جاتی ہے؟" یہ سوال شارق نے کیا تھا۔

"روزانہ سینکڑوں کلو ہیروئن تیار ہوتی ہے جو سرحد پار پہنچا دیجاتی ہے۔ اس میں سے کچھ ہیروئن پاکستان ہی کے مختلف علاقوں میں کھپا دی جاتی ہے اور کچھ دوسرے ملکوں کو بیچ دی جاتی۔

ہے۔"

"کیا اس وقت بھی وہاں ہیروئن تیار ہو رہی ہے؟" شارق نے پوچھا۔ "نہیں۔" اس شخص نے نفی میں سر ہلایا۔ "لیکن کام شروع کرنے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ آج رات افیون کی ایک بہت بڑی کھیپ یہاں پہنچنے والی ہے۔ اس افیون سے پہلے مارفین بنائی جائے گی اور اس کے بعد ہیروئن کی تیاری کا مرحلہ آئے گا۔"

"کیا لیبارٹری میں تیار ہیروئن بھی موجود ہے؟" شارق نے سوال کیا۔

"ہاں.....اس وقت وہاں تقریباً دو ہزار کلو تیار ہیروئن موجود ہے۔ جو لوگ آج رات افیون کی کھیپ لے کر آئیں گے' وہی لوگ یہ تیار ہیروئن یہاں سے لے جائیں گے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"افیون کی مقدار کتنی ہے اور وہ لوگ کس وقت یہاں پہنچیں گے؟" شارق نے ایک اور سوال کیا۔

"ڈیڑھ ہزار گرام۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "وہ لوگ دس بجے کے قریب یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"کیا لیبارٹری تک آنے کے لیے گاڑی کا راستہ بھی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم لوگ پیدل آتے جاتے ہیں اور مال لانے' لے جانے کے لیے گدھے استعمال ہوتے ہیں۔ اس وقت تین آدمی ان گدھوں کے ساتھ ہوں گے۔"

"اس علاقے میں اور کتنی لیبارٹریاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"چار....." اس شخص نے جواب دیا۔ "ایک خان عبدالقدوس کی لیبارٹری ہے اور تین اور ہیں لیکن تم لوگ کون ہو؟ کیا تمہارا تعلق کسی ایجنسی سے ہے؟"

"ہاں' یہی سمجھ لو۔" شارق نے کہا۔ "افیون کی کھیپ کس راستے سے آئے گی؟"

"جس جگہ میں بیٹھا ہوا تھا' وہاں دوسری طرف تقریباً دس گز نیچے ایک تنگ سا راستہ ہے۔ لیبارٹری تک آنے جانے کے لیے وہی راستہ استعمال کیا جاتا ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"تم نے بتایا تھا کہ وہ لوگ دس بجے کے قریب یہاں پہنچیں گے۔ تمہارے ہاتھ پر گھڑی بندھی ہوئی ہے۔ اس وقت کیا بجا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

اس شخص کی کلائی پر الیکٹرونک گھڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس نے بٹن دبا کر ننھا سا بلب روشن کیا اور پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آٹھ بجے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے سر ہلا دیا۔ "ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہم لیبارٹری میں موجود آدمیوں کا بندوبست کر لیں گے اور جب وہ لوگ افیون لے کر یہاں پہنچیں گے تو ان سے بھی نمٹ لیا جائے گا۔"

"تم لوگ خوش فہمی میں مبتلا ہو۔" اس شخص نے کہا۔ "تم لوگ جو کچھ سوچ رہے ہو' اس پر عمل کرنا اتنا آسان نہیں ہے۔"

"عمل کرنا مشکل بھی ہو تو کوئی بات نہیں۔ ہم لوگ مشکلوں کے عادی ہو چکے ہیں۔" شارق نے کہا۔ پھر محمد عمر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "عمر اس کا بندوبست کرو۔"

محمد عمر نے اس شخص کی چادر پھاڑ کر پہلے لمبی لمبی پٹیاں بنائیں' پھر انہیں رسی کی طرح بٹ لیا اور اس شخص کے ہاتھ پیر باندھ کر اسے ایک طرف ڈال دیا۔ اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔

"تم دو تین گھنٹے یہاں آرام کرو۔ واپس آکر ہم تمہیں کھول دیں گے۔" شارق نے کہا اور اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "گھوڑے یہیں چھوڑ دو۔ ہم لوگ دو تین گھنٹوں میں واپس آجائیں گے۔"

وہ لوگ اپنی اپنی رائفلیں اٹھا کر چل پڑے۔ سب سے آگے محمد عمر تھا۔ اس کے پیچھے شارق' پھر دونوں لڑکیاں اور آخر میں نولکھا۔ تاریکی میں تنگ سے راستہ پر چلنا نولکھا کے لیے مشکل ہو رہا تھا لیکن وہ بہرحال ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

اس جگہ پہنچنے میں انہیں آدھا گھنٹہ لگ گیا۔ بلب لکڑی کے ایک پول پر لگا ہوا تھا۔ اس جگہ چاروں طرف چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں جن کے درمیان کھلی جگہ پر مختلف چیزیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ کئی ڈرم تھے جو دھوئیں سے کالے ہو رہے تھے۔

ایک طرف لکڑیوں کا بہت بڑا انبار لگا ہوا تھا اور اس سے ذرا آگے بڑے بڑے پتھر رکھ کر چولہے بنائے گئے تھے۔ وہ ڈرم غالباً انہی چولہوں پر چڑھائے جاتے ہوں گے۔ ایک طرف چٹان کے ساتھ کئی بوریاں نیچے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔

دائیں طرف والی چٹان میں ایک بہت بڑا غار بھی نظر آرہا تھا۔ اس غار کے اندر بھی روشنی ہو رہی تھی۔ جو کچھ بھی تھا' اس غار کے اندر تھا اور ظاہر ہے وہ لوگ براہ راست غار میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔

وہ لوگ ایک بہت بڑے پتھر کے پیچھے کھڑے غار کی طرف دیکھ رہے تھے لیکن ابھی تک کسی انسان کا سایہ تک دکھائی نہیں دیا تھا۔

"شاہ پری..... ثمینہ۔" شارق نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

"تم دونوں یہیں کھڑی رہو۔ غار کے علاوہ آس پاس کا بھی خیال رکھو گی۔ اس نے کہا تھا کہ یہاں صرف تین آدمی ہیں۔ ممکن ہے اس نے ہمیں دھوکا دینے کے لیے جھوٹ بولا ہو اور غار میں تین سے زیادہ آدمی موجود ہوں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر نوکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس طرف آنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور نوکھا تم اس راستے پر پہرہ دو گے۔ کوئی بھی اس طرف آنے کی کوشش کرے تو بلاجھجک گولی سے اڑا دینا اور محمد عمر تم میرے ساتھ آؤ۔"

وہ دونوں اپنی رائفلیں سنبھالے ایک طرف چلنے لگے۔ لکڑیوں کے انبار کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے۔ شارق نے محمد عمر کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور تیزی سے دوڑتا ہوا ڈرموں کے پیچھے چلا گیا۔ یہاں سے غار کا دہانہ صاف نظر آرہا تھا۔ غار کے اندر بھی بلب کی روشنی میں ڈرم رکھے ہوئے نظر آرہے تھے۔ تقریباً تین چار فٹ آگے یہ غار دائیں طرف مڑ گیا تھا۔ اس طرف بھی روشنی نظر آرہی تھی اور غار کے اندر سے جنریٹر کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ بجلی کا جنریٹر غار کے اندر ہی کسی جگہ رکھا ہوا تھا۔

شارق نے محمد عمر کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور ڈرموں کی آڑ لیتا ہوا غار کے دہانے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ غار کے دہانے تک پہنچا ہی تھا کہ ایک آدمی غار کے اندر والے موڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔ شارق نے بڑی تیزی سے ایک ڈرم کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور جھانک کر سامنے دیکھنے لگا۔

وہ لمبے قد کا آدمی تھا۔ لمبی داڑھی اور سر پر پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ نپے تلے قدم اٹھاتا غار کے دہانے پر آکر رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ شارق اس شخص سے صرف دس فٹ کے فاصلے پر تھا۔ ان کے درمیان صرف وہ ڈرم تھا جس کے پیچھے شارق چھپا ہوا تھا۔ شارق کی انگلی رائفل کے ٹریگر پر تھی۔ وہ کسی بھی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

وہ شخص چند لمحے غار کے دہانے پر کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر وہ جیسے ہی واپس جانے کے لیے مڑا' شارق بڑی پھرتی سے ڈرم کی آڑ سے نکل آیا اور رائفل کی نال اس شخص کی گردن سے لگاتے ہوئے غرایا۔

"رائفل پھینک کر ہاتھ اوپر اٹھا لو۔"

وہ شخص ہاتھ اٹھانے کے بجائے تیزی سے گھوم گیا۔ شارق نے بلاجھجک ٹریگر دبا دیا۔ گولی اس شخص کی کھوپڑی میں لگی۔ وہ تیورا کر گرا لیکن اس کی انگلی ٹریگر دبا چکی تھی۔ رائفل آٹومیٹک پر

سیٹ تھی۔ گولیاں تڑتڑاتے ہوئے رائفل کی نالی سے نکل رہی تھیں۔ کئی گولیاں شارق کی ٹانگوں کے قریب سے گزری تھیں۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ گیا تھا۔

رائفل خاموش ہو گئی۔ اس کا میگزین خالی ہو گیا تھا لیکن رائفل پر اس شخص کی گرفت اب بھی مضبوط تھی۔ سر پر گولی لگنے سے پہلے اس نے ٹریگر دبایا تھا اور پھر تشنج کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی جس سے اس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔

غار کے اندر کی طرف سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سن کر شارق نے ایک بار پھر ڈرموں کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ چند سیکنڈ بعد ہی دو آدمی دوڑتے ہوئے سامنے آگئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں آٹومیٹک رائفلیں تھیں۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش کے قریب ٹھٹک کر رک گئے۔ ان دونوں نے چیخ کر ایک دوسرے سے کچھ کہا اور غار کے دہانے کی طرف دوڑے۔ دہانے پر پہنچتے ہی انہوں نے چاروں طرف اندھادھند فائرنگ شروع کر دی تھی۔

شارق نے بھی ڈرم کی آڑ سے نکل کر فائر کھول دیا۔ ایک آدمی کے بازو میں گولی لگی۔ وہ چیختا ہوا پلٹا لیکن ٹھیک اسی لمحہ باہر سے محمد عمر نے فائرنگ شروع کر دی۔ یہ دونوں آدمی اس کی گولیوں کا نشانہ بن کر ڈھیر ہو گئے۔

فائرنگ بند ہو گئی۔ ایک دم سناٹا چھا گیا۔ شارق اپنی جگہ پر دبکا رہا۔ دو منٹ گزر گئے۔ غار کے اندر بھی خاموشی تھی اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شارق ڈرم کی آڑ سے نکل آیا اور اس نے محمد عمر کو بھی آگے آنے کا اشارہ کر دیا۔ محمد عمر نے وہاں پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔

وہ دونوں رائفلیں تانے محتاط انداز میں آگے بڑھتے رہے۔ غار کے موڑ پر پہنچ کر وہ رک گئے اور کسی قسم کی آواز سننے کی کوشش کرتے رہے لیکن دوسری طرف مکمل خاموشی تھی۔ چند سیکنڈ بعد شارق چھلانگ لگا کر سامنے آگیا۔ اس نے رائفل دونوں ہاتھوں میں تھام رکھی تھی۔ انگلی ٹریگر پر تھی۔ وہ کسی بھی لمحہ ٹریگر دبا سکتا تھا لیکن اس کی نوبت نہیں آئی۔ غار میں کوئی نہیں تھا۔ محمد عمر بھی آگے آگیا۔

غار کے اس حصے میں کئی بلب جل رہے تھے اور دن جیسی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہاں کا منظر دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ غار کا یہ حصہ کسی بہت بڑے ہال کی طرح وسیع و عریض تھا۔ ایک حصے میں جدید ترین لیبارٹری بنی ہوئی تھی۔ اسٹین لیس اسٹیل کے کئی ڈرم' بڑے بڑے پتیلے اور اس قسم کی دوسری بہت سی چیزیں موجود تھیں۔ ایک طرف کیمیکل کے کئی ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ یہ کیمیکل ہیروئن کی تیاری میں استعمال ہوتا تھا۔ ایک طرف

تیار ہیروئن کے پیکٹ نیچے اوپر رکھے ہوئے تھے۔ شارق نے ایک پیکٹ اٹھا کر دیکھا۔ اس میں کم از کم پانچ کلو ہیروئن بھری ہوئی تھی۔ ایسے لاتعداد پیکٹ تھے۔

شارق اور محمد عمر پورے غار میں گھومتے رہے۔ یہاں کسی ذی روح کا نام و نشان نہیں تھا۔ ان کے قیدی نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ یہاں صرف تین آدمی تھے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو اب تک سامنے آچکا ہوتا۔

"دیکھ رہے ہو محمد عمر۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے وہ زہر جو معصوم نوجوانوں کے خون میں گھولا جاتا ہے۔ موت کے یہ سوداگر اپنے گھروں میں دولت کے انبار لگانے کے لیے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بولا۔ "میں بھی موت کے ان سوداگروں کا آلہ کار بن گیا تھا۔ یہ جرم مجھ سے بھی ہوا ہے لیکن اب مجھے ہوش آگیا ہے۔ میں اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میں موت کے ان سوداگروں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

"شارق بھائی۔" محمد عمر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر اس مقصد کے لیے میری جان بھی چلی جائے تو مجھے افسوس نہیں ہوگا۔"

"اب ہم مل کر ہی یہ کام کریں گے۔" شارق نے جواب دیا اور پھر وہ غار سے باہر آگیا۔ اس نے نولکھا وغیرہ کو بھی بلا لیا۔

غار میں یہ سب کچھ دیکھ کر نولکھا کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

"آگ لگا دو ان سب کو۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دو۔"

"ابھی نہیں نولکھا۔" شارق بولا۔ "ابھی تو افیون کی ایک بڑی کھیپ آنے والی ہے۔ اس کھیپ کو بھی پہنچ جانے دو' ایک ہی بار آگ لگائیں گے۔"

"ٹھیک ہے' ہم ان کا بھی انتظار کر لیں گے۔" نولکھا بولا۔

وہ لوگ غار سے باہر آکر ایک ایسی جگہ پر بیٹھ گئے جہاں سے اس طرف آنے والے راستے پر نہ صرف نگاہ رکھی جا سکتی تھی بلکہ آنے والوں کو گھیرے میں بھی لیا جا سکتا تھا۔

وہ بیٹھے باتیں کرتے رہے اور وقت گزرتا رہا۔ ان میں سے کسی کے پاس گھڑی نہیں تھی' اس لیے وقت کا اندازہ لگانا دشوار ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے رات آدھی سے زیادہ بیت گئی ہو لیکن وہ سب اچھی طرح جانتے تھے کہ ابھی دس نہیں بجے تھے۔

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری منحوس ہو رہا تھا اور پھر دفعتاً وہ سب چونک گئے۔ پتھروں کے لڑھکنے کی آواز ان سب نے سنی تھی۔ وہ لوگ یکدم ہوشیار ہو گئے۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آرہے ہیں۔" شارق نے کہا۔ "تم لوگ اپنی اپنی پوزیشن سنبھال لو۔ محمد عمر تم غار کے دہانے پر پہنچ جاؤ۔ انہیں غار میں داخل ہونے سے روکنا تمہاری ذمہ داری ہے۔ جو بھی غار میں گھسنے کی کوشش کرے' اسے اڑا دینا گولی سے اور نولکھا تم سامنے چلے جاؤ۔ وہ لوگ جب اس جگہ پہنچ جائیں' اس نے کھلی جگہ کی طرف اشارہ کیا۔

"تو تم واپسی کا راستہ بلاک کر دو گے۔ ثمینہ تمہارے ساتھ ہوگی اور شاہ پری تم اس پتھر کے پیچھے پوزیشن سنبھالے رہو گی۔ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے کسی کو بچ نکلنے کا موقع نہیں دو گی۔"

"ٹھیک ہے' فکر مت کرو۔ کوئی بھی بچ کر نہیں جا سکے گا۔" شاہ پری نے کہا۔

وہ سب لوگ اٹھ کر اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے۔ شارق نے بھی ایک پتھر کے پیچھے اپنی پوزیشن سنبھال لی اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد پہلا آدمی دو گدھوں کو ہانکتا ہوا اس تنگ سے راستے سے نکل کر کھلی جگہ پر آگیا۔ اس شخص کے کندھے پر رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے کئی اور گدھے تھے جن پر افیون کے بورے لدے ہوئے تھے۔

آخر میں دو اور آدمی تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بھی رائفلیں تھیں۔ وہ سب لوگ کھلی جگہ پر پہنچ گئے اور ڈرموں کے قریب پہنچ کر گدھوں پر لدے ہوئے بورے اتارنے لگے۔

"محبت خان؟ کہاں ہو تم لوگ؟" ان تینوں میں سے ایک نے غار کی طرف رخ کر کے پکارا۔

"یہاں کوئی محبت خان نہیں ہے۔ تم لوگ چاروں طرف سے ہمارے گھیرے میں ہو۔ ہتھیار پھینک دو۔" غار کی طرف سے محمد عمر کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ وہ تینوں ایک دم اچھل پڑے اور ادھر ادھر پوزیشن لینے کی کوشش کرتے ہوئے انہوں نے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ محمد عمر ایک پتھر کی آڑ میں تھا۔ کئی گولیاں پتھر پر لگیں۔ پتھر کے ٹکڑے ہوا میں اڑ کر ادھر ادھر بکھرنے لگے۔ ان لوگوں کی چلائی ہوئی گولیاں محمد عمر کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکی تھیں۔

شارق دائیں طرف تھا۔ اس نے بھی فائر کھول دیا۔ ایک آدمی اس کی گولیوں کا نشانہ بن کر گرا۔ دوسری طرف سے نولکھا وغیرہ نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔ گدھوں پر افیون لانے والے باقی دونوں آدمی بھی چھلنی ہو کر گر پڑے۔

کوئی بھی نہیں بچا تھا۔ شارق اور اس کے ساتھی کھلی جگہ پر جمع ہو گئے۔ انہوں نے لاشیں اٹھا کر ایک طرف ڈال دیں اور افیون کے بورے اٹھا اٹھا کر لکڑیوں کے انبار پر پھینکنے لگے۔

انبار کو آگ لگانے کے بعد شارق نے دو جلتی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں اور دوڑتا ہوا غار میں

گھس گیا۔ اس نے لکڑیوں کو ہال کے وسط میں پھینک دیا اور جنریٹر کے قریب پڑا ہوا تیل کا ڈرم الٹ دیا۔ تیل آہستہ آہستہ جلتی ہوئی لکڑیوں کی طرف بہنے لگا۔ تیل نے جیسے ہی آگ پکڑی، شارق باہر کی طرف دوڑا۔

"بھاگو....بھاگو یہاں سے....." شارق غار سے باہر نکلتے ہوئے چیخا۔ اس کے ساتھ ہی وہ گدھوں کو بھی وہاں سے ہانکنے لگا۔

گدھے بدحواس ہو کر تنگ سے راستے پر دوڑ رہے تھے۔ ان کے پیچھے شارق وغیرہ تھے۔ شارق نے مڑ کر دیکھا۔ لکڑیوں کے انبار سے آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ غار کے دہانے سے بھی شعلے اٹھتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ بہتا ہوا تیل باہر کی طرف آرہا تھا جس سے آگ پھیل رہی تھی۔

"جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے دور نکل چلو۔" شارق چیخا۔ "غار کے اندر خطرناک کیمیکل کے ڈرم پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ڈرم جب پھٹیں گے تو قیامت آجائے گی۔"

وہ لوگ اصل راستہ چھوڑ کر چٹانوں میں گھس گئے اور اندھا دھند دوڑنے لگے۔ انہیں اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ تاریکی میں اس طرح دوڑنا خود ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

وہ بے تحاشہ دوڑتے رہے اور پھر پہلا دھماکہ سنائی دیا۔ غار کے اندر کیمیکل کا کوئی ڈرم پھٹا تھا اور دھماکے کی آواز دبی دبی سی تھی لیکن شارق جانتا تھا کہ کیمیکل کے ڈرم جب یکے بعد دیگرے پھٹنے شروع ہوں گے تو یہاں قیامت آجائے گی۔ اس لیے وہ یہاں سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے تھے۔

ایک دو اور مدھم سے دھماکے سنائی دیئے۔ وہ دوڑتے رہے اور بالآخر اپنے پڑاؤ پر پہنچ گئے۔ وہ بری طرح ہانپ رہے تھے۔ ان کا قیدی اسی طرح بندھا ہوا پڑا تھا جس طرح وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ شارق اسے گھسیٹتا وہ چٹان کے کنارے تک لے آیا۔

"وہ دیکھو۔" شارق نے نشیب کی طرف اشارہ کیا جہاں سے مہیب شعلے اٹھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ "وہ دیکھو، تمہارے خان عبدالقدوس خان کی لیبارٹری۔ نہیں موت کی فیکٹری۔ اب اس میں کچھ نہیں بچا۔ وہاں تیار شدہ ہیروئن اور افیون کی آنے والی نئی کھیپ، سب کچھ جل کر راکھ ہو رہا ہے اور تمہارے وہ آدمی بھی جل کر راکھ ہو جائیں گے۔"

شارق خاموش ہوا ہی تھا کہ ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکہ ہوا اور پھر پے در پے دھماکے ہونے لگے۔ غار کے اندر رکھے ہوئے خطرناک کیمیکل کے ڈرم پھٹ رہے تھے۔ ایک اور دھماکہ اور یوں لگا جیسے آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ غار والی چٹان آتش فشاں ہی کی طرح پھٹی تھی۔ آگ کے شعلے اور چٹانی پتھر سینکڑوں فٹ اوپر تک اڑ رہے تھے۔

آس پاس کے پہاڑ ہل گئے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ وہ چٹان بھی کانپ کر رہ گئی تھی جس پر وہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق نے اپنے قیدی کی طرف دیکھا اور دفعتاً وہ بری طرح چونک گیا۔ ان کا قیدی زمین پر لوٹ لگاتا ہوا چٹان کے آخری کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر چیختا ہوا اس کی طرف دوڑا مگر وہ قیدی ایک اور لوٹ لگا چکا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحہ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

اس کی آخری چیخ بڑی خوفناک تھی۔

○

ہیروئن تیار کرنے والی وہ لیبارٹری مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی۔ وہاں اب آگ کے شعلوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔

وہ لوگ رات بھر نہیں سو سکے تھے۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ اس علاقے میں ہیروئن تیار کرنے والی اور بھی لیبارٹریاں موجود تھیں۔ وہ لیبارٹریاں اسی طرح پہاڑوں میں چھپی ہوئی تھیں لیکن دھماکوں کی آوازیں کہیں نہ کہیں ضرور سنی گئی ہوں گی۔ شارق کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ دن چڑھنے پر اگر پہاڑوں میں چھپے ہوئے لوگ صورتحال معلوم کرنے اس طرف آگئے تو وہ لوگ گھیرے میں آسکتے تھے۔

اس لیے وہ صبح ہونے سے پہلے ہی اس علاقے سے نکل جانا چاہتے تھے۔

صبح ہونے میں تقریباً دو گھنٹے باقی تھے۔ وہ لوگ روانگی کے لیے تیار ہو گئے۔ گھوڑوں پر تاریکی میں سفر کرنا اگرچہ خطرناک تھا لیکن یہ خطرہ مول لیے بغیر چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ محتاط انداز میں سفر کرتے رہے۔

دن کی روشنی پھیلنے پر وہ رک گئے۔ رات بھر جاگنے اور سفر سے وہ بری طرح تھک گئے۔ ایک چٹان کے دامن میں مناسب جگہ دیکھ کر انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ ان کا خیال تھا کہ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد آگے روانہ ہو جائیں گے لیکن نیند اور تھکن نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ ایک ایک کرکے ان سب کی آنکھیں بند ہونے لگیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ سب نیند کی آغوش میں پہنچ چکے تھے۔

گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آواز سن کر سب سے پہلے نوکھا کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ کچھ دیر تک

اپنی جگہ پر لیٹا آنکھیں بچ مچاتا رہا اور جب اس نے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

وہ آٹھ آدمی تھے جنہوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان سب کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ لمبی داڑھیاں' سروں پر پگڑیاں' قبائلی لباس اور گھورتی ہوئی خونخوار آنکھیں۔ وہ وحشی ہی لگتے تھے۔

نولکھا کو اپنے سینے میں سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے اپنے قریب ہی سوئے ہوئے شارق کو جھنجھوڑ دیا۔ شارق ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس کا ہاتھ سب سے پہلے اپنی رائفل کی طرف بڑھا تھا لیکن اسی وقت فضا فائر کی آواز سے گونج اٹھی اور رائفل شارق کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ فائر کی آواز سن کر ان کے دوسرے ساتھی بھی جاگ گئے تھے۔ صورتحال دیکھ کر ان سب کے چہرے دھواں ہو گئے تھے۔

"اگر کسی نے رائفل کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی تو اسے گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔" ان میں سے ایک آدمی نے دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ اور ہاتھ سر سے اوپر اٹھا لو۔"

اس شخص نے بات اگرچہ اردو میں کی تھی لیکن اس میں پشتو کے الفاظ بھی شامل تھے لیکن بات کا مطلب بہرحال ان سب کی سمجھ میں آگیا تھا۔ وہ سب اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہاتھ سر سے بلند کر دیئے۔ ان سے مخاطب ہونے والے شخص نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر سب کی رائفلیں جمع کر لیں۔

"میرا نام گلباز خان ہے۔" اسی شخص نے باری باری ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگوں کو ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ اگر کسی نے بھاگنے کی کوشش کی تو اسے گولیوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔ ویسے میں یہ بات واضح کر دوں کہ اگر کوئی فرار ہونے میں کامیاب ہو بھی گیا تو ان بنجر اور ویران پہاڑوں میں بھوک پیاس سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گا۔ یہاں میلوں دور تک کسی آبادی کا نشان نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم لوگ شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمارے احکامات کی تعمیل کرو گے۔"

"دیکھو او بھائی گلباز خان۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تو پہلے ہی مصیبت کے مارے ہوئے ہیں۔ راستہ بھول کر کہیں کے کہیں آنکلے ہیں۔ بھوک پیاس نے پہلے ہی ہمیں ادھ موا کر رکھا ہے۔ تم مجھے شریف آدمی لگتے ہو۔ ہمیں ان پہاڑوں سے نکلنے کا راستہ بتا دو۔ ہم خاموشی سے چلے جائیں گے۔ ہماری اور تمہاری کیا دشمنی ہے۔"

"دشمنی نہیں تو ہم ایک دوسرے کے دوست بھی نہیں ہیں۔" گلباز نے کہا۔ "دوستی کرنے کتنی دیر لگتی ہے۔ لا ہاتھ ملا۔" نولکھا نے کہتے ہوئے دایاں ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"ہم دوستی کا ہاتھ بھی بہت سوچ سمجھ کر بڑھاتے ہیں اور تم لوگوں کے بارے میں تو ہمیں سوچنا پڑے گا۔" گلباز خان نے کہا۔

"کیوں۔ کیا ہم اس دنیا کی مخلوق نہیں جن سے دوستی کرتے ہوئے تمہیں سوچنا پڑے گا؟" نولکھا نے کہا۔

"آسمانی مخلوق نہیں ہو لیکن اس سے زیادہ خطرناک ہو۔" گلباز خان نے کہا۔ "تم وہ لوگ ہو جو برائی سے یہاں تک اپنے دشمن کو شکست دیتے آئے ہو۔ پولیس کی بھاری نفری بھی تم لوگوں کا راستہ نہیں روک سکی۔ میرے خیال میں تم لوگوں سے زیادہ خطرناک اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

نولکھا نے فوری طور پر جواب دینے کے بجائے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان سب کے چہروں پر حیرت کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"کیا کہہ رہے ہو بھائی گلباز خان؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"میں جو کچھ سمجھ رہا ہوں' ٹھیک سمجھ رہا ہوں۔" گلباز نے کہا۔ "تمہیں شاید معلوم نہیں کہ پہاڑوں میں خبریں بڑی تیزی سے سفر کرتی ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ طور خان کے گروہ کے تم لوگوں نے کس طرح توڑا تھا۔ طور خان ایک دہشت کا نام تھا۔ ہر صوبے کی حکومت اس کے نام سے خوفزدہ تھی لیکن تم لوگوں نے اس گروہ کا جس طرح خاتمہ کیا ہے' وہ قابل تعریف ہے۔ اور یہ ساتھی۔" اس نے محمد عمر کی طرف اشارہ کیا۔ "اس بات کی گواہی دے گا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں' سچ کہہ رہا ہوں۔ یہ طور خان ہی کے گروہ کا آدمی ہے۔"

"ہاں.... تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس مرتبہ نولکھا کے بجائے شارق نے گلباز خان کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن طور خان سے بھی ہماری کوئی دشمنی نہیں تھی۔ اس نے ہماری ایک دوست کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ اسے بھگتنا پڑا۔ ہمارا نہ تو کسی گروہ سے تعلق ہے اور نہ ہی ہم جرائم پیشہ ہیں۔ ہم تو حالات کا شکار ہوئے ہیں اور یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں۔"

افغان حکمرانوں کو ان پاکستانی جاسوسوں کی تلاش ہے جو ایک خاص مشن پر کابل کی طرف جا رہے تھے۔ وہ ملک فرید خان کے مہمان تھے لیکن اتفاق سے ملک فرید خان کو کابل میں گرفتار کر لیا

گیا تو وہ پاکستانی جاسوس براکی سے ہی بھاگ نکلے اور تخریب کاری کرتے ہوئے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کی تلاش میں سرحدوں کی بھی نگرانی کی جا رہی ہے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ ہمارے گھیرے میں آ گئے ہو۔ ہم تمہیں افغان حکومت کے حوالے کر دیں تو یہاں ہمیں بہت سی مراعات مل سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "خان عبدالقدوس خان کو بھی یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ اس کی لیبارٹری تباہ کر دی گئی ہے۔ وہ لیبارٹری تباہ کرنے والوں کی تلاش میں ان پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان مارے گا۔"

"یہ خان عبدالقدوس خان کوئی سائنس دان ہے کیا؟" نولکھا نے پوچھا۔

"انجان بننے کی کوشش مت کرو۔" گلباز خان نے اسے گھورا۔ "خان عبدالقدوس خان کو ہر پر بھی شک ہو سکتا ہے کہ اس کی لیبارٹری ہم نے تباہ کی ہے۔ وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی کوشش کرے گا تو ہم تم لوگوں کو ان کے سامنے پیش کر دیں گے۔"

"تو کیا تم نے بھی کوئی لیبارٹری بنا رکھی ہے؟" نولکھا نے پوچھا۔

"میری لیبارٹری اس علاقے کی سب سے بڑی لیبارٹری ہے۔" گلباز خان نے کہا۔

"ہم لوگوں میں کاروباری رقابتیں چلتی رہتی ہیں۔ کسی لیبارٹری کو مکمل طور پر تباہ کر دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ خان عبدالقدوس خان چین سے نہیں بیٹھے گا اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ تم لوگ ہمیں مل گئے ہو۔"

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"فی الحال تو تم لوگوں کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ فیصلہ بعد میں کیا جائے گا کہ تم لوگوں سے کیا چاہتے ہیں۔ اب خاموشی سے ہمارے ساتھ چلو۔ میں تم لوگوں کو وارننگ دے چکا ہوں کہ اگر کسی نے گڑبڑ کرنے کی کوشش کی تو انجام کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہوگی۔"

گلباز خان نے رائفل سے اشارہ کیا۔ شارق وغیرہ نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا کہ گلباز خان اور اس کے ساتھیوں کے پاس گھوڑے نہیں تھے جس کا مطلب تھا کہ انہیں زیادہ دور نہیں جانا تھا۔

"کیا ہم اپنے گھوڑے یہیں چھوڑ دیں؟" شارق نے گلباز کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"گھوڑوں کی لگامیں پکڑ لو۔" گلباز خان نے کہا۔ "پیدل چلیں گے۔ ہماری منزل زیادہ دور نہیں ہے۔"

گلباز خان نے غلط نہیں کہا تھا۔ انہیں تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا۔ راستہ انتہائی دشوار گزار تھا۔ وہ لوگ بڑی مشکل سے وہاں تک پہنچ پائے تھے۔ بلند پہاڑوں کے عین بیچ میں ایک بہت بڑا شیڈ بنا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک مکان بھی تھا جو بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ چاروں طرف دور دور تک لوہے کی خاردار تاروں کا جنگلہ تھا۔

شیڈ کے نیچے بہت سارے ڈرم رکھے ہوئے تھے اور چولہے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف لکڑیوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ پانچ چولہوں میں آگ جل رہی تھی اور ان پر ڈرم چڑھے ہوئے تھے۔ ان ڈرموں میں کوئی چیز پک رہی تھی جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ فضا میں ایک ناگوار سی بو پھیلی ہوئی تھی۔

"میرا خیال ہے لنگر تیار ہو رہا ہے۔" نولکھا گلباز خان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کیا تم لوگوں کے پاس دیگیں یا پتیلے نہیں ہیں؟ کھانا ان ڈرموں میں تیار کرتے ہو؟"

"یہ کھانا تیار نہیں ہو رہا۔" گلباز خان نے کہا۔ "ان ڈرموں میں افیون پک رہی ہے۔ یہ ہیروئن کی تیاری کا پہلا مرحلہ ہے۔ افیون میں نوشادر ڈال کر پکایا جا رہا ہے۔ اس سے مارفین تیار ہوگی۔ کئی مرحلوں سے گزرنے کے بعد ہیروئن کی تیاری کا مرحلہ آتا ہے۔"

"دو چار ہیرو بھی تیار کر لو تم لوگ۔ یہ کیا بات ہوئی کہ پوری قوم ہی ہیروئن کی تیاری میں لگی ہوئی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

گلباز خان اس کا طنز نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس نے ساتھ آنے والوں کو اشارہ کیا۔ وہ مختلف سمتوں پر پھیل گئے۔ دو آدمی پہلے سے وہاں موجود تھے جو کام کر رہے تھے۔ اس طرح ان کی کل تعداد دس تھی۔

"اس مکان میں ہماری لیبارٹری ہے۔ یہاں آخری مرحلے میں ہیروئن تیار ہوتی ہے۔" گلباز خان نے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کے پچھلی طرف ایک اور مکان ہے جو ہم رہائش کے لیے استعمال کرتے ہیں۔"

"کیا یہاں آمد و رفت کا یہی ایک راستہ ہے؟" شارق نے اس راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا جس سے وہ آئے تھے۔

"اصل راستہ اس چٹان کے پیچھے ہے۔" گلباز خان نے ایک طرف اشارہ کیا لیکن اگر تم یہاں سے فرار کے امکانات کا جائزہ لے رہے ہو تو اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔ ان خاردار تاروں سے چیونٹی کا بچہ بھی نہیں نکل سکتا۔ اس کے علاوہ میرے یہ آدمی چاروں طرف پھیل جائیں گے۔ کسی کی نظروں میں آئے بغیر کوئی کسی طرف نہیں جا سکتا۔ بہرحال تم لوگ اپنے گھوڑے وہاں باندھ دو۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"گھوڑے تو باندھ دیتے ہیں لیکن تم ہمیں یہاں بھوکا پیاسا رکھو گے۔ افغان تو بڑے مہمان

نواز ہوتے ہیں اور ہمیں بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ یہاں تمہیں بھوکا نہیں رکھا جائے گا۔" گلباز خان نے کہا۔ "میرے ساتھ آؤ۔" وہ اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

وہ لیبارٹری کے پچھلی طرف والے مکان میں آگئے۔ گلباز خان انہیں ایک کمرے میں لے آیا جس کے فرش پر موٹی وری نما قالین بچھا ہوا تھا۔

"تم لوگ اس کمرے سے باہر نہیں نکلو گے۔" گلباز خان نے کہا۔ "اگر کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو انجام کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔ کچھ دیر بعد تم لوگوں کو کھانے کو مل جائے گا۔"

گلباز خان باہر چلا گیا۔ دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ دو آدمی دروازے کے ساتھ رائفلیں سنبھال کر بیٹھ گئے تھے۔

شارق اور اس کے ساتھی دری پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ ثمینہ اور شاہ پری لیٹ گئی تھیں۔ ان سب کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔ اب تک وہ ہر قسم کے حالات سے نمٹتے آئے تھے لیکن یہاں صورتحال مختلف تھی۔ انہیں نہتا کر دیا گیا تھا اور ان پر مسلح پہرہ بٹھا دیا گیا تھا لیکن وہ مایوس نہیں تھے البتہ ایک پریشانی کی بات ضرور تھی۔

گلباز خان نے بتایا تھا کہ وہ انہیں افغان حکومت کے حوالے کرکے اپنے لیے مراعات حاصل کر سکتا ہے۔ دوسری طرف اس نے یہ دھمکی بھی دی تھی کہ اگر خان عبدالقدوس خان نے چڑھائی کر دی تو وہ انہیں اس کے حوالے کر دے گا۔

"اب کیا ہوگا شارق بھائی؟" محمد عمر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "ہم لوگ بری طرح پھنس گئے ہیں۔ اگر گلباز خان ہمیں حکومت کے حوالے کر دیتا ہے تو ہمارے بچنے کی کوئی امید نہیں رہے گی۔ اگر ہمیں موت کی سزا نہ بھی ہوئی تو ہم زندگی بھر جیل میں پڑے سڑتے رہیں گے۔ دوسری طرف اگر ہمیں خان عبدالقدوس خان کی تحویل میں دے دیا جاتا ہے تو بھی ہم نہیں بچ سکتے۔ تمہیں تو تجربہ ہو چکا ہے موت کے یہ سوداگر بڑے بے رحم اور سنگدل ہوتے ہیں۔ ان سے کسی رعایت کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ہم نے اس کی ہیروئن کی لیبارٹری تباہ کر دی ہے۔ اس کا کروڑوں ڈالر کا نقصان ہوا ہے۔ وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ ہمیں ایسی اذیت ناک موت مارے گا کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"مایوس نہ ہو عمر۔" شارق نے کہا۔ "میں نے تو اس سے بھی زیادہ بدتر حالات کا مقابلہ کیا ہے۔ میں نے مایوس ہونا نہیں سیکھا۔ یہ صورتحال تو اتنی زیادہ بری نہیں' ہمارے صرف ہتھیار ہی چھینے گئے ہیں۔ ہمیں باندھ کر نہیں رکھا یا قید نہیں کیا گیا۔ مجھے امید ہے کہ اگر ہم میں سے کوئی

کمرے سے باہر جانا چاہے تو روکا نہیں جائے گا۔ یہ صورتحال مایوس کن نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں سے ہمارے فرار کا کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔"

"اور ہم یہ لیبارٹری تباہ کرکے ہی یہاں سے جائیں گے۔" قریب لیٹی ہوئی شاہ پری نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور..... ضرور....." نولکھا بولا۔ "لیکن پہلے ان لوگوں سے پوچھو کہ ہمیں کچھ کھانے پینے کو بھی دیں گے یا بھوکا ہی رکھیں گے۔"

"گلباز خان نے کہا تھا کہ وہ ہمیں کھانا بھجوا دے گا۔" شارق نے کہا۔

"تھوڑا انتظار کر لو.....وہ کھانا بھجوا دے گا۔"

وہ لوگ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ تین آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ دو نے طشت اٹھا رکھے تھے اور تیسرا رائفل تانے دروازے ہی میں رک گیا تھا۔ ایک آدمی نے طشت نیچے رکھ کر دسترخوان بچھا دیا اور دوسرے آدمی نے اس پر کھانا سجا دیا۔ بھنا ہوا گوشت' نان اور دو چیزیں اور تھیں جو گوشت ہی سے تیار کی گئی تھیں۔ وہ لوگ کھانا لگا کر واپس چلے گئے۔ شارق اور اس کے ساتھی اس طرح کھانے پر ٹوٹ پڑے جیسے کئی روز سے بھوکے ہوں۔

وہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ انہی میں سے ایک آدمی ایلومینیم کی ایک کیتلی اٹھائے اندر آگیا۔ کیتلی دھوئیں سے کالی ہو رہی تھی۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں چینی کی چھوٹی چھوٹی پیالیاں تھیں۔

"چائے؟" اس نے کیتلی اور پیالیاں ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"چائے۔" نولکھا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے آگیا اور کیتلی اٹھا کر پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔ پھر اس نے ایک ایک پیالی ان سب کے سامنے رکھ دی۔

"ہم تو بھول ہی گئے تھے کہ چائے بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔" ثمینہ چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔ "کئی روز بعد چائے پی رہے ہیں۔ بڑا مزا آرہا ہے۔"

"اب تو مزے لے لو۔ جب یہ لوگ ہمیں حکومت یا خان عبدالقدوس خان کے حوالے کریں گے تو پتہ چلے گا۔" نولکھا نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

چائے واقعی مزے کی تھی۔ اگرچہ پاؤڈر ملک استعمال کیا گیا تھا لیکن ذائقہ بہت عمدہ تھا۔ وہ مزے لے لے کر چائے پیتے اور باتیں کرتے رہے۔

وہ دن کا باقی حصہ کمرے ہی میں رہے۔ اس دوران شارق اور نولکھا کو فطری ضرورت کے تحت باہر نکلنا پڑا۔ ہر مرتبہ گن مین ساتھ رہا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہی کمرے میں بلب روشن ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے یہاں بھی جنریٹر لگا ہوا تھا۔ بتی جلنے کے کچھ ہی دیر بعد ان کے لیے کھانا آگیا۔ وہ ابھی کھانا کھا رہے تھے کہ گلباز خان بھی آگیا۔ اس کے ساتھ ایک گن مین بھی تھا جو دروازے ہی میں رک گیا تھا۔ گلباز خان آگے آکر ان کے قریب ہی دری پر بیٹھ گیا۔

"ہمارے بارے میں کیا ارادہ ہے خان؟ کیا کرنا چاہتے ہو؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہی خان عبدالقدوس خان کا ایک آدمی یہاں آیا ہے۔" گلباز خان نے کہا۔ "اسے اپنی لیبارٹری کی تباہی کا پتہ چل گیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ اسے ہم پر کسی قسم کا شبہ نہیں ہے لیکن اسے یہ پتہ چل گیا ہے کہ کچھ لوگ ان پہاڑوں میں پھرتے ہوئے دیکھے گئے تھے۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ پاکستان کے وہی جاسوس ہیں جو براکی سے مار دھاڑ کرتے ہوئے فرار ہوئے تھے اور اس طرف سے سرحد پار کرنے کی کوشش میں ہیں۔ اسے شبہ ہے کہ لیبارٹری انہی لوگوں نے تباہ کی ہے اور وہ لوگ ابھی تک ان پہاڑوں میں ہی کسی جگہ موجود ہیں۔ اس نے مجھے پیغام بھیجا ہے کہ اگر وہ لوگ ہماری نظروں میں آجائیں تو انہیں پکڑ کر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ منہ مانگا انعام دے گا۔"

"تو پھر کیا خیال ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا سوچا ہے تم نے؟"

"ابھی کچھ نہیں سوچا۔" گلباز خان نے جواب دیا۔ "اگر تم لوگوں کو خان عبدالقدوس خان کے حوالے کر دوں تو صرف چند لاکھ ڈالر ملیں گے۔ اس کے برعکس اگر میں حکومت سے رابطہ کروں تو مجھے ایسی مراعات مل جائیں گی جن سے کروڑوں کا فائدہ ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر وہی کرو جس میں تمہیں زیادہ فائدہ ہو۔" شارق نے کہا۔

"خان عبدالقدوس کا آدمی آج رات یہیں رہے گا اور صبح سویرے واپس چلا جائے گا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو سختی سے منع کر دیا ہے کہ تم لوگوں کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔" گلباز خان نے جواب دیا۔ "صبح ان لوگوں کے جانے کے بعد میں کوئی فیصلہ کروں گا اور اپنا آدمی سرحد روانہ کر دوں گا۔ میں جب تک کوئی فیصلہ نہیں کر لیتا' تم لوگوں کو یہیں رہنا ہوگا۔ ویسے تم لوگوں کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ کھانا وغیرہ وقت پر ملے گا اور کسی کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی لیکن اگر تم لوگوں نے کوئی گڑبڑ کی تو میرے آدمی گولی چلانے میں بھی دریغ محسوس نہیں کریں گے۔"

"تمہارا وہ آدمی سرحد سے کب واپس آئے گا؟" شارق نے پوچھا۔

"دو تین دن لگ جائیں گے۔" گلباز خان نے جواب دیا۔

"ویسے میں ایک بات تمہیں بتا دوں خان۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تمہارے آدمی یہاں خوش نہیں ہیں۔ وہ تم سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں اور موقع کی تلاش میں ہیں۔"

"تم کیا جانو؟" گلباز خان نے اسے گھورا۔

"میں نے ان کی باتوں سے اندازہ لگایا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "تھوڑی بہت پشتو میں بھی سمجھ لیتا ہوں۔ آج دوپہر اس طرف آتے ہوئے میں نے ان کی باتیں سنی تھیں۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ لوگ تم سے خوش نہیں ہیں۔"

"میں جانتا ہوں۔" گلباز خان نے جواب دیا۔ "میرے آدمیوں میں بعض ایسے ہیں جو مجھے پسند نہیں کرتے۔ وہ مجھے چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں لیکن مجھ سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ چند روز پہلے میرے دو آدمیوں نے مجھے چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش کی تھی لیکن ان کا انجام دیکھنے کے بعد کوئی بھی مجھ سے غداری کا تصور نہیں کر سکتا۔"

"تم نے انہیں قتل کر دیا تھا؟" شارق نے پوچھا۔

"قتل تو بہت معمولی سی سزا ہے۔" گلباز خان مسکرایا۔ "سینے میں یا سر میں گولی پیوست کر دینے سے آدمی ایک دو منٹ کے اندر اندر ختم ہو جاتا ہے اور سزا کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں سزا تو ایسی ملنی چاہیے جس کا اذیت دہ احساس تو رہے۔"

"تم نے کیا سزا دی تھی انہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"ان کے جسموں پر چھوٹے چھوٹے زخم لگا کر چٹانوں میں انہیں باندھ کر ڈال دیا گیا تھا۔ ان پہاڑوں میں بڑے خونخوار بھیڑیے پھرتے رہتے ہیں۔ رات بھر وہ بھیڑیے ان کا گوشت نوچتے رہے اور ان کی چیخیں یہاں تک سنائی دیتی رہیں۔ ان کے ڈھانچے اب بھی ان چٹانوں میں پڑے ہوئے ہیں۔" گلباز خان نے کہتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔

"ایسی سزا کا دوسروں پر اثر ہوتا ہے لیکن بہت کم مدت کے لیے۔" شارق نے کہا۔ "جو لوگ ارادے کے مضبوط ہوں' دنیا کی کوئی طاقت ان کا راستہ نہیں روک سکتی۔ ویسے میں نے تمہیں بتا دیا ہے' سوچنا تمہارا کام ہے۔"

گلباز خان جواب دینے کے بجائے سوچ میں پڑ گیا۔ شارق دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اس نے گلباز خان کے آدمیوں کی ناراضگی والی بات دل سے گھڑی تھی۔ گویا اندھیرے میں تیر پھینکا تھا

جو اتفاق سے نشانے پر لگا اور گلباز خان نے فوراً ہی اعتراف کر لیا کہ اس کے کچھ آدمی ناراض ہو اور اسے چھوڑ کر راہ فرار اختیار کر سکتے ہیں۔

یہ بات شارق نے دراصل ایک خاص مقصد کے تحت کہی تھی۔ اس نے جو منصوبہ بنایا تو اس کی کامیابی کے لیے ضروری تھا کہ گلباز خان کے دل میں اس کے آدمیوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر دیئے جائیں۔

"میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں گلباز خان۔" شارق بولا۔

"ہاں کہو۔" گلباز خان نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے اس کیمپ کے گرد دور دور تک خاردار تاریں لگی ہوئی ہیں۔ تمہارے مسلح آدمی ہر وقت چاروں طرف گھومتے رہتے ہیں۔ ہمارے گھوڑے تمہارے قبضے میں ہیں۔ ہم یہاں سے بھاگنے کا سوچ بھی نہیں سکتے۔ کیا تم ہمیں اتنی اجازت دو گے کہ ہم اس کمرے سے نکل کر کھلی فضا میں گھوم پھر لیا کریں۔ کمرے میں بند رہنے سے ہمارا دم گھٹنے لگا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم میں سے کوئی بھی کسی قسم کی گڑبڑ کی کوشش نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" گلباز خان نے کہا۔ "میں ابھی تمہارے کمرے کے سامنے سے پہرہ ہٹا لیتا ہوں لیکن تم لوگ جنگل کی طرف جانے کی کوشش نہیں کرو گے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر کچھ یاد آنے پر بولا۔ "نہیں۔ ابھی نہیں۔ خان عبدالقدوس کا آدمی یہاں موجود ہے۔ وہ تم لوگوں کو دیکھ لے گا۔ صبح اس کے جانے کے بعد میں تم لوگوں کو بتا دوں گا۔ اس کے بعد تم لوگ کیمپ کے اندر آزادی سے گھوم پھر سکو گے لیکن گڑبڑ کی صورت میں کسی کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

"ہم کوئی گڑبڑ نہیں کریں گے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

کچھ دیر بعد گلباز خان چلا گیا اور وہ لوگ آپس میں باتیں کرنے لگے۔

"تمہارے ذہن میں کیا ہے؟" محمد عمر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ گلباز خان کے کسی آدمی کو توڑ لو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔"

"دو روز پہلے جس قبائلی کو پکڑا گیا تھا' اس کے بارے میں بھی تم نے یہی کہا تھا لیکن اس کی زبان بھی تم نے ہی کھلوائی تھی۔" شارق نے کہا۔

"وہ اور بات تھی۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "اس کی زبان تشدد سے کھلوائی گئی تھی۔ یہاں اگر تم نے کسی کو پکڑ بھی لیا تو اس پر تشدد کیسے کرو گے؟ کہاں لے جاؤ گے اسے؟"

"تشدد نہیں' میرے ذہن میں ایک اور منصوبہ ہے۔" شارق نے شاہ پری اور ثمینہ کی طرف

دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "جو کام سختی سے نہ ہو' اسے پیار و محبت سے کیا جا سکتا ہے۔ گلباز خان کے آدمیوں کو توڑنے اور انہیں راستے سے ہٹانے کے لیے میرے ذہن میں ایک اور منصوبہ ہے۔"

"وہی تو جاننا چاہتا ہوں۔" محمد عمر نے پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" شارق بولا۔ "آج رات مجھے سوچنے دو' کل صبح بات کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہارا منصوبہ سننے کے بعد میں بھی ایک دو تجاویز پیش کروں گا۔" محمد عمر نے کہا۔

اس کے بعد انہوں نے موضوع بدل دیا اور وہ دوپہر تک باتیں کرتے رہے۔ دور کہیں سے ریڈیو کی آواز آ رہی تھی۔ کیمپ میں کسی نے ٹرانسسٹر ریڈیو لگا رکھا تھا۔

پشتو گانوں کا پروگرام تھا۔ آواز پہاڑیوں میں گونجتی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی۔

شارق دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا وہ آواز سنتا رہا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

صبح ناشتہ کے بعد انہیں کمرے سے باہر نکل کر گھومنے پھرنے کی اجازت دیدی گئی۔ خان عبدالقدوس کا آدمی صبح سویرے ہی واپس جا چکا تھا۔ گلباز خان نے خان عبدالقدوس کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ اجنبی جیسے ہی پہاڑوں میں نظر آئے' انہیں پکڑ کر اس کے پاس بھجوا دیا جائے گا۔

شارق اور ثمینہ دوسرے ساتھیوں سے الگ ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ گلباز خان کے آدمی بھی ادھر ادھر موجود تھے۔ کسی نے ان سے بازپرس نہیں کی۔ شیڈ کے نیچے اگرچہ کام نہیں ہو رہا تھا لیکن شارق کو پتہ چل گیا تھا کہ لیبارٹری میں کام جاری تھا اور گلباز خان صبح سے لیبارٹری میں گھسا ہوا تھا۔ ناشتے سے تھوڑی دیر پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ نظر نہیں آیا تھا۔

شارق اور ثمینہ ٹہلتے ہوئے ایک جگہ رک گئے۔ ان کے سامنے ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کا قطر تقریباً بیس فٹ تھا اور اس پر کوئی منڈیر وغیرہ نہیں تھی۔ شارق نے ایک پتھر اٹھا کر کنویں میں پھینک دیا۔ بہت دیر بعد اس پتھر کے پانی میں گرنے کی آواز سنائی دی تھی جس کا مطلب تھا کہ کنواں خاصا گہرا تھا۔ اس نے کنارے پر کھڑے ہو کر جھانکا مگر نیچے گہری تاریکی تھی۔ کنویں کے دوسری طرف گنجان جھاڑیاں تھیں جو کئی گز دور چٹان کے دامن تک چلی گئی تھیں۔ کنویں کے بارے میں یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ یہ انسانی ہاتھوں کا کمال تھا یا قدرتی طور پر معرض وجود میں آگیا تھا۔

وہ دونوں وہاں سے ہٹ کر ٹہلتے ہوئے عمارت کے دوسری طرف ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گئے

اور چاروں طرف دیکھنے لگے۔ شارق کے خیال میں یہاں سے فرار ہونا واقعی بہت مشکل تھا لیکن بہرحال ناممکن کا لفظ اس کی ڈکشنری میں نہیں تھا۔

"ثمینہ!" شارق نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ کنواں تم نے دیکھا ہے؟"

"ہاں۔" ثمینہ نے سر ہلایا۔ "میرا خیال ہے یہ کنواں قدرتی ہے اور بہت گہرا ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" شارق بولا۔ "اور میرا یہ بھی خیال ہے کہ اگر دس بیس آدمی اس میں پھینک دیئے جائیں تو پتہ بھی نہیں چلے گا۔" شارق بولا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" ثمینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ کنواں میں نے کل بھی دیکھا تھا۔" شارق نے کہا۔ "اور اس کے بعد ہی وہ منصوبہ میرے ذہن میں آیا تھا لیکن اس پر عمل کے لیے تمہیں اور شاہ پری کو اہم کردار ادا کرنا پڑے گا۔"

"ذرا تفصیل سے بتاؤ۔" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہم نہتے ہیں اور ان لوگوں کی قید میں ہیں۔ ان کی تعداد بھی ہم سے زیادہ ہے۔ طاقت استعمال کرکے ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ ان لوگوں پر قابو پانے اور یہاں سے نکلنے کے لیے چالاکی کی ضرورت ہے اور تم دونوں یہ کام کر سکتی ہو۔ ان لوگوں نے جب ہمیں گھیرے میں لیا تھا تو میں نے اس وقت محسوس کر لیا تھا کہ سب لوگ للچائی ہوئی نظروں سے تم دونوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یہ لوگ پتہ نہیں کب سے ان پہاڑوں میں رہ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ کوئی عورت نہیں ہے اور تم جانتی ہو کہ کوئی مرد عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور مجھے حیرت ہے کہ ان لوگوں نے اب تک ایسی کوئی حرکت کیوں نہیں کی۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ گلباز خان نے ہر معاملہ میں انہیں مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں کر رکھا ہے لیکن تمہاری اور شاہ پری کی طرف سے ذرا سی حوصلہ افزائی انہیں گلباز خان سے بغاوت پر مجبور کر سکتی ہے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میں اور شاہ پری انہیں لالچ دے کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کریں۔"

"ملانے کی کوشش نہیں۔" شارق نے کہا۔ "انہیں اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرنا خطرناک ہوگا۔ ایسی صورت میں بعد میں یہی لوگ ہمارے لیے بھی خطرناک ثابت ہوں گے۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "کل رات میں نے گلباز خان سے جب یہ کہا تھا کہ اس کے آدمی اس سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں اور یہاں سے بھاگنے کے لیے موقع کی تلاش

میں ہیں تو میری اس بات میں کوئی سچائی نہیں تھی۔ میں نے محض اندھیرے میں تیر پھینکا تھا لیکن یہ تیر نشانے پر لگا اور گلباز خان نے خود ہی اعتراف کر لیا کہ بعض آدمی واقعی یہاں سے بھاگنا چاہتے ہیں۔ یہ صورتحال ہمارے حق میں ہے۔ تم اور شاہ پری ایک ایک کرکے انہیں قابو میں کرتی جاؤ تو وہ کنواں ہمارے لیے بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ گلباز خان یہی سمجھے گا کہ اس کے ساتھی ایک ایک کرکے بھاگ رہے ہیں۔"

"اگر اسے ہماری سازش کا پتہ چل گیا تو وہ ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"ہمیں یہ رسک تو لینا ہی پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے تو گلباز خان ہمیں حکومت کے حوالے کر دے گا۔" ہم اب تک افغانستان میں جو کچھ بھی کر چکے ہیں' اس کے پیش نظر تم سوچ سکتی ہو کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں لیکن شاہ پری....."

"وہ بھی انکار نہیں کرے گی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں خود اس سے بات کر لوں گا۔ اس نے ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیا ہے۔ اب بھی وہ انکار نہیں کرے گی۔"

"ٹھیک ہے' تم اس سے بات کر لو۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات اور بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ان لوگوں کو تم دیکھ چکے ہو۔ یہ انسان نہیں' وحشی ہیں اور بقول تمہارے عورت کو ترسے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے مجھ پر یا شاہ پری پر قابو پا لیا تو..... میرا مطلب ہے....."

"میں سمجھ رہا ہوں۔" شارق بولا۔ "اگر کوئی ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو تم شور مچا سکتی ہو۔ ایسی صورت میں اسی کو مورد الزام ٹھہرایا جائے گا۔"

"کیا آج دن میں ہی....."

"نہیں....." شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آج رات۔ ان کاموں کے لیے رات ہی بہتر ہوتی ہے۔ رات کو یہ لوگ ادھر ادھر بکھرے ہوتے ہیں۔ انہیں ایک ایک کرکے آسانی سے قابو میں کیا جا سکتا ہے۔ اب میں ذرا شاہ پری سے بات کر لوں' وہ نولکھا کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہے۔"

وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر ٹہلتے ہوئے اس طرف آگئے جہاں شاہ پری اور نولکھا بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمینہ بھی ان کے قریب بیٹھ گئی اور شارق کھڑے کھڑے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر اس نے شاہ پری کو اشارہ کیا اور ایک طرف چل پڑا۔ شاہ پری بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آگئی۔ وہ دونوں ایک

جگہ رک گئے۔

"شاہ پری۔" شارق اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ "تم جانتی ہو کہ ہم کس قسم کی صورتحال سے دوچار ہیں۔ اگر ہم نے یہاں سے فرار کا کوئی راستہ تلاش نہ کیا تو یہ لوگ ہمیں ختم کر دیں گے یا حکومت کے حوالے کر دیں گے۔"

"رات کو تم نے کوئی بات کی تھی مگر تفصیل نہیں بتائی تھی۔" شاہ پری بولی۔ "تمہارے ذہن میں کیا ہے؟"

"تم اور ثمینہ وہ کام کر سکتی ہو جو اس وقت ہم نہیں کر سکتے۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ گئی۔" شاہ پری بولی۔ "میرے ذہن میں بھی کچھ ایسی ہی تجویز ہے۔ کچھ کام ایسے بھی ہوتے ہیں جو مرد نہیں کر سکتے اور یہ ایسا ہی موقع ہے۔ میں تم سے اس موقع پر بات کرنے والی تھی۔ میں اور ثمینہ....."

"میں ثمینہ سے بات کر چکا ہوں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ تیار ہے لیکن بعض اندیشوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"اس کی تم پروا مت کرو۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں جس شخص کو اپنے قریب آنے کا موقع دوں گی' اس کے ہاتھ اسی حد تک حرکت کریں گے جہاں تک میں اجازت دوں گی۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔"

"گڈ۔" شارق مسکرایا۔ "آج دوپہر کے کھانے کے بعد ہم اس منصوبے کی تمام تفصیلات طے کر لیں گے اور آج رات ہی سے اس پر عمل شروع کر دیں گے۔"

"ٹھیک ہے' اس موضوع پر اب کھانے کے بعد ہی بات ہوگی۔ اب کچھ اور باتیں کریں۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ شارق بھی مسکرا دیا تھا۔

○

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ لوگ کمرے میں بیٹھے رہے۔ شارق نے اپنا منصوبہ ان کے سامنے پیش کر دیا۔ ثمینہ اور شاہ پری کو وہ پہلے ہی بتا چکا تھا۔ نولکھا اور محمد عمر کو بھی بتانا ضروری تھا۔ اس کی بات سن کر محمد عمر کن انکھیوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا انہیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا؟"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" ثمینہ نے کہا۔ "خطرہ ہمیں نہیں' ان لوگوں کو ہوگا جنہیں ہم اپنے جال میں پھانسیں گی۔ اس منصوبے پر عمل کس طرح ہوگا۔ میرا مطلب ہے طریقہ کار کیا ہوگا؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"طریقہ کار۔" شارق بولا۔ "یہ دونوں باری باری ایک ایک آدمی کو پھانس کر ان جھاڑیوں میں لے آئیں گی جہاں میں یا تم پہلے سے چھپے ہوئے ہوں گے اور پھر موقع پاتے ہی ہم اس آدمی پر قابو پائیں گے اور اس کا گلا گھونٹ کر لاش کو کنویں میں پھینک دیں گے۔ رات بھر میں اگر ہم تین چار آدمیوں کو بھی اسی طرح ٹھکانے لگا دیں تو ایک تو ہمارے دشمنوں کی تعداد کم ہو جائے گی اور دوسرے ہمارے ہاتھ میں اسلحہ بھی آجائے گا۔ اس کے بعد ہمارے لیے ان لوگوں سے نمٹنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔"

"اگر گلباز خان یا کسی اور کو ہم پر شبہ ہو گیا تو....."

"ایسی صورت میں موقع محل کے مطابق قدم اٹھایا جائے گا۔" شارق نے کہا کمرے کے باہر قدموں کی آہٹ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ ہی دیر بعد ایک آدمی کمرے میں داخل ہوا۔ وہ چند لمحے باری باری ان سب کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر شارق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"تمہیں گلباز خان بلاتا ہے۔"

شارق اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔ وہ لیبارٹری والے مکان میں آگئے۔ باہر سے یہ مکان بظاہر چھوٹا سا لگتا تھا لیکن اس کے نیچے ایک بہت وسیع و عریض تہہ خانہ تھا۔ اس تہہ خانے میں قائم لیبارٹری دیکھ کر شارق کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ بہت بڑی لیبارٹری تھی۔

تہہ خانے میں گلباز خان کے علاوہ دو آدمی اور بھی تھے۔ وہ تینوں چائے پی رہے تھے۔ ایک آدمی نے پیالی میں چائے ڈال کر شارق کی طرف بڑھا دی۔

"میں نے تمہیں ایک ضروری بات کرنے کے لیے بلایا ہے۔" گلباز خان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج صبح میرے دو آدمی سروبی جا چکے ہیں۔ وہ حکومت کے نمائندے سے رابطہ کریں گے اور معاملہ طے کرنے کی کوشش کریں گے لیکن کچھ دیر پہلے میرا ایک آدمی سروبی سے یہاں آیا بھی ہے۔ اس کے پاس تم لوگوں کے بارے میں کچھ خاص اطلاعات ہیں۔"

"کیسی اطلاعات؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہی کہ تم لوگ کون ہو۔" گلباز خان نے کہا۔ "حاجی کا نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے لیکن میرا اس سے کبھی رابطہ نہیں ہوا۔ وہ ہماری لائن کا ایک کامیاب بزنس مین ہے۔ پوری دنیا میں اس کے نمائندے موجود ہیں۔ افغانستان میں ملک فرید خان کے علاوہ اور بھی چند لوگوں سے

کاروباری تعلقات ہیں لیکن یہ اتفاق ہے کہ میرا کبھی اس سے رابطہ نہیں ہوا اور یہ بھی اتفاق ہے کہ تم لوگ یہاں موجود ہو۔ میں تمہارے ساتھ ایک ڈیل کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیسی ڈیل؟" شارق نے پوچھا۔

"پاکستان میں اگرچہ میرے بھی نمائندے موجود ہیں لیکن وہ حساب میں کچھ گڑبڑ کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ حاجی سے میرا معاملہ طے ہو جائے۔ اس کے لیے میں تمہاری خدمات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو ہم میں معاملہ طے ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں تم میرے قیدی نہیں' مہمان ہو گے اور یہاں تمہیں ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہوں گی۔ میں سروبی سے اپنے آدمیوں کو بھی واپس بلا لوں گا۔"

"اگر میں ہاں کہہ دوں تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟" شارق نے جواب دیا۔ "ہم اس وقت اپنے لیے خطرہ محسوس کر رہے ہیں۔ اپنی جانیں بچانے کے لیے میں اس وقت تو تمہاری بات مان لوں لیکن یہاں سے نکل کر سب کچھ بھول جاؤں تو تم میرا کیا کر لو گے؟"

"میرے آدمی پاکستان میں بھی موجود ہیں۔ وہ تمہیں نہیں بھولنے دیں گے۔" گلباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے بھی میں سمجھتا ہوں کہ تم جیسا آدمی اپنی کسی بات سے پھرتا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم جو بات کرو گے' اس میں منافقت نہیں ہوگی۔"

"مجھے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنا ہوگا۔" شارق بولا۔

"میرا خیال ہے اس میں کسی سے مشورے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے ساتھیوں کو بھی تمہارے فیصلے سے خوشی ہوگی لیکن بہرحال تم ان سے بات کر لو لیکن اس کا جواب مجھے سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے مل جانا چاہیے۔ ہاں کی صورت میں اپنے آدمی کو اسی وقت سروبی روانہ کر دوں گا تو میرے دوسرے آدمیوں کو حکومت سے رابطہ کرنے سے روک دے گا۔ اب تم جاؤ اور زیادہ وقت ضائع مت کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہیں شام سے پہلے پہلے بتا دوں گا۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ کمرے میں آکر اس نے اپنے ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس نئے اور دلچسپ موڑ نے ان کی آنکھوں میں چمک سی پیدا کر دی۔ انہیں یہاں سے نکلنے کا موقع مل رہا تھا۔

"ہمیں گلباز خان کی یہ پیشکش قبول کر لینی چاہیے۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن ہمارا پروگرام بدستور رہے گا۔ ہم اپنے منصوبے پر ضرور عمل کریں گے۔"

"وہ تو ضرور ہوگا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تو ٹھیک ہے' میں ایک گھنٹے بعد گلباز خان کو بتا دوں گا کہ ہمیں اس کی پیشکش منظور ہے۔"

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد شارق نے گلباز خان کو بتا دیا کہ انہیں اس کی پیشکش منظور ہے۔

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" گلباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں ابھی اپنے آدمی کو سروبی روانہ کر دیتا ہوں اور آج رات میری طرف سے تم لوگوں کی دعوت ہوگی۔ ہم اپنی دوستی کا جشن منائیں گے۔"

شارق واپس آگیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد انہوں نے چٹانوں پر مختلف جگہوں پر کھڑے ہوئے گن مینوں کو واپس آتے ہوئے دیکھا' گویا پہرہ بھی ہٹا لیا گیا تھا۔

"یہ اچھی بات ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ "ان لوگوں کے ادھر ادھر بکھرے ہوئے ہونے کی وجہ سے ہمیں اپنے کام میں دشواری پیش آتی۔ اب ہمارا کام آسان ہو گیا ہے۔"

گلباز خان کا آدمی سروبی روانہ ہو گیا تھا اور شام ہوتے ہی دعوت کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ دو آدمی سورج غروب ہونے سے تقریباً دو گھنٹے پہلے پہاڑوں میں چلے گئے تھے۔ ان کی واپسی سورج غروب ہونے کے بعد ہوئی تھی۔ وہ چار مارخور شکار کر کے لائے تھے جن کی کھالیں اتار کر پارچے بنا لیے گئے تھے اور آگ کا الاؤ روشن کر کے بھی تیار کی جا رہی تھی۔

آٹھ بجے کے لگ بھگ کھانا تیار ہوا۔ ان سب نے مل کر کھانا کھایا تھا۔ گلباز خان کے ساتھی وحشیوں کی طرح گوشت کھا رہے تھے۔ ان میں سے ایک کھانا کھاتے کھاتے اٹھ کر ثمینہ کے قریب آگیا۔ ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ اس شخص نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی بوٹی ثمینہ کی طرف بڑھائی۔ ثمینہ نے منہ کھول دیا۔

ثمینہ نے اس شخص کے ہاتھ سے بوٹی کھائی تو فضا قہقہوں سے گونج اٹھی۔ ثمینہ اس شخص کی مسلسل حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔ ایک آدمی شاہ پری پر مہربان ہونے کی کوشش کر رہا تھا اور شاہ پری بھی اس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی۔

رات دس بجے تک یہ محفل جاری رہی اور پھر شارق اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

گلباز خان نے بھی محفل برخواست ہونے کا اعلان کر دیا۔ شارق اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنے کمرے کی طرف آگیا۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ وہ دونوں آدمی حسرت بھری نگاہوں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے جو ان سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

اپنے کمرے میں آکر وہ سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے۔ انہوں نے پروگرام طے کر لیا اور پھر شارق اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا۔ لیبارٹری کی طرف بلب جل رہا تھا لیکن دوسری طرف تاریکی تھی۔ شارق کچھ دیر تک ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر محتاط انداز میں چلتا ہوا کنویں کی طرف بڑھنے لگا۔

کنویں کے قریب پہنچ کر وہ رکا اور پھر ایک مختصر چکر کاٹتا ہوا دوسری طرف جھاڑیوں میں گھس گیا۔

اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد ثمینہ کمرے سے نکلی۔ وہ بھی کچھ دیر تک دروازے کے باہر کھڑی تاریکی میں گھومتی رہی' پھر وہ بے قدموں ایک طرف چلنے لگی۔ اس وقت اس کا دل بڑی تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

آج دن بھر میں اس نے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ لیبارٹری کے دائیں طرف ایک نہ ایک آدمی چوبیس گھنٹے موجود رہتا تھا اور ثمینہ اسی طرف جا رہی تھی۔ عمارت کا موڑ گھومتے ہی وہ رک گئی۔ لیبارٹری کی طرف پچھلی دیوار کے ساتھ ایک بلب جل رہا تھا۔ دیوار ہونے کی وجہ سے اس کی روشنی زیادہ دور تک نہیں پھیل رہی تھی۔

ثمینہ دیوار کے قریب کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ اسے وہ آدمی نظر آگیا جو وہاں سے تقریباً تیس فٹ دور بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا رخ دوسری طرف تھا۔

ثمینہ نے اپنی قمیض کے اوپری دو بٹن کھول دیئے اور دبے قدموں ایک طرف چلنے لگی۔

وہ پتھروں کی آڑ میں چل رہی تھی۔ تقریباً دس گز کا فاصلہ طے کرکے وہ رک گئی۔ وہاں سے پتھروں کی آڑ ہونے کی وجہ سے روشنی زیادہ نہیں تھی۔ وہ کچھ اور آگے بڑھ گئی۔ یہاں سے وہ آدمی صاف نظر آرہا تھا۔ ثمینہ ہولے سے کھانسی۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے اچانک آنے والی کھانسی پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

کھانسی کی آواز سن کر وہ شخص تیزی سے اس طرف دوڑا۔ اس نے ثمینہ کو دیکھ لیا تھا۔ ثمینہ اس طرح کھڑی تھی جیسے اس شخص کی موجودگی سے بے خبر ہو۔ وہ شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر دبے قدموں چلتا ہوا اس طرف آنے لگا۔ قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔

آہٹ پا کر ثمینہ پیچھے مڑی۔ اس شخص کو اپنے قریب دیکھ کر اس کے چہرے کی رنگت مستغر ہو گئی۔

"اے۔ تم یہاں کیا کرتا ہے؟" وہ شخص بولا۔ اس کی آواز زیادہ بلند نہیں تھی۔ "کمرے میں لیٹے لیٹے دم گھٹ رہا تھا۔ تازہ ہوا کھانے کے لیے یہاں آگئی تھی۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" ثمینہ نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"او ہم کو کیا اعتراض ہوگا۔ آؤ' ہمارا ساتھ بیٹھ کر بات کرو۔" وہ شخص دو قدم آگے بڑھ آیا۔

ثمینہ ذرا سا پہلو موڑے کھڑی تھی۔ وہ ایک دم سیدھی ہو گئی۔ اس کی قمیض کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ اس شخص کی نظریں ثمینہ کے جسم کا طواف کر رہی تھیں۔

"او..... تم تو بوت زوردار ہے۔ بیٹھو بیٹھو..... ہمارا ساتھ بات کرو۔" وہ شخص ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ثمینہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور وہ بھی بیٹھ گئی۔ وہ شخص اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ثمینہ کی کمر پر رینگ رہا تھا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ہمارا ہاتھ مت پکڑو۔" اس شخص کی سانس بے ربط ہو رہی تھی۔ "تم ہمارا کو خوش کرو ہم ادھر تمہارا بوت خیال رکھے گا۔"

"مجھے کوئی انکار نہیں خان لیکن یہاں نہیں۔" ثمینہ بولی۔

"تو پھر کدھر؟" وہ شخص بولا۔

"ادھر' جھاڑیوں میں۔" ثمینہ نے اشارہ کیا۔ "یہاں روشنی ہے' اگر کسی نے دیکھ لیا تو....."

"او تم سچ بولتا ہے۔" وہ شخص جلدی سے بولا۔ "چلو..... ادھر چلو۔"

اس شخص نے اٹھ کر پہلے چاروں طرف دیکھا۔ پھر ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا جھاڑیوں کی طرف چل پڑا۔ ثمینہ بھی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔ اس شخص نے ثمینہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ ایک مختصر سا چکر کاٹ کر جھاڑیوں میں آگئے۔ ثمینہ اسے اس طرف لے جا رہی تھی جہاں شارق موجود تھا۔ جگہ کا تعین وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔

جھاڑیوں میں پہنچتے ہی اس شخص نے ثمینہ کو اپنی گرفت میں لیا۔

"ادھر نہیں۔ ذرا اور آگے۔" ثمینہ نے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے سرگوشی کی۔

"چلو..... آگے چلو....." وہ شخص بے قابو ہو رہا تھا۔

ثمینہ آگے چل پڑی۔ چند قدم بعد وہ رک گئی۔ اس شخص نے اچانک ہی اسے دبوچ لیا۔ ثمینہ نیچے گر گئی۔ وہ شخص اس کے اوپر تھا اور وحشیوں ہی کی طرح دونوں ہاتھوں سے اسے نوچ رہا تھا۔ ثمینہ کو شدید گھن آرہی تھی۔

جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی آواز سن کر ثمینہ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ثمینہ پر لدے ہوئے اس شخص نے بھی شاید جھاڑیوں کی سرسراہٹ سن لی تھی۔ وہ ثمینہ کو چھوڑ کر پیچھے مڑا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔

شارق نے جھاڑیوں میں سے چھلانگ لگا کر بڑی پھرتی سے اسے دبوچ لیا تھا۔ شارق کے دونوں ہاتھ اس شخص کی گردن پر تھے اور وہ پوری قوت سے اس کا نرخرہ دبا رہا تھا۔ وہ شخص بری

طرح اچھل رہا تھا۔ ثمینہ نے اس کی ٹانگیں پکڑ رکھی تھیں۔

چند منٹ بعد ہی اس شخص کی مزاحمت ختم ہو گئی لیکن شارق نے اس کی گردن سے ہاتھ اسی وقت ہٹائے تھے جب اسے اطمینان ہو گیا تھا کہ وہ ختم ہو چکا ہے۔ اسے چھوڑ کر شارق اپنے پھولے ہوئے سانس پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ثمینہ اس کے قریب ہی کھڑی قمیض کے بٹن بند کر رہی تھی۔

چند منٹ بعد شارق نے اس شخص کی لاش کندھے پر اٹھائی۔ وہ بڑی احتیاط سے چلتے ہوئے کنویں کے کنارے پر پہنچ گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے شارق نے لاش کنویں میں پھینک دی۔

کنویں کی گہرائی میں لاش گرنے کی مدھم سی آواز سن کر شارق نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس نے ثمینہ کی طرف دیکھا اور وہ دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگے۔

○

اس وقت رات کے دو بجے تھے۔

شاہ پری اپنے کمرے سے نکل کر دبے قدموں چلتی ہوئی اس شیڈ کے نیچے پہنچ گئی جہاں بہت سے ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ دھویں سے کالے ہوئے ان ڈرموں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ان میں تارکول رہا ہوگا لیکن ایسا نہیں تھا۔ یہ ڈرم افیون سے مارفین بنانے کے لیے استعمال ہوتے تھے۔ مسلسل چولہوں پر چڑھے رہنے سے یہ نہ صرف باہر سے کالے ہو گئے تھے بلکہ ان کے اندر پکنے والی افیون نے انہیں اندر سے بھی کالا کر دیا تھا۔

ڈرموں سے ذرا آگے لکڑیوں کے انبار تھے۔ موٹی موٹی لکڑیاں تھیں اور بعض تو درختوں کے پورے پورے تنے تھے۔ گلباز خان کے آدمی پہاڑوں سے لکڑیاں کاٹ کر یہاں جمع کرتے رہتے تھے جو ان ڈرموں میں مارفین کی تیاری میں جلائی جاتی تھیں۔

شاہ پری لکڑیوں کے اس انبار کے قریب رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ لکڑیوں کے اس انبار کے دوسری طرف چند گز کے فاصلے پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ ممکن ہے، وہ اونگھ رہا ہو یا گہری نیند سو گیا ہو۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے وہ جاگ رہا ہو اور پوری طرح چوکس ہو۔

وہ کچھ دیر لکڑیوں کے انبار کے قریب کھڑی رہی اور پھر ڈرموں کے پاس آگئی۔ وہ چند لمحے وہاں بھی خاموش اور بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ پھر ایک ڈرم کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بہت آہستہ آہستہ اس کی جگہ سے ہٹانے لگی۔ ڈرم خالی ہونے کے باوجود خاصا وزنی تھا۔ شاہ پری ڈرم کے کناروں سے پکڑ کر آہستہ آہستہ گھماتی ہوئی اس کی جگہ سے تین چار فٹ دور لے گئی اور پھر "دھڑام" ڈرم اس کے ہاتھوں سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

سناٹے میں ڈرم کے گرنے کی آواز دور تک پھیلی تھی لیکن اس کے فوراً ہی بعد یکدم سناٹا چھا گیا تھا۔ شاہ پری کو یقین تھا کہ لکڑیوں کے انبار کے دوسری طرف بیٹھے ہوئے محافظ نے وہ آواز سنی ہوگی۔ وہ بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتی ہوئی اپنی جگہ سے ہٹ کر چند فٹ دور ایک اور ڈرم کے پیچھے چھپ گئی۔

چند لمحے خاموشی رہی اور پھر قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ شاہ پری نے محافظ کو لکڑیوں کے انبار کے دوسری طرف سے نکلتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک اور ڈرم کے پیچھے چھپ گئی۔ کچھ دیر تک قدموں کی آواز سنائی دیتی رہی اور ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

شاہ پری ڈرم کی آڑ سے جھانک کر دیکھنے لگی۔ وہ محافظ نظر نہیں آرہا تھا اور نہ ہی کسی طرف سے اس کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا ہو گا۔ شاہ پری اپنی جگہ سے حرکت کرنا ہی چاہتی تھی کہ اپنے عقب میں ہلکی سی آہٹ سن کر چونک گئی۔ وہ تیزی سے پیچھے مڑی لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔ رائفل کی نال اس کی پشت سے لگ گئی اور اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی غراہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"تم جو کوئی بھی ہو' اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔"

شاہ پری کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ یہ جملہ پشتو میں کہا گیا تھا اور یہ یقیناً وہی محافظ تھا جو کچھ دیر پہلے ڈرم کے گرنے کی آواز سن کر لکڑیوں کے انبار کے پیچھے سے نکلا تھا۔ وہ یقیناً بہت محتاط آدمی تھا اور بڑی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کے عقب میں پہنچا تھا۔

"ہاتھ اٹھا کر میری طرف گھوم جاؤ اور کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش نہ کرنا۔" محافظ نے غرا کر کہا۔

شاہ پری نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور آہستہ آہستہ گھوم گئی۔ اس کے سر پر دوپٹہ یا چادر قسم کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس طرح ہاتھ اوپر اٹھانے سے اس کے سینے میں تناؤ پیدا ہو گیا۔ سامنے کھڑے ہوئے محافظ کی نظر اس کے چہرے اور سینے پر پڑی تو اس کے منہ سے بھی بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔

"تت..... تم..... تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ ہکلایا۔

"کک..... کچھ نہیں۔" شاہ پری نے خوفزدہ لہجے میں جواب دیا۔ "ایسے ہی یہاں آگئی تھی۔"

"آدھی رات کو ایسے ہی تو ادھر نہیں آئی ہو۔" محافظ نے جواب دیا۔ "ایسے ہی یہاں آگئی تھی۔"

محافظ نے کہا۔ "میں ابھی تمہیں گلباز خان کے پاس لے جاتا ہوں۔ وہ تم سے پوچھ لے گا کہ اس وقت یہاں کیا کر رہی تھی۔"

"نہیں نہیں۔" شاہ پری جلدی سے بولی۔ "وہ مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔ مم..... میں یہاں کچھ نہیں کر رہی تھی۔ تم مجھے جانے دو....."

"تمہیں جانے دوں۔" محافظ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "ایک شرط پر

نہیں چھوڑ دوں گا۔"

"مم..... مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے..... بولو کیا چاہتے ہو۔" شاہ پری خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"تم خود سوچ سکتی ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔" محافظ نے کہتے ہوئے رائفل نیچے جھکا لی اور دو قدم آگے بڑھ کر دوسرے ہاتھ سے اس کا جسم ٹٹولنے لگا۔

"اگر میں تمہیں گلباز خان کے پاس لے جاؤں گا تو منہ سے بات وہ بھی نہیں کرے گا۔ وہاں دوسرے بھی ہوں گے جو کسی اور طریقے سے بات کریں گے۔ یہاں تو میں اکیلا ہوں۔" محافظ نے جواب دیا۔ اس کی آنکھوں میں ہوس کی چمک ابھر آئی تھی۔

"کک..... کیا چاہتے ہو تم.....؟" شاہ پری بولی۔

"تم اتنی انجان نہیں ہو کہ میری بات کا مطلب نہ سمجھ سکو۔ اگر واقعی نہیں سمجھی ہو تو آؤ۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔" محافظ نے کہتے ہوئے اسے بازو سے پکڑ لیا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اسے تاریکی میں اس طرف لے جانے لگا جہاں بوریوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔

شاہ پری کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ بوریوں کے ڈھیر کے پیچھے پہنچ کر محافظ نے رائفل زمین پر رکھ دی اور شاہ پری کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

اس کے منہ کی بدبو سے شاہ پری کو ابکائی سی آگئی۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اس کی گرفت سے چھڑایا اور گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ محافظ اسے دوبارہ اپنے ساتھ لپٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔

کسی طرف سے آہٹ سن کر وہ دونوں چونک گئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ محافظ نے بوریوں کی آڑ سے بھی جھانک کر دیکھا لیکن کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔ "یہاں اگر کوئی اور آگیا تو مصیبت آجائے گی۔ میں اور چلو۔"

"کدھر چلوں؟" محافظ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"اس طرف جھاڑیاں ہیں۔ وہاں کوئی نہیں آسکتا۔" شاہ پری نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"تم تو بہت عقلمند ہو۔" محافظ مسکرا دیا۔ اس نے جھک کر اپنی رائفل اٹھا لی اور وہ بوریوں کی آڑ سے نکل کر شیڈ کے پچھلی طرف سے ہوتے ہوئے جھاڑیوں کی طرف آگئے۔

جھاڑیوں میں چند قدم آگے جا کر محافظ رک گیا۔ اس نے شاہ پری کا ہاتھ پکڑ لیا۔ "یہ جگہ ٹھیک ہے۔ ادھر کوئی نہیں آئے گا۔" وہ بولا۔

محافظ نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا اور اس کے ساتھ چلتا رہا۔ جھاڑیاں خاصی گنجان تھیں۔

ایک کھلی جگہ پر پہنچ کر شاہ پری رک گئی۔ محافظ نے رائفل نیچے رکھ دی اور دونوں ہاتھوں
شاہ پری کو پکڑ لیا۔ شاہ پری اسے مزید اشتعال دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ محافظ کی آنکھوں
وحشیانہ چمک ابھر آئی۔ وہ شاہ پری پر جھکا ہی تھا کہ ایک ہاتھ اس کی گردن پر لپٹ گیا۔

وہ محمد عمر تھا جو پہلے سے جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اس نے موقع پاتے ہی جھاڑیوں سے
کر بڑی آہستگی سے اپنا بازو محافظ کی گردن پر لپیٹ دیا تھا اور اب آہستہ آہستہ پیچھے کھینچ رہا تھا۔

محافظ کے لیے یہ سب کچھ بالکل غیر متوقع تھا۔ اس نے شیڈ میں شاہ پری کو دیکھا تھا تو
کے دل میں ہوس جاگ اٹھی تھی اور وہ بڑی خوشگوار امید بھی لے کر شاہ پری کے ساتھ
جھاڑیوں میں آگیا تھا۔ اس نے یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں موت اس کی منتظر ہوگی۔ اسے یہ
محسوس ہو رہا تھا جیسے آہنی شکنجہ اس کی گردن پر فٹ کر دیا گیا ہو۔

محافظ نے دونوں بازو محمد عمر کے بازو پر جما دیئے تھے اور وہ گرفت چھڑانے کی بھرپور کوشش
کر رہا تھا۔ اس کے حلق سے خرخراہٹ کی ہلکی ہلکی آوازیں نکل رہی تھیں۔

محمد عمر اسے قابو رکھنے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہا تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا
اگر محافظ اس کے ہاتھ سے نکل گیا تو وہ شور مچا دے گا اور پھر ان کی اپنی زندگیوں کی کوئی ضمانت
نہیں ہوگی۔

محمد عمر کا انگوٹھا محافظ کے نرخرے پر جم گیا۔ وہ پوری قوت سے اس کا نرخرا دبا رہا تھا۔ اس
کی آنکھیں ابلنے لگیں۔ وہ بری طرح ہاتھ پیر مارنے لگا۔ شاہ پری نے قریب پڑا ہوا ایک پتھر اٹھا
اس کے سر پر دے مارا۔ محافظ کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ وہ آخری مرتبہ محمد عمر کی بانہوں
میں مچلا اور پھر اس کا جسم ڈھیلا پڑتا چلا گیا۔

محمد عمر نے دو منٹ بعد اسے چھوڑ دیا۔ وہ ختم ہو چکا تھا۔ محمد عمر گہرے گہرے سانس لے
تھا۔ اس نے زندگی میں کئی انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا لیکن اس شخص کا گلا گھونٹتے ہو
اسے دانتوں پسینہ آگیا تھا۔

ہولے ہولے سانس پر قابو پانے میں کئی منٹ لگ گئے تھے۔ پھر اس نے محافظ کی رائفل
کندھے پر لٹکا لی اور شاہ پری کو اشارہ کرتے ہوئے محافظ کی لاش کو ٹانگوں سے پکڑ لیا۔ شاہ پری
نے لاش کی بغلوں میں ہاتھ ڈال دیئے تھے۔ وہ دونوں لاش کو اٹھا کر کنویں کے پاس آگئے۔ لاش
کنویں کے کنارے پر رکھ کر محمد عمر نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر لاش کو کنویں میں دھکیل دیا
تھوڑی دیر بعد کنویں کی گہرائی سے شراپ کی ہلکی سی آواز سن کر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

وہ دونوں کنویں کے قریب ہی جھاڑیوں میں کچھ تلاش کرتے رہے۔ شاہ پری ایک جگہ رک

گئی۔ وہاں جھاڑیوں میں ایک کلاشنکوف رائفل پڑی ہوئی تھی۔ محمد عمر نے اپنی رائفل بھی اس
کے قریب رکھ دی اور جھاڑیاں برابر کرکے شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ شاہ پری کی قمیض سامنے
سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ اس نے جلدی سے رخ
بدل لیا۔

"چلو.....واپس چلیں۔" اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

شاہ پری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اس نے پھٹی ہوئی قمیض کے دونوں کونے
پکڑ کر گرہ لگا لی اور جھاڑیوں میں ایک طرف چلنے لگی۔ جھاڑیوں کے اختتام پر پہنچ کر وہ رک
گئے۔ محمد عمر محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"چلو.....تم نکل جاؤ۔" محمد عمر نے سرگوشی کی۔

شاہ پری جھاڑیوں سے نکل آئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی عمارت کی طرف بڑھنے لگی۔ کچھ
ہی دیر بعد وہ کمرے میں پہنچ چکی تھی۔

ثمینہ، نوکھا اور شارق جاگ رہے تھے۔ شاہ پری کو دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ ثمینہ کی
نظریں فوراً ہی شاہ پری کی پھٹی ہوئی قمیض کی طرف اٹھ گئیں۔

"کیا رہا؟ محمد عمر کہاں ہے؟" اس نے سرگوشیانہ لہجے میں پوچھا۔

"وہ آرہا ہے۔" شاہ پری کہتے ہوئے بیٹھ گئی۔ "ہم واقعی وحشیوں میں پھنس گئے ہیں۔ اگر
میں اکیلی اس کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ مجھے خونخوار بھیڑیوں کی طرح چیر پھاڑ ڈالتا۔"

شارق کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اسی وقت محمد عمر بھی آگیا۔ وہ لوگ سرگوشیوں میں باتیں کرتے
رہے۔

"رائفل وہیں رکھ دی تھی نا؟" شارق نے محمد عمر سے پوچھا۔

"ہاں۔ وہاں تمہاری رکھی ہوئی رائفل بھی موجود تھی۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ پھر چند لمحوں
کی خاموشی کے بعد بولا۔ "جب ہم یہاں آئے تھے تو ان کی تعداد دس تھی۔ دو آدمی پہلے چلے گئے
تھے۔ تیسرے کو شام کو گلباز خان نے بھیج دیا تھا اور دو کو ہم نے انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے۔ اس
طرح اب یہاں صرف پانچ آدمی رہ گئے ہیں۔"

"اگر گلباز خان کو یہ شبہ ہو گیا کہ ان دو آدمیوں کو ہم نے قتل کر دیا ہے تو وہ ہمیں زندہ
نہیں چھوڑے گا۔" نوکھا نے کہا۔

"اسے شبہ نہیں ہوگا۔" شارق بولا۔ "میں نے پہلے ہی اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی
تھی کہ اس کے آدمی اسے پسند نہیں کرتے اور وہ بھاگنے کے لیے موقع کی تلاش میں ہیں۔ اس

بات کا اس نے بھی اعتراف کیا تھا۔ ان آدمیوں کو غائب پا کر وہ یقیناً یہی سمجھے گا کہ وہ بھاگ گئے ہیں۔"

"ہمیں دو رائفلیں مل گئی ہیں۔" محمد عمر نے کہا۔ "ہمارے مقابلے میں پانچ آدمی ہیں۔ میرا خیال ہے ہمیں کم از کم ایک رائفل کی اور ضرورت پڑے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں ایک اور آدمی کو انڈر گراؤنڈ کرنا پڑے گا۔" نولکھا نے کہا۔

"ہاں۔" محمد عمر نے سر ہلایا۔ "یہ کرنا ہی پڑے گا۔"

"تو پھر اس پروگرام پر ابھی عمل شروع کر دیا جائے۔" ثمینہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "جو کام ہو جائے بہتر ہے اور پھر اس قسم کے کاموں میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔"

"چلو..... یہ کام بھی نمٹا ہی لیں۔" شارق بھی اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

پہلے شارق باہر نکلا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا جھاڑیوں کی طرف چلا گیا۔ اس کے پانچ منٹ بعد ثمینہ کمرے سے نکل آئی۔ پہلے کی طرح اس وقت بھی اس نے قمیض کے اوپر والے دو بٹن کھول لیے تھے۔

ثمینہ چند لمحے وہاں کھڑی رہی' پھر عمارت کے اوپر سے گھوم کر لیبارٹری کے سامنے والے حصے کی طرف چل پڑی۔ اسے یقین تھا کہ لیبارٹری کے سامنے کوئی نہ کوئی محافظ ضرور موجود ہو گا۔

اس کا اندازہ درست نکلا۔ ثمینہ نے دیوار کی آڑ سے جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی رائفل بھی اس کے قریب ہی رکھی ہوئی تھی۔ برآمدے میں جلنے والے بلب کی روشنی میں ثمینہ نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی آدمی تھا جو رات کے کھانے کے دوران اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔

ثمینہ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔ پھر اس نے ایک چھوٹا سا پتھر اٹھا کر محافظ کی طرف اچھال دیا۔ اپنے قریب پتھر گرنے کی آواز سن کر محافظ چونک گیا۔ اس نے رائفل اٹھا لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ثمینہ دیوار کی آڑ سے نکل آئی اور ہاتھ سے اشارے کرنے لگی۔

محافظ کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی لیکن دوسرے ہی لمحہ اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور دبے قدموں سے چلتا ہوا ثمینہ کے قریب آگیا۔

"اوئے۔ تم ادھر کیا کرتا ہے اس وقت..... رات کو۔" محافظ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"میں تو تمہاری تلاش میں پھر رہی ہوں خان۔" ثمینہ نے سرگوشی میں جواب دیا۔

"پہلے ایک مرتبہ کمرے سے نکلنے لگی تھی تو میرے ایک ساتھی کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس وقت سب لوگ گہری نیند سو رہے ہیں۔ میں بڑی ہمت کر کے تم سے ملنے آئی ہوں۔"

"اوئے! میرے سے ملنے۔" خان کی باچھیں کھل گئیں۔ "کیوں بھئی؟"

"رات کو کھانے کے دوران تم نے میرا ہاتھ پکڑا تھا نا۔" ثمینہ نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اسی وقت سے تمہارے بارے میں سوچ رہی ہوں۔"

"او میرا بارے میں کیا سوچتا ہے اوئے؟" خان بولا۔

"تمہیں نہیں معلوم کوئی عورت کسی مرد کے بارے میں کیا سوچتی ہے؟" ثمینہ بولی۔ "ہم بھی پاگل کا بچہ ہے جو تمہارا بات نہیں سمجھتا۔" خان ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ "آؤ' ہم دونوں ادھر بیٹھ کر سوچتا ہے۔ ادھر کوئی دیکھ لے گا تو ہمارا سوچ میں شریک ہو جائے گا۔" وہ ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کی پچھلی طرف آگیا۔ اس طرف بھی کچھ روشنی تھی اور اس کی نظریں ثمینہ کے نیم عریاں سینے پر مرکوز تھیں۔

"ادھر نہیں خان۔" ثمینہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولی۔ "ادھر جھاڑیوں میں چلو۔ وہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

"چلو چلو..... جدھر تمہارا مرضی ہے چلو۔" خان نے کہا۔

ثمینہ اسے لے کر جھاڑیوں کی طرف آگئی۔ وہ مقررہ مقام کی طرف بڑھ رہی تھی کہ جھاڑیوں میں سرسراہٹ سن کر خان چونک گیا۔

"اوئے۔ ادھر کوئی ہے۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"کوئی نہیں ہے۔ تم میرے ساتھ چلتے رہو۔" ثمینہ اسے ہاتھ سے پکڑ کر آگے کھینچنے لگی۔

لیکن خان وہاں رک گیا۔ پہلے ادھر ادھر دیکھتا رہا' پھر ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوئے! تم ہمارے ساتھ دھوکا تو نہیں کرتا' ادھر کوئی ہے۔ ہم کو سچ بتاؤ' ادھر کیوں لایا ہے؟ ہم دونوں تو ادھر بیٹھ کر ہی سوچ سکتا تھا۔"

"کوئی نہیں ہے خان' تم آگے تو چلو۔" ثمینہ اسے کھینچنے لگی۔

خان کی موٹی عقل میں بھی شاید یہ بات آگئی تھی کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا ہو رہا ہے۔ ثمینہ جس انداز میں اسے آگے کھینچ رہی تھی' اس سے اسے شبہ ہو گیا تھا۔ ٹھیک اسی لمحہ جھاڑیوں میں ایک بار پھر سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ خان اس طرف مڑا اور عین اس وقت کوئی سایہ جھاڑیوں سے نکل کر ہوا میں اڑتا ہوا اس کے اوپر آن گرا۔

وہ شارق تھا جو پہلے ہی سے اس جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ثمینہ اور خان اس کے بہت

قریب پہنچ گئے تھے اور وہ وہاں سے ہٹنا چاہتا تھا تاکہ خان اس کی موجودگی کو محسوس نہ کر سکے لیکن جھاڑیوں میں سرسراہٹ کی وجہ سے خان مشتبہ ہو گیا تھا۔ خان نے ثمینہ پر اپنے شبہ کا اظہار بھی کر دیا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہو رہا ہے۔ شارق کے خیال میں اب وقت ضائع کرنا نہایت خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ یہی سوچ کر اس نے خان پر چھلانگ لگا دی تھی۔

خان کو شبہ تو ہو چکا تھا لیکن ایسی کسی صورتحال کے لیے تیار نہیں تھا۔ جھاڑیوں سے نکلنے والا سایہ جیسے ہی اس سے ٹکرایا وہ لڑکھڑا گیا۔ اس نے لڑکھڑاتے ہوئے رائفل کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اس کی انگلی رائفل کے ٹریگر پر پہنچ چکی تھی۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے ہی شارق نے دوبارہ اس پر چھلانگ لگا دی۔ خان کی انگلی نے ٹریگر دبا تھا۔ رائفل چل گئی۔ گولی شارق کے سر سے چند انچ کے فاصلے سے گزر گئی۔

شارق نے دوسری گولی چلانے کا موقع دیئے بغیر اسے دبوچ لیا۔ ثمینہ نے اس کے ہاتھ سے رائفل چھین لی۔ شارق نے اس کا گلا دبوچ لیا تھا اور اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دینے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہا تھا۔

سناٹے میں فائرنگ کی آواز دور تک گونج گئی تھی اور اندیشہ تھا کہ اس کے دوسرے ساتھی اس طرف نہ آجائیں۔ ثمینہ خان کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور اسے پوری قوت سے اپنی بانہوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ شارق نے اس کا گلا دبوچنے کے لیے پوری قوت صرف کر ڈالی اور بالآخر اس کی زندگی کا چراغ گل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے کنویں تک لے گئے۔ شارق نے خان کو کنویں میں دھکیل دیا اور ثمینہ سے رائفل لے کر ان جھاڑیوں میں ڈال دی جہاں پہلے بھی دو رائفلیں موجود تھیں۔

ثمینہ نے شارق کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ دوڑتے ہوئے جھاڑیوں سے نکلے اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے رکے بغیر دوڑتے ہوئے اپنے کمرے میں گھس گئے۔

نولکھا' شاہ پری اور محمد عمر انہیں دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"کیا ہوا؟ یہ فائر کی آواز کیسی تھی؟" نولکھا نے کہا۔

"گڑبڑ ہو گئی۔" شارق نے جواب دیا۔ "دھینگا مشتی میں ہمارے شکار کے ہاتھ سے گولی چل گئی لیکن بہرحال ہم نے اسے انڈر گراؤنڈ کر دیا ہے۔ سب لوگ اپنی اپنی جگہ پر لیٹ جائیں۔ یہی بتایا جائے گا کہ ہم میں سے بعض نے گولی کی آواز تو سنی تھی لیکن ہم باہر نہیں نکلے۔ ثمینہ' شاہ پری اور نولکھا..... تم لوگ سو جاؤ۔ میں اور محمد عمر صورتحال سے نمٹ لیں گے۔"

ٹھیک اسی لمحہ باہر بھاگ دوڑ کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ ثمینہ' شاہ پری اور نولکھا اپنی اپنی

جگہوں پر لیٹ گئے۔ انہوں نے منہ دوسری طرف کر کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

چند سیکنڈ بعد ہی ایک آدمی دوڑتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ محمد عمر اور شارق اپنی اپنی جگہوں پر دیوار سے ٹیک لگائے نیم دراز بیٹھے ہوئے تھے۔ ان دونوں کا انداز ایسا تھا جیسے ابھی ابھی آنکھ کھلی ہو۔ اندر آنے والا وہ شخص دروازے کے قریب ہی رک کر مشتبہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے گولی کس نے چلائی تھی؟" شارق نے آنے والے سے پوچھا۔

"معلوم نہیں۔ تم لوگوں میں سے کوئی باہر تو نہیں نکلا؟" اس شخص نے کہتے ہوئے ایک بار پھر باری باری سب کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلایا۔ "ہمارے ساتھی سو رہے ہیں اور ہماری آنکھ بھی گولی کی آواز سے کھلی تھی۔ کیا معاملہ ہے۔ کوئی گڑبڑ ہے کیا؟"

"پتا نہیں۔ تم لوگ کمرے سے باہر مت نکلنا۔" وہ شخص کہتا ہوا تیزی سے باہر نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی ثمینہ وغیرہ نے بھی آنکھیں کھول دیں۔

"سو جاؤ..... فی الحال بلا ٹل گئی۔" شارق نے کہا اور اسی جگہ لیٹ گیا۔ محمد عمر بھی لیٹ چکا تھا۔ باہر سے بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شارق وغیرہ سرگوشیوں میں باتیں کرتے رہے اور پھر ایک ایک کر کے ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

سب لوگ سو چکے تھے مگر شارق جاگ رہا تھا۔ باہر کی بھاگ دوڑ ختم ہو چکی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے بعد دروازے کے باہر قدموں کی آواز سنائی دی۔ شارق لیٹا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ایک آنکھ میں جھری پیدا کر کے دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ قدموں کی آواز دروازے پر آکر رک گئی۔ شارق بے حس و حرکت لیٹا دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔

وہ گلباز خان تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل تھی۔ وہ دروازے میں کھڑا کچھ دیر تک ان سب کی طرف دیکھتا رہا' پھر واپس مڑ کر باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بھی شارق نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی تھی اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

صبح شارق کی آنکھ اس وقت کھلی تھی جب کسی نے جھنجھوڑ کر اسے جگایا تھا۔ وہ شاہ پری تھی۔ اس کے قریب ہی نولکھا بھی بیٹھا ہوا تھا جبکہ ثمینہ اور محمد عمر سو رہے تھے۔

"کیا بات ہے۔ کیا ہوا؟" شارق اٹھ کر آنکھیں ملنے لگا۔

"تمہیں گلباز خان نے بلایا ہے۔ اسے اپنے تین ساتھیوں کی گمشدگی کا پتہ چل گیا ہے۔ وہ اس سلسلے میں تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

"انہوں نے تم لوگوں سے تو کچھ نہیں پوچھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری شاہ پری اور نولکھا کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" شاہ پری نے نفی میں سر ہلایا۔

شارق کچھ دیر تک اپنی جگہ پر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر برآمدے میں آگیا جہاں پانی سے بھرا ہوا ڈرم رکھا ہوا تھا۔ اس نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ چاروں طرف دھوپ پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے خیال میں آٹھ یا نو بجے کا وقت رہا ہوگا۔

وہ برآمدے سے نکل کر لیبارٹری کے سامنے آگیا۔ ایک آدمی برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"گلباز خان کہاں ہے؟" شارق نے رک کر پوچھا۔

"میرا ساتھ آؤ۔" وہ آدمی اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

شارق اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا لیبارٹری میں داخل ہوگیا۔ سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ تہہ خانے میں گئے۔ گلباز خان اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھا ہوا تھا۔ شارق بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے گلباز خان۔ رات کو کیا ہنگامہ ہوا تھا۔ گولی کس نے چلائی تھی؟" اس نے گلباز خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کل تم نے مجھ سے ایک بات کہی تھی۔" گلباز خان بولا۔ "تم نے کہا تھا کہ میرے کچھ ساتھی مجھے پسند نہیں کرتے اور وہ مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں۔ اس وقت میں نے تمہاری بات سے اتفاق کیا تھا لیکن یہ نہیں پوچھا کہ تمہیں ان باتوں کا پتہ کیسے چلا تھا۔"

"تھوڑی بہت پشتو میں بھی سمجھ لیتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "جب تم لوگ ہمیں پکڑ کر یہاں لا رہے تھے تو میرے ساتھ ساتھ چلنے والے تمہارے دو آدمی سرگوشیوں میں تمہارے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کی باتوں ہی سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ وہ لوگ تم سے جان چھڑانا چاہتے ہیں لیکن معاملہ کیا ہے؟ رات کو گولی کس نے چلائی تھی؟"

"میرے تین آدمی غائب ہو گئے ہیں۔" گلباز خان نے کہا۔ اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ "دو آدمیوں کے بارے میں تو مجھے شبہ تھا لیکن تیسرا آدمی....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بولا۔ "وہ میرا سب سے زیادہ قابلِ اعتماد آدمی تھا۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ وہ مجھے دھوکا دے سکتا ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ دوسرے دو آدمی اسے زبردستی اپنے ساتھ لے گئے ہوں۔" شارق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے ایسا ہوا ہو اور مجھے اس کا شبہ بھی ہے۔" گلباز خان نے کہا۔ "آج صبح میرے ایک آدمی نے جھاڑیوں میں ایک جگہ خون پڑا ہوا دیکھا ہے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں

آئی۔"

شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ گزشتہ رات محمد عمر اور شاہ پری نے بتایا تھا کہ انہوں نے جس آدمی کو قابو کیا تھا' شاہ پری نے اس کے سر پر پتھر بھی مارا تھا جس سے اس کے سر سے خون بہہ نکلا تھا اور ظاہر ہے صبح کسی آدمی نے خون کے دھبے دیکھ لیے تھے۔

"جس جگہ خون دیکھا گیا ہے' اس سے چند قدم کے فاصلے پر جھاڑیوں میں تین رائفلیں بھی ملی ہیں۔ یہ انہی تینوں آدمیوں کی رائفلیں ہیں جو غائب ہوئے ہیں۔" گلباز خان نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

شارق کو سینے میں سانس رکتے ہوا محسوس ہونے لگا۔ گلباز خان نے ابھی تک براہ راست اگرچہ کچھ نہیں کہا تھا لیکن لگتا تھا جیسے وہ بہت کچھ جان چکا ہو اور اسے گھیرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ شارق کو اپنی ساری محنت پر پانی پھرتا ہوا نظر آرہا تھا۔ انہوں نے گلباز خان کے تین آدمیوں کو ختم کرکے تین رائفلوں پر قبضہ کیا تھا اور یہ تینوں رائفلیں ان کے ہاتھوں سے نکل چکی تھیں۔

"میں سمجھا نہیں' تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" شارق بولا۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

"میرے وہ تینوں آدمی اگر یہاں سے بھاگ گئے ہیں تو اپنی رائفلیں یہاں کیوں چھوڑ گئے ہیں جبکہ ان پہاڑوں میں سفر کرنے کے لیے رائفل بہت ضروری ہے۔" گلباز خان چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس جگہ جھاڑیوں میں ملنے والے خون سے یہ اندازہ ہوتا ہے جیسے دو آدمیوں میں دھینگا مشتی ہوئی ہو اور ان میں ایک زخمی ہوا ہو لیکن....."

"رات کو فائر کی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی تھی۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ہو سکتا ہے تمہارے تیسرے قابل اعتماد ساتھی نے دوسرے دونوں آدمیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھ لیا ہو اور انہیں روکنے کی کوشش کی ہو جس کے نتیجہ میں ان میں لڑائی ہوئی اور گولی بھی چلی جس سے ایک آدمی زخمی ہوا اور ہو سکتا ہے راز کھل جانے کے ڈر سے وہ تمہارے قابل اعتماد ساتھی کو زبردستی ساتھ لے گئے ہوں۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائفلیں کیوں چھوڑ گئے۔" گلباز خان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے' وہ دوسری رائفلیں لے گئے ہوں۔" شارق نے کہا۔

"نہیں۔ رائفلیں پوری ہیں۔" گلباز خان نے کہا۔ "تم لوگوں میں سے کوئی رات کو باہر تو نہیں نکلا تھا؟"

"نہیں۔ ہم لوگ سو گئے تھے۔" شارق نے جواب دیا۔ "فائر کی آواز سن کر میری اور نولکھا

کی آنکھ کھل گئی تھی جبکہ میرے دوسرے ساتھی بے خبر سوتے رہے تھے۔"

"ٹھیک ہے شارق بھائی۔" گلباز خان نے کہا۔ "اب تم جاؤ' میں بہت جلد اصل حقیقت کا پتا چلا لوں گا۔"

"اگر اس معاملے میں میری مدد کی ضرورت ہوئی تو میں حاضر ہوں۔" شارق بولا۔

"تمہاری مدد کی ضرورت پڑی تو ضرور بتاؤں گا۔" گلباز خان نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ دیر بعد شارق لیبارٹری سے نکل کر اپنے کمرے میں آگیا۔ اس کے ساتھی ناشتا کر رہے تھے۔ شارق بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔

"کیا ہوا؟ گلباز خان نے کیوں بلایا تھا؟" نولکھا نے روٹی کا نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"گڑبڑ ہو گئی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "رات کو ہم نے جن آدمیوں کو ٹھکانے لگایا تھا' ان میں گلباز خان کا ایک قابل اعتماد ساتھی بھی ہے اور اسے یقین ہے کہ وہ اسے چھوڑ کر بھاگنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ مزید برآں انہیں جھاڑیوں میں چھپائی ہوئی رائفلیں بھی مل گئی ہیں جس سے معاملہ کچھ اور الجھ گیا ہے۔"

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب گڑبڑ۔" شارق مسکرا دیا اور پھر تفصیل سے انہیں سب کچھ بتانے لگا۔ آخر وہ کہہ رہا تھا۔ "گلباز خان کو ہم پر کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہے لیکن وہ اس وقت تک کھل کر کوئی بات نہیں کہنا چاہتا جب تک اس کے شبے کی تصدیق نہ ہو جائے۔"

"اب ہو گا کیا؟" نولکھا اس کے خاموش ہونے پر بولا۔

"ہمیں محتاط رہنا پڑے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "کل گلباز خان نے ہمیں اپنے ساتھ ملانے کی بات کی تھی اور میں نے اس کی یہ پیشکش قبول بھی کر لی تھی۔ اس لحاظ سے ہو سکتا ہے کہ اس کی سوچ کا رخ کسی حد تک بدل جائے لیکن اب ہمیں محتاط رہ کر اس کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ ہمارے لیے کچھ اور مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو افسوس اس بات کا ہے کہ ہماری ساری محنت رائیگاں گئی۔"

"ہماری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔" شارق نے کہا۔ "آج کا دن گزرنے دو۔ میں گلباز خان کے قریب رہ کر معاملے کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کروں گا۔"

"ایک بات میرے ذہن میں آرہی ہے۔" نولکھا نے کہا۔

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گلباز خان نے کہا تھا کہ وہ تمہیں اپنا ایجنٹ بنا کر حاجی سے معاملہ طے کرنا چاہتا ہے۔ ہو سکتا ہے آج کل میں وہ ہمیں یہاں سے چلتا کر دے اور ہمیں ان کے خلاف کارروائی کرنے کی ضرورت پیش نہ آئے۔" نولکھا نے کہا۔

"گلباز خان اتنا بے وقوف نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہے ہو۔" شارق نے کہا۔ "وہ ہمیں یہاں سے اس وقت تک نہیں جانے دے گا جب تک اسے یہ یقین نہ ہو جائے کہ ہم اسے دھوکا نہیں دیں گے اور اس دوران اگر اسے یہ پتہ چل گیا کہ اس کے آدمی فرار نہیں ہوئے بلکہ ہم نے انہیں قتل کر دیا ہے تو معاملہ ختم سمجھو۔"

"بلکہ اپنا ہی خاتمہ سمجھو۔" نولکھا نے کہا۔

محمد عمر کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ایک آدمی چائے کی کیتلی اور پیالیاں اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر انہوں نے موضوع بدل دیا۔

چائے کی کیتلی اور پیالیاں نیچے رکھتے ہوئے اس شخص کی نظریں شاہ پری کی طرف اٹھ گئیں۔ شاہ پری سامنے اس طرح بیٹھی ہوئی تھی کہ اس کی پھٹی ہوئی قمیض نظر آرہی تھی۔ اس نے قمیض کو اگرچہ گرہ لگا رکھی تھی لیکن اس کے سینے اور پیٹ کا کچھ حصہ برہنہ ہو رہا تھا۔ شاہ پری نے بھی اس کی نظروں کو محسوس کر لیا اور وہ پہلو بدل کر بیٹھ گئی۔ وہ شخص کیتلی رکھ کر باہر چلا گیا۔

ناشتہ کرنے کے بعد بھی وہ لوگ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ پھر محمد عمر اور شارق اٹھ کر باہر چلے گئے۔ ثمینہ بھی ان کے پیچھے ہی چلی آئی تھی۔ نولکھا اور شاہ پری کمرے ہی میں بیٹھے رہ گئے تھے۔

دن گزرتا رہا اور شارق وغیرہ کی بے چینی بڑھتی رہی۔ اس نے گلباز خان کو دن میں دو تین مرتبہ جھاڑیوں کی طرف جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ تو وہ جھاڑیوں میں چلتا ہوا کنویں تک بھی آیا تھا۔ کنویں تک جھاڑیاں دبی ہوئی تھیں۔ شارق سوچ رہا تھا کہ اگر گلباز خان کو شبہ ہو گیا تو وہ کنواں بھی کھنگال ڈالے گا۔ کنواں اگرچہ بہت گہرا تھا لیکن شارق جانتا تھا کہ گلباز جیسے شخص سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ وہ رسّے لٹکا کر خود کنویں میں اتر جائے یا کسی اور کو اتار دے۔

رات کے کھانے کے تھوڑی دیر بعد گلباز خان نے ایک بار پھر شارق کو بلا لیا۔ وہ اس وقت لیبارٹری کی عمارت کے برآمدے میں بچھی ہوئی دری پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا ہوا گلباز خان؟" شارق اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ "کچھ پتا چلا تمہارے آدمی کہاں گئے؟"

"ابھی کوئی پتہ نہیں چل سکا لیکن میں نے تم لوگوں کے بارے میں ایک فیصلہ کر لیا ہے۔" گلباز خان نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیسا فیصلہ؟" شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

"تمہیں یاد ہے کہ میں نے حاجی کے معاملہ پر تم سے بات کی تھی۔" گلباز خان نے کہا۔

"ہاں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے' کیا کہنا چاہتے ہو؟" شارق بولا۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم لوگ کل صبح روانہ ہو جاؤ۔ میرا ایک آدمی تمہارے ساتھ جائے گا جو تم لوگوں کو بحفاظت سرحد پار کروا دے گا۔ اس کے بعد تمہیں لاہور پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ حاجی سے معاملہ طے ہوتے ہی تم لاہور میں موجود میرے آدمی کو مطلع کر دو گے۔ وہ فیصلہ کر لے گا۔ وہ میرا قابل اعتماد آدمی ہے۔ تم اس کے ساتھ مل کر کوئی بھی فیصلہ کر سکتے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "اپنی وہ شرائط بھی بتا دو جن کے مطابق حاجی سے معاملہ طے کیا جائے گا۔"

"شرائط کوئی ایسی نہیں ہیں جو حاجی کے لیے قابل قبول نہ ہوں۔" گلباز خان نے کہا اور پھر اپنی شرائط بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"کمی بیشی تم اپنی صوابدید کے مطابق کر سکتے ہو۔"

"اور میرا حصہ اس میں کیا ہو گا؟" شارق نے پوچھا۔

"دس پرسنٹ۔" گلباز خان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں صرف لاہور میں رہ کر نگرانی کرنی ہو گی۔ دس فیصد کے حساب سے بھی تمہیں بیٹھے بٹھائے لاکھوں کا کمیشن مل سکتا ہے۔"

"مجھے منظور ہے۔" شارق بولا۔ "ہم کس وقت جائیں گے؟"

"صبح ناشتہ کرتے ہی روانہ ہو جاؤ لیکن....."

"لیکن کیا؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے دو ساتھی یہاں رہیں گے۔" گلباز خان نے کہا۔ "ثمینہ اور نولکھا ضمانت کے طور پر ہمارے پاس رہیں گے۔ انہیں یہاں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ ہم ہر طرح سے ان کا خیال رکھیں گے۔ لاہور میں اپنے آدمی کی طرف سے کلیئرنس ملتے ہی ثمینہ اور نولکھا کو بحفاظت سرحد پار پہنچا دیا جائے گا۔"

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس کا خیال درست نکلا تھا۔ گلباز خان واقعی اتنا بے وقوف

نہیں تھا جتنا اسے سمجھ لیا گیا تھا۔ وہ ثمینہ اور نولکھا کو ضمانت کے طور پر اپنے پاس رکھنا چاہتا تھا ...کا مطلب تھا کہ اسے ان پر مکمل بھروسہ نہیں تھا۔ شارق کچھ دیر سوچتا رہا' پھر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے لیکن میرے ساتھیوں کو میری عدم موجودگی میں ...ئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔"

"مطمئن رہو۔ انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" گلباز خان نے جواب دیا۔

شارق جب کمرے میں واپس پہنچا تو اس کے چہرے سے پریشانی ہویدا تھی۔ نولکھا وغیرہ چونکے ...نہ رہ سکے تھے۔

"کیا بات ہے شارق باؤ؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "خیر تو ہے نا..... کوئی ...ڑ تو نہیں؟"

"گلباز خان نے صبح ہمیں یہاں سے جانے کی اجازت دیدی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ ...کا لہجہ بجھا بجھا سا تھا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" نولکھا بولا۔ "ہمیں تو شکر ادا کرنا چاہیے کہ ہم اس ...سے خیر و عافیت سے نکل جائیں گے۔"

"تمہیں یاد ہو گا کہ گلباز خان نے مجھ سے بات کی تھی کہ میں لاہور میں حاجی سے اس کا ...طے کرا دوں گا۔" شارق بولا۔

"اچھی طرح یاد ہے۔" نولکھا نے سر ہلایا۔

"اس نے کہا ہے کہ ہم صبح ہی یہاں سے روانہ ہو جائیں۔ اس کا ایک آدمی ہمارے ساتھ ...گا جو ہمیں سرحد پار کرا دے گا لیکن....."

"لیکن کیا؟" نولکھا نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اس لیکن کے بعد ہی مجھے ...گڑبڑ محسوس ہوتی ہے۔"

"لیکن اس نے ہمیں اس شرط پر یہاں سے جانے کی اجازت دی ہے کہ میں تمہیں اور ثمینہ ...ں چھوڑ جاؤں گا ضمانت کے طور پر۔" شارق نے جواب دیا۔

"اوہ؟" نولکھا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ایک لڑکی کو ...کیوں چھوڑا جا سکتا ہے۔ میں یہاں رہنے کو تیار ہوں۔ جاؤ' ابھی اور اسی وقت اس سے جا کر ...کہ میں تم لوگوں کی ضمانت بن کر یہاں رہوں گا۔ وہ چاہے زندگی بھر مجھے یہاں رکھ لے' ...ئی اعتراض نہیں لیکن ثمینہ کو یہاں نہیں چھوڑا جا سکتا۔" نولکھا نے خاموش ہو کر ثمینہ کی ...دیکھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی تھی۔

"ثمینہ کے بجائے میں یہاں رہنے کو تیار ہوں۔" شاہ پری نے کہا۔

"یہ بھی نہیں ہو سکتا۔" نوکھا جلدی سے بولا۔ "کیا ہم اتنے بے غیرت ہیں کہ اپنی آزادی کے لیے اپنی عورتوں کو گروی رکھ دیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا یا تو ہم سب جائیں گے یا سب یہیں رہیں گے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں یہاں رہ جاؤں۔"

"کیا واقعی تم نے اس شیطان کی یہ شرط مان لی ہے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ کیا واقعی تم مجھے ان وحشیوں کے بیچ میں چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

"شرط مان لینے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "صبح جب ہم یہاں سے روانہ ہوں گے تو سب ساتھ ہوں گے۔ کوئی یہاں نہیں رہے گا۔"

ثمینہ کے چہرے پر طمانیت سی آگئی۔

"لیکن یہ سب کیسے ہوگا؟" نوکھا نے کہا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ہمیں ہماری مرضی کے مطابق یہاں سے جانے دیں گے جبکہ ہم بالکل نہتے ہیں اور طاقت بھی استعمال نہیں کر سکتے۔"

"ہمیں صرف ایک رائفل کی ضرورت ہے۔" شارق نے کہا۔ "ہماری تعداد پانچ ہے اور وہ چار لیکن ہمیں اگر ایک رائفل مل جائے تو ان چاروں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔"

"یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ رائفلیں ہمارے ہاتھ آئیں بھی اور نکل بھی گئیں۔" نوکھا نے کہا۔

"ہمیں صرف ایک رائفل کی ضرورت ہے۔" شارق بولا۔ "اور آج رات ہم وہ رائفل حاصل کر لیں گے اور پھر صبح ہم سب کو یہاں سے جانے سے کوئی نہیں روک سکے گا۔"

"تھوڑی دیر بعد شارق اور ثمینہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگئے۔ دن یا رات کے کسی بھی حصے میں ان کے گھومنے پھرنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ شارق اور ثمینہ اس وقت گھوم پھر کر یہ دیکھنا چاہتے تھے کہ گلباز خان اور اس کے ساتھی کہاں کہاں ہیں۔ وہ دونوں لیبارٹری کے سامنے سے گزرتے ہوئے رک گئے۔ ایک گن مین برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا۔

"گلباز خان کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"تہہ خانے میں ہے۔ بلاؤں یا تم لوگ اندر جاؤ گے؟" وہ شخص بولا۔

"نہیں۔ ہم تو ایسے ہی گھوم رہے ہیں۔" شارق کہتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

وہ لوگ ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے واپس آگئے۔ ایک آدمی کو انہوں نے اس جگہ دیکھا تھا جہاں سے ان پہاڑوں سے باہر آنے جانے کا راستہ تھا۔ یہ راستہ شارق پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ یہ

تنگ سا درہ تھا جس میں سے پہلو بہ پہلو دو گھوڑے گزر سکتے تھے۔ شارق نے آگے جا کر یہ نہیں دیکھا تھا لیکن گلباز خان نے اسے بتایا تھا کہ تقریباً سو گز آگے جا کر یہ راستہ کشادہ ہو جاتا تھا۔ دوسری طرف ایک اور تنگ سا راستہ تھا جہاں سے وہ لوگ انہیں لے کر آئے تھے۔ ایک گن مین درے والے راستے پر بیٹھا ہوا تھا اور دوسرا دوسرے راستے پر۔ دیگر علاقے میں اونچی چٹانیں کھڑی ہوئی تھیں اور ظاہر ہے ان کی حفاظت کے لیے اب کوئی نہیں تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ لوگ گھوم پھر کر واپس آگئے۔ شارق نے طے کر لیا کہ یہ لوگ اس راستے سے واپس جائیں گے جس راستے سے انہیں یہاں لایا گیا تھا لیکن سب سے اہم مسئلہ ابھی کا تھا۔ رائفل کیسے حاصل کی جائے؟

وہ سب لوگ یہی سوچ رہے تھے کہ رائفل کیسے حاصل کی جائے؟ شاہ پری نے یہ تجویز پیش کی کہ رائفل حاصل کرنے کے لیے وہی پرانا طریقہ اختیار کیا جائے یعنی شاہ پری یا ثمینہ کے ذریعے ایک محافظ کو پھانس کر تاریکی میں لے جا کر ختم کر دیا جائے اور اس کی رائفل پر قبضہ کر لیا جائے۔ محمد عمر کے پاس ایک اور تجویز تھی لیکن وہ لوگ ابھی کسی بات پر متفق نہیں ہو سکے تھے کہ باہر سے ایک آواز سن کر چونک گئے۔ وہ سب خاموش ہو کر وہ آواز سننے لگے۔ صاف لگ رہا تھا کہ کوئی لاؤڈ اسپیکر پر کچھ کہہ رہا ہو لیکن بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"لاؤڈ اسپیکر پر کوئی اعلان ہو رہا ہے۔" نوکھا نے کہا۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "ان پہاڑوں میں لاؤڈ اسپیکر کہاں سے آگیا۔ ریڈیو بج رہا ہوگا۔"

"ایک منٹ" شارق نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "آواز تو واقعی لاؤڈ اسپیکر جیسی ہے"

وہ لوگ توجہ سے وہ آواز سننے لگے۔ اسی لمحہ باہر سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اسی لمحہ ایک آدمی اندر داخل ہوا۔

"گلباز خان نے بلایا ہے تم سب کو لیبارٹری میں۔" اس شخص نے کہا۔ وہ خاصا بدحواس ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے، تم بہت گھبرائے ہوئے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"تم لوگ جلدی آجاؤ۔" وہ آدمی کہتے ہوئے باہر دوڑ گیا۔ اس کے جاتے ہی وہ لوگ بھی کمرے سے باہر آگئے۔ کھلی فضا میں آواز صاف آرہی تھی۔ محمد عمر ٹھٹک کر رک گیا اور سننے لگا۔

"شارق بھائی۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

"صورتحال خطرناک ہو گئی ہے۔ خان عبدالقدوس خان کے آدمیوں نے راستے کو گھیر لیا ہے اور خان خود میگا فون پر گلباز خان سے مطالبہ کر رہا ہے کہ ہم لوگوں کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔"

"چلو۔ گلباز خان سے معلوم ہوگا کہ قصہ کیا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ لیبارٹری کے سامنے والی تمام بتیاں بجھی ہوئی تھیں۔ تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ لوگ لیبارٹری والے برآمدے میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک آدمی کھڑا تھا جو انہیں اندر لے گیا۔ تہہ خانے کا بلب جل رہا تھا اور گلباز خان بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔

"کیا ہوا گلباز..... یہ سب کیا ہے؟" شارق نے جاتے ہی پوچھا۔

"خان عبدالقدوس خان کو پتہ چل گیا ہے کہ اس کی لیبارٹری تم لوگوں نے تباہ کی ہے اور یہ کہ تم لوگ یہاں میرے پاس موجود ہو۔" گلباز خان نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں نے تم لوگوں کو نہیں بتایا لیکن کل اس کا ایک آدمی یہاں آیا تھا۔ اس نے مطالبہ کیا تھا کہ تم لوگوں کو اس کے حوالے کر دیا جائے لیکن میں نے انکار کر دیا اور اب وہ اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر آگیا ہے اور تم لوگوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہا ہے۔"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خان کو یہاں ہماری موجودگی کا پتا کیسے چلا؟" شارق نے پوچھا۔

"میرے تین آدمی سروبی گئے ہوئے ہیں۔" گلباز خان نے کہا۔ "انہی میں سے کسی ایک نے غداری کی ہوگی۔ تم نے ٹھیک کہا تھا' میرے آدمیوں میں چند غدار موجود تھے۔ مجھے پہلے بھی ان پر شبہ تھا لیکن مجھ سے غلطی ہو گئی۔ مجھے پہلے ہی ان کا بندوبست کر لینا چاہیے تھا۔"

"اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کیا تم ہمیں ان کے حوالے کر دو گے؟"

"کبھی نہیں۔" گلباز خان نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تم لوگوں کو یہاں اس لیے بلایا ہے کہ مجھے تم لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ خان عبدالقدوس خان کے ساتھ آٹھ دس آدمی ضرور ہوں گے جبکہ میرے پاس صرف تین آدمی ہیں۔ ہم چار آدمی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تم لوگ ہماری مدد کرو گے۔"

"ہم تیار ہیں۔" شارق نے کہا۔ "لیکن ہم خالی ہاتھ تو مقابلہ نہیں کر سکتے۔"

"تم لوگوں کی رائفلیں وہ پڑی ہیں۔" گلباز خان نے ایک طرف اشارہ کیا۔ "رائفلیں اٹھا کر

میگزین چیک کر لو۔ فاضل میگزین بھی قریب ہی پیٹی میں رکھے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" شارق نے کہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

وہ لوگ آگے بڑھ کر رائفلیں اٹھا کر چیک کرنے لگے۔ وہ سب دل ہی دل میں مسکرا رہے تھے۔ وہ صرف ایک رائفل حاصل کرنے کا منصوبہ بنا رہے تھے اور قدرت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ ان سب کو اپنی تمام رائفلیں مل گئی تھیں اور اب وہ اپنی مرضی کے مطابق کارروائی کر سکتے تھے۔

رائفلیں سنبھال کر وہ لوگ تہہ خانے سے باہر آگئے۔ گلباز خان بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ برآمدے کے سامنے رک کر انہیں بتانے لگا کہ خان عبدالقدوس خان اور اس کے آدمی کس طرف ہو سکتے ہیں۔

"میں نے اپنے آدمیوں کو مناسب جگہوں پر کھڑا کر دیا ہے۔ تم اپنے آدمیوں کو پوزیشن سمجھا دو۔ میں اس طرف ہوں' ان پتھروں کے پیچھے۔ وہاں سے آگے آنے والوں کو روکا جا سکتا ہے۔" گلباز خان نے کہا۔

شارق نے سامنے کے رخ کا جائزہ لیا اور اپنے ساتھیوں کو ان کی پوزیشن کے بارے میں سمجھانے لگا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو اس طرف تعینات کیا تھا جس طرف ان کے گھوڑے بھی موجود تھے۔

"گلباز خان۔" میگا فون پر خان عبدالقدوس خان کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ تم ان آدمیوں کو میرے حوالے کر دو' ہم واپس چلے جائیں گے لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم مجھے اپنا بدترین دشمن پاؤ گے۔ میں تمہیں صرف ایک منٹ کا وقت دے رہا ہوں۔ میں پانچ تک گنوں گا۔ اگر تم نے ان لوگوں کو میرے حوالے نہ کیا تو میرے آدمی فائرنگ شروع کر دیں گے اور تمہاری لیبارٹری بھی تباہ کر دی جائے گی۔"

چند ہی سیکنڈ بعد گنتی شروع ہو گئی۔ اس نے ابھی تین ہی کہا تھا کہ شارق نے آواز کی سمت فائر کر دیا۔ تاریکی میں اتنی دور سے کسی کو نشانہ بنانا ممکن نہیں تھا مگر شارق نے یہ فائر خان عبدالقدوس خان کو اشتعال دلانے کے لیے کیا تھا کیونکہ اس کے دل میں اچانک ہی یہ خیال آیا تھا کہ لیبارٹری کی تباہی کی دھمکی سے گلباز خان ان کے بارے میں اپنا ارادہ نہ بدل دے۔ اس کا یہ مقصد کامیاب رہا۔ اس کے فائر کے جواب میں دوسری طرف سے زبردست فائرنگ شروع ہو گئی۔

گلباز خان نے بھی اپنے آدمیوں کو چیخ کر فائرنگ کا آرڈر دے دیا۔ شارق دوڑتا ہوا محمد عمر

کے پاس پہنچ گیا۔

"محمد عمر!" وہ سرگوشی میں بولا۔ "اپنے تمام ساتھیوں کو لے کر گھوڑوں کی طرف چلے جاؤ۔ گھوڑے لے کر اس راستے کی طرف نکلنے کی کوشش کرو جس طرف سے یہ لوگ ہمیں لے آئے تھے۔"

"تم کہاں جا رہے ہو؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"میں بھی چند منٹ میں تم لوگوں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ تم لوگ اسی راستے پر پہنچ کر انتظار کرنا۔" شارق نے کہا اور ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

دونوں طرف سے شدید فائرنگ ہو رہی تھی۔ شارق کو یقین تھا کہ گلباز خان کے آدمی زیادہ دیر تک مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور وہ اس کے پہلے پہلے اپنا کام ختم کر لینا چاہتا تھا۔

گولیاں شارق کے آس پاس گر رہی تھیں۔ وہ بھی فائرنگ کرتا ہوا لیبارٹری کی دوسری طرف پہنچ گیا۔ وہاں گلباز خان کا ایک آدمی موجود تھا جو درے والے راستے کی طرف فائرنگ کر رہا تھا۔

"گلباز خان کہاں ہے؟" شارق نے چیخ کر پوچھا۔

"وہ اس طرف گیا ہے۔" اس شخص نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"تم بھی اس کی مدد کے لیے اس طرف نکل جاؤ۔ یہاں کی فکر مت کرو' میں موجود ہوں۔ میرے ہوتے ہوئے کوئی اس طرف نہیں آسکتا۔" شارق نے کہا۔

وہ شخص فائرنگ کرتا ہوا ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ شارق کچھ دیر تک وہیں کھڑا ایک پتھر کی آڑ میں سامنے کی طرف فائرنگ کرتا رہا۔ پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا۔ لیبارٹری کے برآمدے میں پہنچ کر وہ رک گیا۔ ایک بار پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر تیزی سے دوڑتا ہوا لیبارٹری کے دروازے میں گھس گیا۔

تہہ خانے میں پہنچنے میں اسے کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ تیزی سے ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ وہ گلباز خان سے ملاقات کے لیے تین چار مرتبہ یہاں آچکا تھا اور چند باتیں اس نے نوٹ کر لی تھیں۔ لیبارٹری میں ایک طرف کیمیکل کے چند ڈرم رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ایک ڈرم کا ڈھکنا کھول کر اسے الٹ دیا۔ ڈرم میں بھرا ہوا کیمیکل زمین پر بہنے لگا۔ شارق نے دوسرا ڈرم اور الٹا دیئے اور گیسولین کا ایک ڈبہ اٹھا کر سیڑھیوں کے قریب آگیا۔ ڈبہ کھول کر سیڑھیوں سے نیچے لڑھکا دیا۔ تمام سیڑھیاں تیل سے تر ہونے لگیں۔

شارق نے جیب سے ماچس نکال کر ایک تیلی جلائی اور اسے سیڑھیوں پر اچھال دیا۔ سیڑھیوں پر پھیلے ہوئے گیسولین نے فوراً ہی آگ پکڑ لی۔ آگ شارق کی توقع سے کہیں زیادہ تیزی

پھیلنے لگی۔ شارق بڑی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

برآمدے میں پہنچ کر وہ ایک لمحہ کو رکا تھا۔ پھر سامنے کی طرف فائرنگ کرتا ہوا تیزی سے ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔ اسے اپنے ساتھیوں تک پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ وہ لوگ گھوڑوں کی باگیں پکڑے تیار کھڑے تھے۔

"جلدی نکلو یہاں سے۔" شارق چیخا۔ "یہاں دھماکہ ہونے والا ہے۔" وہ لوگ گھوڑوں پر بیٹھ گئے اور گھوڑے ٹیلے کے دوسری طرف ڈھلان پر اترنے لگے۔

فائرنگ بڑی شدت سے ہو رہی تھی۔ آوازوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ خان عبدالقدوس خان کا پلہ بھاری تھا۔ اس کے آدمیوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جدید ترین ہتھیاروں سے بڑی زبردست فائرنگ کر رہے تھے۔ اس کے برعکس گلباز خان کے ساتھ صرف تین آدمی تھے۔

شارق اور اس کے ساتھی وہاں سے تقریباً ایک میل دور نکل گئے۔ فائرنگ کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں اور پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا جیسے کوئی آتش فشاں پھٹ پڑا ہوا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ اونچے نیچے پہاڑوں کی وجہ سے وہ جگہ دکھائی نہیں دے رہی تھی لیکن اس طرف سرخی دکھائی دے رہی تھی اور چھوٹے چھوٹے دھماکوں کی آوازیں مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔

وہ لوگ زیادہ دیر وہاں نہیں رکے۔ نولکھا اور شاہ پری کا خیال تھا کہ کچھ دیر رک کر آرام کر لیا جائے لیکن شارق اس کے حق میں نہیں تھا۔ یہ جگہ اس لیبارٹری سے زیادہ دور نہیں تھی اور زیادہ دیر یہاں رکنا ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

وہ لوگ رات بھر چلتے رہے۔ رات کی تاریکی بتدریج کم ہونے لگی۔ وہ لوگ ایک جگہ رک گئے۔ دائیں طرف نشیب میں وسیع و عریض وادی تھی۔ دن کی روشنی اگرچہ ابھی پھیلنا شروع ہوئی تھی لیکن اس ملگجے اجالے میں بھی دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ دفعتاً ثمینہ چیخ اٹھی۔

"شارق! وہ دیکھو اس طرف۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔

وہ سب اس طرف دیکھنے لگے۔ کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں تھیں۔ وہ غالباً کوئی بھاری ٹرک تھا کیونکہ کچھ ہی دیر بعد وادی میں انجن کی ہلکی سی آواز بھی گونجتی سنائی دینے لگی تھی۔

"شاید اس طرف کوئی سڑک ہے اور ہمارا نشیب میں اترنا خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" شارق نے کہا۔

"اس جگہ رکنا بھی مناسب نہیں ہوگا۔" محمد عمر بولا۔ "میرا خیال ہے ہمیں پہاڑوں کے اندر چلے جانا چاہیے۔"

"ٹھیک کہتے ہو' چلو تم آگے چلو۔" شارق نے کہا۔

انہوں نے گھوڑے موڑ لیے اور ایک بار پھر پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔ تقریباً ایک گھنٹہ چلتے رہنے کے بعد وہ ایک تنگ سی سرنگ سے گزرتے ہوئے ایک نسبتاً کشادہ جگہ پر پہنچ گئے۔ چاروں طرف چٹانیں تھیں جن کے درمیان تقریباً دو سو مربع فٹ کی جگہ ہوگی۔ اس طرف آمد و رفت کے لیے وہی سرنگ کا راستہ تھا۔ اس کے علاوہ ہر طرف عمودی چٹانیں تھیں۔ البتہ ایک طرف ایک تنگ سی دراڑ تھی۔ وہ دراڑ اس قدر تنگ تھی کہ صرف ایک گھوڑا گزر سکتا تھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔" شارق کہتے ہوئے گھوڑے سے اتر کر اس دراڑ میں داخل ہو گیا۔

بیس پچیس فٹ کے بعد وہ دراڑ دائیں طرف مڑ گئی تھی۔ اس سے آگے ایک کشادہ غار تھی۔ اس وقت دن کی روشنی پوری طرح پھیل چکی تھی۔ شارق ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس غار میں داخل ہو گیا۔ غار کافی کشادہ تھی اور تقریباً بیس گز آگے جا کر دائیں طرف مڑ گئی تھی۔

غار کا موڑ گھومتے ہی شارق ایک جھٹکے سے رک گیا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ غار میں اسلحے کے انبار لگے ہوئے تھے۔ وہ اپنی جگہ پر بے حس و بے حرکت کھڑا پھٹی پھٹی نظروں سے اسلحے کے اس انبار کو دیکھتا رہا۔

○

اور پھر دفعتاً جیسے وہ ہوش میں آگیا۔ یہاں اسلحے کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے بھی یقیناً کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ایک دم رائفل تان لی۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ پھر محتاط انداز میں الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔ پچھلا موڑ گھومتے ہی اسے قدموں کی آہٹ سنائی دی اور وہ بڑی تیزی سے گھوم گیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

وہ شاہ پری اور محمد عمر تھے۔

"کیا بات ہے۔ تم اس قدر بدحواس کیوں ہو اور یہ رائفل کیوں تان رکھی ہے؟" شاہ پری نے پوچھا۔

"شی!" شارق نے ہونٹوں پر انگلی رکھی۔ "اس غار میں کوئی موجود ہے۔" شاہ پری اور محمد عمر بھی ہوشیار ہو گئے۔ انہوں نے بھی اپنی اپنی رائفلیں سیدھی کر لیں۔ وہ تینوں سرنگ کی دیوار کی آڑ میں کھڑے ہو گئے۔

کئی منٹ گزر گئے' غار کے اندر سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ شارق نے ایک پتھر اٹھا کر اندر کی طرف اچھال دیا۔ پتھر گرنے کی آواز سنائی دی لیکن اس کے جواب میں خاموشی ہی رہی۔ شارق نے دوسرا پتھر اچھال دیا۔ اس مرتبہ بھی کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا۔

"کیا قصہ ہے؟ تمہیں کس بات کا شبہ ہے؟" شاہ پری نے شارق کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"اس غار کے اندر اسلحے کے انبار لگے ہوئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ ان کی حفاظت کے لیے بھی کوئی نہ کوئی موجود ہوگا۔" شارق نے بھی سرگوشی میں جواب دیا۔

"اگر کوئی موجود ہو تو اسے اب تک سامنے آجانا چاہیے تھا۔" شاہ پری نے کہتے ہوئے نسبتاً ایک بڑا پتھر اٹھا کر غار کے اندر کی طرف اچھال دیا۔ اس مرتبہ پتھر گرنے کے بعد کچھ دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ پتھر رکنے کے بعد خاموشی چھا گئی۔ اس مرتبہ بھی کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا تھا۔

"میرا خیال ہے غار میں کوئی نہیں ہے۔" شاہ پری نے سرگوشی کی۔

"محمد عمر۔" شارق نے کہا۔ "تم یہیں رکو۔ ہم دونوں اندر جا کر دیکھتے ہیں۔ اگر باہر سے کسی کو آتے دیکھو تو ایک پتھر اٹھا کر اندر پھینک دینا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں یہاں کھڑا ہوں۔ تم لوگ جاؤ۔" محمد عمر بولا۔

شاہ پری اور شارق رائفلیں تانے بہت محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ وہ اس جگہ پہنچ کر رک گئے جہاں لکڑی کی پیٹیوں کا انبار لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی راکٹ لانچر اور کئی میزائل رکھے ہوئے تھے۔ ان سب کو دیکھ کر شاہ پری کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ دونوں پیٹیوں سے آگے نکل گئے۔ آگے ایک جگہ دیوار کے ساتھ کلاشنکوف رائفلوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور کچھ پیٹیاں بھی نیچے اوپر رکھی ہوئی تھیں۔ شارق کی توجہ رائفلوں والے ڈھیر کی طرف تھی۔ شاہ پری صورتحال کا جائزہ لینے کے لیے دائیں طرف مڑی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے خوفناک چیخ نکل گئی۔

شارق تیزی سے گھوم گیا' شاہ پری چیختی ہوئی اس سے لپٹ گئی۔

"کیا ہوا؟" شارق اسے اپنے آپ سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔

"وہ.....وہ....." شاہ پری نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور ایک طرف اشارہ کیا۔

شارق نے اس طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحہ اس کا دل بھی اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ ایک انسانی ڈھانچہ تھا جو لکڑی کی پیٹیوں کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھنے والی پوزیشن میں پڑا تھا۔ ڈھانچے پر لباس موجود تھا۔ قریب ہی ایک پگڑی پڑی ہوئی تھی۔ قمیض کے کالر کے اوپر اس کی

کھوپڑی بڑی خوفناک لگ رہی تھی۔ اس کے دونوں پیر آگے کو پھیلے ہوئے تھے۔ دائیاں ہاتھ زمین پر رکھا ہوا تھا اور اس ہاتھ میں رائفل بھی لگی ہوئی تھی۔ شارق ڈھانچے کے قریب آگیا۔ کھوپڑی میں پیشانی کی جگہ پر ایک گول سوراخ نظر آرہا تھا۔

"اوہ۔" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ چند لمحے اس کا جائزہ لیتا رہا' پھر بولا۔ "غالباً یہ اس غار کا محافظ تھا اور اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔ گولی پیشانی میں لگی تھی' سوراخ صاف نظر آرہا ہے۔"

"اور غالباً اس کی موت بھی سال دو سال پہلے واقع ہوئی ہوگی۔" شاہ پری نے کہا۔ وہ اپنی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکی تھی۔

"یہ تو ماہرین ہی بتا سکیں گے لیکن اب یہ طے ہے کہ اس غار میں کوئی زندہ انسان موجود نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا اور پھر آواز دے کر محمد عمر کو بھی بلا لیا۔

اسلحے کے انبار دیکھ کر محمد عمر بھی چونک گیا تھا۔ اس نے ڈھانچہ بھی دیکھ لیا تھا۔ چند گز آگے اس غار میں ایک اور موڑ تھا۔ اس طرف بھی لاتعداد لکڑی کی پیٹیاں اور اسلحہ موجود تھا۔ ہیوی مشین گنیں' لائٹ مشین گنیں' لاتعداد راکٹ اور دیگر گولہ بارود بھرا ہوا تھا۔ غار کے اس حصے میں ایک اور ڈھانچہ بھی نظر آگیا۔ وہ ڈھانچہ زمین پر لیٹا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ کے قریب بھی ایک کلاشنکوف پڑی تھی۔

"میرا خیال ہے یہ دونوں غار کے محافظ ہوں گے۔" شارق بولا۔ "ان میں کسی بات پر جھگڑا ہوا ہوگا۔ دونوں نے فائر کھول دیا اور ایک دوسرے کی گولیوں سے ختم ہو گئے۔" یہ شخص زخمی ہو کر گھسیٹتا ہوا یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہوگا اور پھر ختم ہو گیا۔

"کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔" محمد عمر بولا۔ "لیکن یہ لوگ کون تھے اور یہ اسلحہ یہاں تک کس طرح لایا گیا؟"

"اس سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں ہونی چاہیے۔" شارق نے کہا۔ "تم باہر جا کر ثمینہ اور نولکھا کو بھی بلا لاؤ۔ گھوڑوں کو احتیاط سے باندھ دینا۔ میرا خیال ہے عرصہ سے اس طرف کوئی نہیں آیا۔ کسی کے آنے کا امکان بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے گھوڑوں کو کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔"

محمد عمر باہر چلا گیا اور شاہ پری اور شارق گولہ بارود کے اس انبار کا جائزہ لینے لگے۔ یہ غار چٹان کے خاصا اندر تھا۔ یہاں مدھم سی روشنی موجود تھی۔ اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ غار کی چھت بہت اونچی تھی اور اوپر ایک خلا سا نظر آرہا تھا اور یہ روشنی اس خلا سے آرہی تھی۔

تمام پیٹیوں پر کوڈ نمبرز کے ساتھ یو ایس ایس آر لکھا ہوا تھا جس کا صاف مطلب تھا کہ یہ

روسی اسلحہ تھا۔ پیٹیوں میں ہینڈ گرنیڈ' پستول' ریوالور' رائفلوں کے میگزین اور ایمی نیشن بھرا ہوا تھا۔ چند پیٹیوں میں مشین گن کے بیلٹ تھے۔

اس اسلحہ کی مالیت کروڑوں روپے سے کم نہیں تھی لیکن ان کے لیے یہ بیکار تھا۔ ثمینہ اور نولکھا بھی آگئے اور وہ سب اس اسلحہ کے بارے میں تبصرہ کرنے لگے۔

محمد عمر کے کہنے کے مطابق روسیوں سے جنگ کے دوران مجاہدین نے کئی مرتبہ روسی فوجی کیمپوں پر چھاپہ مار کر اسلحہ ضبط کیا تھا۔ یہ اسلحہ بھی ایسا ہی تھا جو روسی فوجیوں سے چھینا گیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ افغان مجاہدین کے جس گروپ نے روسی فوجیوں سے یہ اسلحہ چھین کر یہاں چھپایا تھا' وہ اسے بھول کیوں گئے تھے۔ ان دونوں انسانی ڈھانچوں کی موت کا وقت تعین کرنا بہت مشکل تھا لیکن ایک بات طے تھی کہ طویل عرصہ سے یہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ آخر وہ کون لوگ تھے جو اتنی بڑی تعداد میں یہ اسلحہ یہاں لائے تھے اور بعد میں بھول گئے تھے۔

"جنگ کے دوران بعض چھوٹے چھوٹے گروہ بھی یہاں سرگرم عمل رہے ہیں۔" محمد عمر نے کہا۔ "انہیں مجاہدین تو نہیں کہا جا سکتا لیکن ان چھوٹے گروپوں نے بھی روسی فوجیوں کے خلاف محاذ کھول رکھا تھا۔ یہ لوگ موقع پا کر روسی فوجیوں سے نہ صرف ان کی خوراک بلکہ اسلحہ بھی چھین کر لے جاتے تھے ہو سکتا ہے یہ بھی ایسا ہی کوئی گروہ ہو اور اسلحہ یہاں پہنچانے کے بعد وہ کسی اور کارروائی میں سب کے سب روسیوں کے ہاتھوں مارے گئے ہوں اور جن دو آدمیوں کو وہ اسلحہ کی حفاظت کے چھوڑ گئے تھے' وہ بھی کسی بات پر آپس میں لڑ کر ختم ہو گئے۔"

"ہاں۔ یہی بات کچھ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔" شارق نے سر ہلایا۔ "اس اسلحہ کا کیا کیا جائے؟" نولکھا نے کہا۔

"کیا کرنا ہے۔" شارق بولا۔ "ہم یہ اسلحہ اپنے ساتھ تو نہیں لے جا سکتے البتہ ہو سکتا ہے کہ ضرورت کی چند چیزیں اٹھا لیں۔ مثلاً چند میگزین اور چند ہینڈ گرنیڈ.....جو کسی وقت ہمارے کام آسکتے ہیں۔"

"اور باقی یہیں پڑا رہے گا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "ظاہر ہے۔" شارق نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ اسلحہ یہاں محفوظ ہے۔ اگر اتفاق سے ہماری طرح کوئی اور اس طرف نکل آیا تو خود ہی سوچتا رہے گا۔ بہرحال اب باہر چلو۔ ہمارے لیے وہی جگہ مناسب ہے جہاں ہم نے گھوڑے باندھے ہیں۔"

وہ لوگ غار سے باہر آگئے۔ نکلنے سے پہلے انہوں نے اپنی رائفلوں کے لیے میگزین اور چند ہینڈ گرنیڈز لے لیے تھے۔

وہ اسی جگہ آگئے جہاں ان کے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ چاروں طرف عمودی چٹانیں تھیں۔ ایک طرف وہ دراڑ تھی جو غار تک چلی گئی تھی اور دوسری طرف وہ تنگ سا راستہ تھا جس کے بعد سرنگ تھی۔ اس طرح یہ جگہ ہر لحاظ سے محفوظ تھی اور شارق سوچ رہا تھا کہ اسلحے کا ذخیرہ کرنے والوں نے اس جگہ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہوگا۔ یہاں اس گولہ بارود کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔

وہ لوگ رات بھر گھوڑوں پر سفر کرتے رہے تھے اور بہت تھک گئے تھے لیکن غار میں اسلحہ کی موجودگی کے انکشاف نے ان کی نیند اڑا دی تھی اور تھکن بھی بھلا دی تھی اور وہ دیر تک اسی پر تبصرے کرتے رہے تھے۔

"مجھے حیرت ہے کہ وہ لوگ اسلحہ اس غار تک لائے کیسے ہوں گے۔ ایسا کوئی راستہ نہیں ہے کہ جیپ بھی یہاں تک پہنچ سکے۔" نولکھا نے کہا۔

"ہم نے نشیب میں ایک گاڑی کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔" شارق بولا۔ "اس وادی میں سڑک موجود ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ لوگ اس سڑک کے راستے پہاڑ کے دامن تک تو ٹرک لے کر آئے ہوں گے اور اس سے آگے پیٹیاں کندھوں پر لاد کر لے آئے ہوں گے۔"

"اس میں تو انہیں بڑی محنت کرنی پڑی ہوگی۔" ثمینہ بولی۔

"محنت کے بغیر تو کوئی کام نہیں ہوتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"کتنا اسلحہ ہے۔ اس کی مالیت کروڑوں روپے ہوگی۔" نولکھا نے کہا۔

"افغانستان میں خوراک سے زیادہ اسلحہ موجود ہے۔" محمد عمر نے ان کی باتوں میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ اسلحہ افغانوں نے جنگ کے دوران روسی فوجیوں سے چھینا تھا اور بہت سا اسلحہ روسی فوجی واپس جاتے ہوئے چھوڑ گئے تھے۔ پورے افغانستان میں اسلحہ کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ پہاڑوں میں جا بجا اس طرح بہت سا ایسا گولہ بارود چھپا ہوا ہے جس کا اب کوئی وارث بھی نہیں ہے۔ روسیوں کا چھوڑا ہوا اسلحہ ہی اب افغان آپس کی لڑائی میں استعمال کر رہے ہیں۔ روسی فوج کو افغانستان سے گئے ہوئے اگرچہ عرصہ بیت چکا ہے لیکن ان کے ایجنٹ اب بھی اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔"

"میری سمجھ میں ایک بات نہیں آسکی۔" نولکھا بولا۔ "روسی تو ان کے دشمن تھے۔ وہ واپس جا چکے ہیں۔ ان کے جانے کے بعد یہ لوگ آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں؟"

"اقتدار۔" محمد عمر نے کہا۔ "اقتدار بہت بری چیز ہے شارق بھائی..... روسیوں کے جانے کے بعد یہاں کئی پارٹیاں معرض وجود میں آگئی ہیں اور ہر پارٹی اقتدار پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔"

"بڑے بے وقوف ہیں یہ لوگ۔" نولکھا بولا۔ "کچھ تباہی روسی فوجیوں نے پھیلائی تھی، رہی سہی کسر انہوں نے نکال دی۔ ہم نے تو ہر طرف کھنڈر ہی کھنڈر دیکھتے ہیں۔ ساری آبادی دوسرے ملکوں میں چلی گئی ہے جو بچے کھچے رہ گئے ہیں، وہ بھی بھوکے مر رہے ہیں۔ ان لوگوں کو اتنی سمجھ نہیں آتی کہ سب کچھ ختم ہو گیا تو اقتدار کا کیا کریں گے۔ کیا کھنڈروں اور لاشوں پر حکومت کریں گے۔"

"اگر یہ بات ان کی سمجھ میں آجاتی تو روسیوں کو مداخلت کا موقع ہی نہ ملتا۔" محمد عمر نے کہا۔ "افغانستان کی تاریخ دیکھ لو۔ یہاں شروع ہی سے یہ سب کچھ ہوتا رہا ہے۔ ہمیشہ انہوں ہی نے غیروں کو حملے کی دعوت دی۔ افغانستان ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ بنا رہا ہے اور آج بھی سب کچھ ہو رہا ہے۔"

"انہوں نے خود ہی اپنے ملک کو جہنم بنا رکھا ہے۔ دوسروں کو کیا الزام دیا جائے۔" ثمینہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"اور بدقسمتی سے ہم بھی اس جہنم میں پھنس گئے ہیں۔ نکلنا چاہتے ہیں لیکن راستہ ہی نہیں مل رہا۔" نولکھا بولا۔

"ایک دو دن میں ہم لوگ انشاء اللہ یہاں سے نکل جائیں گے۔" محمد عمر نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ پاکستان کی سرحد یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اگر ہمیں راستہ معلوم ہو تو آج رات سے پہلے سرحد پار کر سکتے ہیں لیکن ہمیں راستہ معلوم نہیں ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم بھٹکتے ہوئے دوبارہ اندرونی علاقے کی طرف نکل جائیں۔ اس لیے ہمیں اب زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا بلکہ بہتر یہ ہے کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ہم بستی میں پہنچنے کی کوشش کریں تاکہ وہاں سے ہمیں سرحد پار کرنے کا راستہ مل سکے۔"

"او بھائی۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "رات کو ہم ایک جہنم سے نکلے ہیں۔ بستی کی تلاش میں کسی اور جہنم میں پھنس گئے تو ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ قسمت ہم پر مہربان رہے۔"

"محمد عمر ٹھیک کہہ رہا ہے نولکھا۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں واقعی کسی بستی تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ یہی ہوگا کہ ہم ساری زندگی ان پہاڑوں ہی میں بھٹکتے رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔" نولکھا گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "تم لوگ جو کہتے ہو، ٹھیک ہے لیکن فی الحال تو ہمیں تھوڑا آرام کر لینا چاہیے۔ رات بھر کے جاگے ہوئے ہیں۔ تھکے ہوئے ہیں۔"

"ہاں۔ اس بات پر ہم تم سے متفق ہیں۔" محمد عمر نے کہا۔ "یہ جگہ اگرچہ محفوظ ہے لیکن ایک آدمی کو جاگنا پڑے گا۔"

"تم لوگ سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "تم لوگوں کے جاگ جانے کے بعد میں بھی تھوڑی دیر آرام کر لوں گا۔"

اس نے گردن گھما کر دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

شاہ پری چٹان کی دیوار کے ساتھ آڑھی ترچھی پڑی سو رہی تھی۔ ثمینہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب جا کر لیٹ گئی۔ محمد عمر اور نولکھا بھی دیوار سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے۔

شارق نے رائفل کندھے پر لٹکا لی اور اٹھ کر ٹہلتا ہوا سرنگ والے راستے کی طرف آگیا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا سرنگ میں داخل ہو گیا۔ پانچ دس منٹ بعد وہ سرنگ کے دوسرے دہانے پر کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

شارق کے خیال میں یہ محفوظ ترین جگہ تھی۔ اسلحہ والے غار تک پہنچنے کے لیے یہی ایک واحد راستہ تھا۔ اس راستے پر کھڑا ہوا صرف ایک آدمی پوری فوج کو روک سکتا تھا۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر چاروں طرف دیکھتا رہا۔ اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ محمد عمر نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ انہیں کسی بستی تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر انہیں راستہ نہ ملا تو واقعی ان پہاڑوں میں بھٹکتے رہیں گے اور ضروری نہیں تھا کہ قسمت ہر مرتبہ ان کا ساتھ دے۔

وہ تقریباً دو گھنٹے تک وہاں بیٹھا رہا۔ اس کی آنکھوں میں جلن ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ یہیں بیٹھے بیٹھے سو جائے۔ وہ بڑی مشکل سے اپنی آنکھیں کھولے ہوئے تھا اور پھر وہاں سے اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ فضا میں گرر گرر کی آواز سن کر چونک گیا۔ ہوا کے دوش پر آنے والی یہ آواز کبھی تو بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوتی اور کبھی یوں لگتا جیسے میلوں دور سے آرہی ہو۔

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پہاڑی کے دوسری طرف نشیب میں وادی کی سڑک سے کوئی بھاری گاڑی گزر رہی تھی۔ غالباً کوئی ٹرک ہوگا۔ شارق وہ آواز سنتا رہا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ اگر وہ لوگ وادی میں اتر کر اس سڑک کے ساتھ ساتھ سفر جاری رکھیں تو کسی نہ کسی بستی تک پہنچ ہی جائیں گے لیکن پھر سر جھٹک کر اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ یہ کچھ پتا نہیں تھا کہ وہ سڑک کس طرف سے آرہی تھی اور کہاں جا رہی تھی۔ اس کے علاوہ یہ اندیشہ بھی تھا کہ وہ سڑک کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے کسی کی نظروں میں آسکتے تھے۔ گزشتہ رات انہوں نے گلباز خان کی لیبارٹری تباہ کی تھی۔ اس سے پہلے وہ خان عبدالقدوس خان کی لیبارٹری تباہ کر چکے تھے۔

گلباز خان کے ساتھ ایک طرح سے انہوں نے دھوکا کیا تھا۔ اس نے انہیں پناہ دی تھی۔ انہیں خان عبدالقدوس خان کے حوالے کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کی دشمنی مول لی تھی اور دونوں میں زبردست جنگ شروع ہو گئی تھی۔ گلباز خان نے شارق اور اس کے ساتھیوں پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں اسلحہ دیا تھا اور اپنی مدد کی درخواست کی تھی لیکن انہوں نے گلباز خان کی مدد کرنے کے بجائے اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپا تھا اور اس کی لیبارٹری تباہ کر کے وہاں سے بھاگ آئے تھے۔ شارق کو یقین تھا کہ اگر گلباز خان زندہ بچ گیا ہوگا تو وہ عبدالقدوس خان کے ساتھ مل کر انہیں تلاش کرے گا اور ان پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان مارے گا۔ ایسی صورت میں سڑک کی طرف رخ کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ پہاڑوں میں رہنا ہی ان کے لیے سودمند تھا۔ کسی بستی تک جانا بھی اگرچہ ان کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا لیکن ان کے لیے مجبوری یہ تھی کہ کوئی بستی تلاش کرنا ضروری تھا تاکہ راستے کے بارے میں معلوم کیا جا سکے۔

شارق آدھا گھنٹہ مزید وہاں بیٹھا رہا اور پھر اٹھ کر واپس آگیا۔ جب وہ اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو شاہ پری جاگ رہی تھی جبکہ اس کے دوسرے ساتھی سو رہے تھے۔ اسے دیکھ کر شاہ پری مسکرا دی۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟"

"ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔" شارق نے اس کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "میری آنکھوں میں بڑی شدید جلن ہو رہی ہے۔ میں تھوڑی دیر سو لوں، تم رائفل لے کر یہاں پہرہ دیتی رہو۔"

"ٹھیک ہے، سو جاؤ۔" شاہ پری نے جواب دیا اور رائفل اٹھا لی۔

شارق اس جگہ لیٹ گیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔ سورج غروب ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس کے دوسرے ساتھی بیدار ہو چکے تھے۔

"کیا خیال ہے آج کی رات بھی یہیں گزارنے کا ارادہ ہے یا....."

"ہم لوگ ابھی یہاں سے روانہ ہو رہے ہیں۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "رات کو سفر کرنا ہمارے لیے مفید ہوگا، کم از کم آج کی رات۔"

اس کے دس منٹ بعد وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور سرنگ کے راستے سے ہوتے ہوئے اس قدرتی پناہ گاہ سے باہر آگئے۔ تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئے۔ یہاں ایک تنگ سا راستہ ڈھلان کی طرف چلا گیا تھا۔

"وادی کی طرف جانا مناسب نہیں ہوگا۔ میرا خیال ہے اس راستے پر چلا جائے۔" شارق نے

ڈھلان والے تنگ سے راستے کی طرف اشارہ کیا۔

محمد عمر نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنا گھوڑا اس راستے پر ڈال دیا۔ دوسرے بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ ڈھلان ختم ہوتے ہی وہ ایک کشادہ جگہ پر پہنچ گئے۔ اس وقت ثمینہ کا گھوڑا آگے نکل گیا تھا۔ ایک چٹان کے گرد گھومتے ہی اس نے گھوڑا روک لیا اور چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو پکارنے لگی۔ شارق وغیرہ نے وہاں پہنچنے میں دیر نہیں لگائی تھی اور پھر ان سب کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس طرف چٹانوں کا ایک سائبان سا بنا ہوا تھا۔ اور اس سائبان کے نیچے ایک بڑا فوجی ٹرک کھڑا تھا۔ ٹرک پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں لیکن صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ روسی فوجی ٹرک تھا۔ وہ لوگ کچھ دیر تک دیکھتے رہے' پھر آگے بڑھ کر ٹرک کے قریب آگئے۔

محمد عمر گھوڑے سے اتر کر پچھلے حصے پر سوار ہو گیا لیکن ٹرک خالی تھا۔ شارق بھی گھوڑے سے اتر آیا۔ اس نے ٹرک کا اسٹیئرنگ سائیڈ کا دروازہ کھول لیا اور اندر جھانکنے لگے۔ اسٹیئرنگ اور سیٹوں پر گرد جمی ہوئی تھی۔ پسنجرز سیٹ پر ایک بھاری اوور کوٹ پڑا ہوا تھا۔ ایک سب مشین گن بھی پڑی ہوئی تھی۔ شارق پائیدان پر چڑھ کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔ وہ انجن اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اس نے ڈیش بورڈ پر لگے ہوئے ڈائلز کی گرد صاف کی اور ایک ڈائل پر نظر ڈالتے ہی وہ سمجھ گیا کہ انجن اسٹارٹ کیوں نہیں ہو رہا تھا۔ فیول بتانے والی سوئی زیرو پر تھی۔

پسنجرز سیٹ پر بھاری اوور کوٹ دیکھ کر اسے یہ سمجھنے میں بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ٹرک سردیوں کے موسم میں یہاں لایا گیا تھا۔ سردیاں بیتے ہوئے چھ سات مہینے ہو گئے تھے۔ ہو سکتا ہے یہ ٹرک پچھلی سردیوں میں یہاں لایا گیا ہوگا۔ اس کا پٹرول خشک ہو چکا تھا۔

وہ ٹرک سے اتر آیا۔ اس کے ساتھی بھی گھوڑوں سے اتر کر چاروں طرف سے ٹرک کو دیکھ رہے تھے۔

"میرا خیال ہے یہ وہی ٹرک ہے جس پر اسلحہ لایا گیا ہوگا۔" محمد عمر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "غار میں رکھا ہوا اسلحہ ٹرک لوڈ کے برابر ہے اور پھر اندازہ ہے کہ یہ ٹرک کسی روسی فوج نواز کا حصہ رہا ہوگا جو کسی طرح مجاہدین یا اس گروہ کے ہاتھ لگ گیا تھا۔"

"ہاں' میرا بھی یہی خیال ہے۔" شارق نے سر ہلایا۔ "اس کا مطلب ہے کہ وادی والی سڑک سے یہاں تک کوئی ایسا راستہ ہے جس سے ٹرک یہاں تک لایا گیا تھا۔"

"اس میں پٹرول ہوتا تو یہ ہمارے کام آسکتا تھا۔" محمد عمر بولا۔

"ہاں۔" شارق بولا۔ "پتا نہیں یہ ٹرک کب سے یہاں کھڑا ہے۔ اس کا پٹرول خشک ہو چکا ہے۔ بہرحال یہ ہمارے کسی کام کا نہیں' ہم یہاں کھڑے وقت کیوں ضائع کر رہے ہیں۔"

"تو پھر چلو..... منزل کھوٹی مت کرو۔" نولکھا بولا۔

وہ ایک بار پھر گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور چٹانوں کے اوپر سے گھومتے ہوئے ایک کھلے راستے پر نکل آئے۔ شام ہو چکی تھی اور اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ وہ کہیں رکے بغیر چلتے رہے۔ شاہ پری پیچھے تھی لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ گھوڑا بڑھا کر شارق کے قریب لے آئی۔

"ہم نے کل سے کچھ نہیں کھایا ہے۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہاں کوئی اور چیز تو دستیاب نہیں ہے۔ تم چاہو تو مجھے کھا سکتی ہو۔" شارق نے جواب دیا۔

"تمہیں تو بار بار کھانے سے بھی میری بھوک نہیں مٹے گی۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کسی ایسی چیز کا بندوبست کرو جس سے پیٹ کی بھوک مٹ سکے۔"

"فی الحال کچھ نہیں ہو سکتا۔" شارق نے جواب دیا۔

"رات کو تو جانور بھی کہیں دبکے سو رہے ہوں گے' شکار بھی نہیں ہو سکتا۔"

شاہ پری خاموش رہی۔

وہ لوگ پہاڑوں سے نکل کر تنگ سی وادی میں ایک دریا کے کنارے پر پہنچ گئے۔ وہ لوگ اپنے گھوڑوں سے اتر گئے اور دریا سے پانی پینے کے بعد ادھر ادھر بکھر کر بیٹھ گئے۔ انہیں وہاں پہنچے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ آہٹ سن کر چونک گئے۔ سب نے بیک وقت گھوم کر آواز کی طرف دیکھا تھا اور پھر شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ کوئی چوپایہ تھا جو شاید پانی پینے کے لیے آیا تھا۔

اس چوپائے کو دیکھ کر شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر سب کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور رائفل اٹھا کر نشانہ باندھنے لگا۔ چند منٹ بعد وہ چوپایہ پانی پی کر جیسے ہی وہاں سے ہٹنے لگا' شارق نے فائر کا ٹریگر دبا دیا۔

ویرانہ فائر کی آواز سے گونج اٹھا۔ شارق کی گولی نشانے پر بیٹھی تھی۔ وہ چوپایہ اچھل کر گرا اور پتھروں پر تڑپنے لگا۔ محمد عمر جیب سے چاقو نکال کر تیزی سے اس طرف دوڑا۔

"شارق باؤ۔ تم نے کوئی بھیڑیا تو نہیں مار دیا؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب چاہے بھیڑیا مار دیا ہو یا شیر' تم لوگوں کو کھانا پڑے گا۔ شاہ پری کو تو ویسے بھی بہت بھوک لگ رہی ہے۔ وہ تو مجھے بھی کھانے کو تیار ہے۔" شارق نے کہا۔

"اگر کسی وقت میری بھوک بے قابو ہو گئی تو تمہیں بھی کھا جاؤں گی۔" شاہ پری بولی۔ محمد عمر کی آواز سن کر وہ اس طرف دیکھنے لگے۔ وہ نولکھا کو بلا رہا تھا۔ نولکھا اٹھ کر دوڑتا ہوا محمد عمر کے پاس پہنچ گیا۔ وہ پہاڑی بکرا تھا جسے محمد عمر نے ذبح کر دیا تھا۔

بکرے کو اٹھا کر وہ لوگ اسی جگہ لے آئے جہاں شارق وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔

"اگر تمہیں پیٹ بھرنا ہے تو اٹھ کر لکڑیاں جمع کرو ورنہ تمہیں کچا گوشت کھانا پڑے گا۔" شارق نے شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شاہ پری کے ساتھ ثمینہ بھی اٹھ گئی اور شارق بھی۔ یہاں جھاڑیوں کی بہتات تھی۔ ان جھاڑیوں کی لکڑیاں دو فٹ سے زیادہ لمبی نہیں تھیں لیکن ان سے کام چل سکتا تھا۔ وہ جھاڑیاں اکھاڑ اکھاڑ کر ایک جگہ پر جمع کرنے لگے۔

محمد عمر اور نولکھا نے آدھے گھنٹے میں بکرے کی کھال اتار لی۔ شارق نے بڑے بڑے پتھر رکھ کر چولہا سا بنا لیا اور آگ جلا دی۔ محمد عمر نے گوشت کے پارچے بنا کر آگ پر رکھ دیئے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد گوشت اس قابل ہو سکا تھا کہ کھایا جا سکے۔ سب سے پہلے شاہ پری نے ایک ٹکڑا اٹھایا تھا اور پھر دوسرے بھی پیچھے نہیں رہے تھے۔ وہ لوگ دو دن کے بھوکے تھے' کچا پکا گوشت نوچ نوچ کر کھانے لگے۔

"کیسا لگ رہا ہے یہ گوشت شاہ پری؟" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بہت مزے کا۔" شاہ پری نے جواب دیا۔

"میں لاہور میں تمہیں لکشمی چوک لے جاؤں گا۔ وہاں پچاس طریقوں سے گوشت تیار کیا جاتا ہے۔ بالٹی گوشت' کڑاہی گوشت' پتیلی گوشت' تکا گوشت' ہر گوشت کا ذائقہ مختلف ہوتا ہے لیکن ایسا ذائقہ تمہیں کہیں نہیں ملے گا۔"

"میں لاہور کا گوشت بھی کھاؤں گی۔" شاہ پری بولی۔

"اگر زندہ سلامت لاہور پہنچ گئے تو۔" ثمینہ نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شاہ پری نے اسے گھورا۔

"ان پہاڑوں سے نکل سکے تب ہی کہیں پہنچ سکیں گے نا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "مجھے تو لگتا ہے کہ ہم زندگی بھر ان پہاڑوں ہی میں بھٹکتے رہیں گے اور اسی طرح پہاڑی بکروں کا گوشت کھا کر گزارہ کرتے رہیں گے۔"

"مایوس کیوں ہو ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "نکل ہی جائیں گے نا یہاں سے۔" جواب میں ثمینہ خاموش رہی۔ وہ لوگ خاموشی سے گوشت کھاتے رہے۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد انہوں نے بچا ہوا گوشت سمیٹا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو ئے۔ وہ لوگ رات بھر چلتے رہے۔ رات کی تاریکی میں گھوڑے اپنی مرضی سے چل رہے تھے۔ ح کی روشنی پھیلنے پر انہوں نے گھوڑے روک لیے۔ گھوڑے پر بیٹھے بیٹھے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ارق چونک گیا۔ نشیب میں تاحد نگاہ سرسبز وادی پھیلی ہوئی تھی۔ اونچے درختوں کا ایک جنگل تھا دور تک پھیلا ہوا تھا۔ دائیں طرف ایک جگہ دو تین مکان نظر آرہے تھے۔ دو گھروں سے واں اٹھتا ہوا نظر آرہا تھا۔ شارق چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ان دو تین مکانوں کے علاوہ انہیں دور تک کوئی اور مکان نظر نہیں آرہا تھا۔

محمد عمر اور ثمینہ وغیرہ نے بھی وہ مکان دیکھ لیے تھے۔

"کیا خیال ہے وہاں تک چلا جائے؟" ثمینہ نے کہا۔

"ہو سکتا ہے وہاں کچھ اور مکان ہوں جو درختوں کی وجہ سے ہمیں نظر نہ آرہے ہوں۔ اس ح وہاں چلے جانا ہمارے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے۔" شارق نے کہا۔

"تو پھر.....؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ یہیں رکو۔ میں اور محمد عمر جا کر صورتحال کا جائزہ لیتے ہیں۔ اگر صورتحال ہمارے ں میں ہوئی تو ہم سفید کپڑے لہرا دیں گے' تم لوگ بھی چلے آنا اور اگر ہماری طرف سے کوئی ل نہ ملا تو تم لوگ یہیں رک کر ہمارا انتظار کرنا۔ ہم کوئی اور راستہ سوچیں گے۔" شارق نے ہا۔

ثمینہ وغیرہ گھوڑوں سے اتر کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ شارق اور محمد عمر نے اپنے گھوڑے لان پر موڑ دیئے۔ وہ مکان وہاں سے زیادہ دور نہیں تھے گھوڑے پتھروں کے گرد بل کھاتے ئے راستے پر چل رہے تھے۔

ان مکانوں سے تقریباً سو گز کے فاصلے پر بیس پچیس بھیڑیں چرتی ہوئی نظر آئیں۔ انہیں غالباً ح سویرے ہی ان کے باڑے سے نکال دیا گیا تھا۔

"تم یہیں رک جاؤ۔ میں آگے جا کر دیکھتا ہوں۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو تم یہاں رہ کر میری مدد سکو گے۔" محمد عمر نے کہا۔

شارق نے اپنا گھوڑا ایک بہت بڑے پتھر کی آڑ میں روک لیا اور محمد عمر کو دیکھنے لگا جس کا وڑا آہستہ آہستہ ان مکانوں کی طرف جا رہا تھا اور بالآخر ایک مکان کے سامنے پہنچ کر گھوڑا رک

شارق پتھر کی آڑ میں گھوڑے پر بیٹھا اس طرف دیکھ رہا تھا۔ اس نے گھوڑے کی لگام چھوڑ

دی تھی اور رائفل کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تھا۔

محمد عمر نے مکان سے کچھ دور گھوڑا روک لیا اور پشتو میں قدرے اونچی آواز میں پکارنے لگا۔

تقریباً دو منٹ بعد ایک آدمی مکان سے باہر نکلا۔ اس کی عمر ساٹھ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ سفید داڑھی اس کے صحت مند چہرے پر بڑی بھلی لگ رہی تھی۔

"کیا بات ہے' تم کون ہو؟"

"میں مسافر ہوں۔ بہت دور سے آیا ہوں۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

وہ کچھ دیر تک اس بوڑھے سے باتیں کرتا رہا' پھر اس نے شارق کو بھی بلا لیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق نے اپنی قمیض اتار کر ثمینہ وغیرہ کو سگنل دے رہا تھا۔ تقریباً دس منٹ بعد وہ لوگ بھی وہاں پہنچ گئے۔

وہاں تین مکان تھے۔ تینوں گھروں سے مرد اور بچے باہر آگئے تھے۔ عورتیں بھی دروازے میں کھڑی جھانک رہی تھیں۔ مردوں میں ایک تو وہی بوڑھا تھا اور تین جوان آدمی تھے۔ بوڑھے نے ثمینہ اور شاہ پری کو ایک مکان میں بھیج دیا اور شارق وغیرہ کو لے کر دوسرے مکان میں آگیا۔ ان لوگوں سے گفتگو کا چارج محمد عمر نے سنبھال لیا تھا۔

وہ انہیں بتا رہا تھا کہ وہ لوگ ارغوان سے سروبی کے لیے روانہ ہوئے تھے مگر راستہ بھٹک گئے۔ بوڑھے نے اسے بتایا کہ وہ اصل راستے سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ سروبی وہاں سے کم از کم چھ گھنٹے کی مسافت پر ہے۔

بوڑھے نے اپنے بارے میں بتایا کہ یہ تین گھر اس کے خاندان پر مشتمل ہیں۔ اس کے ایک دور کے رشتہ دار نے جنگل کاٹنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے اور وہ لوگ یہاں درخت کاٹتے رہتے ہیں۔ مہینے میں ایک مرتبہ ٹرک آتا ہے اور کٹی ہوئی لکڑیاں لے جاتا ہے۔ کٹائی کا اصل کام جنگل کے دوسری طرف ہو رہا ہے جہاں بیس بائیس آدمی کام پر لگے رہتے ہیں۔ یہ بوڑھا دراصل یہاں چوکیدار تھا' درخت کاٹنا اس کی اضافی آمدنی میں شامل ہے۔

"ہم سے پہلے یہاں کوئی اور اجنبی بھی آیا تھا؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہاں کئی روز سے کوئی اجنبی نہیں آیا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"یہاں سے سروبی کے علاوہ کسی اور طرف جانے کا راستہ بھی ہے؟" محمد عمر نے پوچھا۔

"ہاں۔" بوڑھے نے سر ہلایا۔ "سامنے والے پہاڑ کے دوسری طرف پاکستان کا علاقہ ساؤتھ وزیرستان ہے۔ منگروتائی بھی یہاں سے چند گھنٹے کی مسافت پر ہے۔ سرحد زیادہ قریب ہے۔ خارزدار سرحد کے دوسری طرف پہلا قصبہ ہے۔"

"کبھی وہاں گئے ہو؟" محمد عمر نے ایک اور سوال کیا۔

"اکثر جاتے رہتے ہیں۔" بوڑھے نے جواب دیا۔ "خارزدار میں میرا ماموں زاد بھائی اور کچھ رشتہ دار بھی رہتے ہیں۔ کبھی وہ لوگ بھی اس طرف آجاتے ہیں۔"

محمد عمر کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا کہ ایک بچے نے آکر بتایا کہ کھانا تیار ہو چکا ہے۔ بوڑھے نے ایک نوجوان کو اشارہ کیا' وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد اس نوجوان نے دری پر دسترخوان بچھا دیا اور دوسرے نوجوان نے کھانا لگا دیا۔ کھانے کے دوران بھی باتیں ہوتی رہیں۔ محمد عمر بوڑھے سے کرید کرید کر پوچھ رہا تھا۔ وہ یہ تسلی کر لینا چاہتا تھا کہ یہاں ان کے لیے کوئی خطرہ تو نہیں ہے۔ بوڑھے کی باتوں سے مطمئن تھا کہ یہاں وہ محفوظ ہیں۔

کئی روز بعد انہیں ڈھنگ کا کھانا ملا تھا۔ انہوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اس کے بعد وہ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ نولکھا ایک طرف بیٹھا اونگھ رہا تھا اور پھر وہیں لیٹ گیا۔ چند سیکنڈ بعد اس کے خراٹوں کی آواز سنائی دینے لگی۔

"تم لوگ تھکے ہوئے ہو۔ آرام کرو۔ دوپہر کے کھانے پر میں تم لوگوں کو جگا دوں گا۔" بوڑھے نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اگر کوئی اجنبی اس طرف آجائے تب بھی ہمیں جگا دینا۔" محمد عمر نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی پریشان نہیں کرے گا۔" بوڑھے نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

شارق اور محمد عمر کچھ دیر باتیں کرتے رہے' پھر وہ بھی دری پر لیٹ کر سو گئے۔

ان کی آنکھ دوپہر کا کھانا تیار ہونے سے پہلے ہی کھل گئی۔ اس وقت ایک نوجوان کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ اگر وہ نہانا چاہیں تو ندی پر چلے جائیں۔

ندی وہاں سے زیادہ دور نہیں تھی۔ وہ دیر تک ندی کے ٹھنڈے اور شفاف پانی میں نہاتے رہے۔ اس نوجوان نے انہیں اپنے اور اپنے بھائیوں کے کپڑے بھی لا دیئے تھے۔ وہ کپڑے پہن کر انہوں نے اپنے کپڑے دھو کر سوکھنے کے لیے دھوپ میں ڈال دیئے تھے۔

واپس آتے ہوئے ثمینہ اور شاہ پری سے آمنا سامنا ہو گیا۔ پہلی نظر میں تو شارق انہیں پہچان ہی نہیں سکا تھا۔ وہ نہا دھو کر نکھر آئی تھیں اور صاف ستھرے کپڑوں نے ان کا حلیہ بدل دیا تھا۔ ان کے ساتھ دو اور عورتیں بھی تھیں۔ انہوں نے اپنے چہرے چادروں میں چھپا لیے تھے۔ شارق کچھ دیر ثمینہ اور شاہ پری سے باتیں کرتا رہا۔ پھر محمد عمر اور نولکھا کے ساتھ دوسری طرف مڑ گیا۔

وہ بوڑھا نصیب خان اگرچہ غریب آدمی تھا لیکن خدا نے اسے دل بہت بڑا دیا تھا۔ یوں مہمان نوازی ان کے قبیلے کی روایات میں شامل تھی لیکن وہ کچھ زیادہ ہی مہمان نواز ثابت ہوا تھا اس نے صبح ہی دو دنبے ذبح کر ڈالے تھے اور دوپہر کے کھانے میں کئی طرح کا گوشت تیار کیا گیا تھا۔ کھانے پر پورے خاندان والے موجود تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری عورتوں کے ساتھ دوسرے مکان میں تھیں۔

کھانا بہت ہی لذیذ تھا۔ اگرچہ خمیری روٹیاں بھی موجود تھیں لیکن کئی اقسام کا گوشت ہی اس قدر مزیدار تھا کہ وہ روٹی کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکے تھے۔ صرف گوشت ہی کھا کر پیٹ بھر گیا تھا۔

کھانے کے بعد وہ لوگ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ محمد عمر نے بوڑھے نصیب خان اور اس کے گھر والوں کو اپنے اور شارق وغیرہ کے بارے میں ایک فرضی کہانی سنا ڈالی تھی اور وہ دونوں مطمئن تھے کہ نصیب خان نے اس کی بات پر یقین کر لیا تھا کیونکہ اس نے کسی قسم کی جرح نہیں کی تھی۔

نوکھا ایک طرف دری پر لیٹ گیا۔ محمد عمر اور شارق کو بھی جمائیاں آنے لگی تھیں۔ نصیب خان اٹھ کر چلا گیا تو وہ دونوں بھی لیٹ کر اونگھنے لگے۔

شام ڈھلنے سے کچھ پہلے وہ لوگ بیدار ہوئے تھے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد نصیب خان ان کے لیے چائے لے آیا۔ شارق کا خیال تھا کہ چائے پینے کے بعد وہ رخصت ہو جائیں گے لیکن نصیب خان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ابھی انہیں مہمان بنائے رکھنا چاہتا تھا۔

چائے کے بعد اس کا بیٹا برتن اٹھا کر لے گیا تو نصیب خان اپنی جگہ سے کھسک کر ان کے قریب آ گیا۔ وہ باری باری ان کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔

شارق چونک سا گیا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کوئی بات ضرور ہے۔

"ہاں۔ اب بتاؤ اصل قصہ کیا ہے؟" نصیب خان شارق کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم لوگوں نے جو کہانی سنائی تھی، میں اصل بات جاننا چاہتا ہوں کہ تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟"

شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے کن انکھیوں سے محمد عمر کی طرف دیکھا لیکن بولا کچھ نہیں۔

"یہ تو مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔" نصیب خان دوبارہ بولا۔ "لیکن ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم لوگ میرے مہمان ہو اور میں نے تمہیں دوست بھی کہا ہے۔ ہو سکتا ہے میں تمہاری مدد کر سکوں۔"

"تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ ہم نے اپنے بارے میں تم سے جھوٹ بولا تھا؟" شارق نے کہا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید ثمینہ یا شاہ پری نے کوئی ایسی بات کہہ دی ہو جس سے نصیب خان کو ان پر شبہ ہو گیا ہو۔

"میں نے تیس سال کابل شہر میں رہ کر گزارے ہیں۔ پاکستان کی طرف بھی آتا جاتا ہوں۔ میں کراچی تک گیا ہوں۔ یہ کہہ لو کہ میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملا ہوں۔ کسی سے بات کرتے ہوئے مجھے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس فطرت کا مالک ہے۔ تم لوگوں کے بارے میں میرا خیال ہی نہیں، یقین ہے کہ شریف لوگ ہو اور کسی وجہ سے اصل بات کو چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا، پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس کے علاوہ کل رات یہاں گلباز خان اور خان عبدالقدوس خان کے آدمی بھی آئے تھے۔ انہیں ایسے لوگوں کی تلاش تھی جو ان کی لیبارٹریاں تباہ کر گئے تھے۔ انہیں دو عورتوں اور تین مردوں کی تلاش تھی۔"

"وہ لوگ یہاں آئے تھے؟" محمد عمر کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی۔

"ہاں۔" نصیب خان نے سر ہلایا۔ "لیکن اس وقت مجھے تم لوگوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ تم لوگ کون ہو، کیا ہو؟ اس سے مجھے کوئی غرض نہیں ہے لیکن تم لوگوں نے ہیروئن کی لیبارٹریاں تباہ کی ہیں اور میں اس بات پر بہت خوش ہوں۔ وہ موت کے سوداگر ہیں۔ اپنے ذاتی مفاد کے لیے پوری دنیا میں زہر پھیلا رہے ہیں۔ میں نے ہیروئن کے عادی کئی نوجوانوں کو سسک سسک کر مرتے دیکھا ہے۔ تم لوگوں نے موت کی یہ دو فیکٹریاں تباہ کر دیں۔ میں اس بات پر بہت خوش ہوں اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔ وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہیں۔ وہ ان پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ تم لوگ ان کی نظروں سے بچ کر نہیں نکل سکو گے۔ یہاں بھی تم لوگ زیادہ عرصہ تک محفوظ نہیں رہ سکو گے۔ مجھے یقین ہے وہ لوگ دوبارہ یہاں آئیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ تم لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار ڈالیں۔ اس لیے میں تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

شارق اور محمد عمر ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شارق کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ لیبارٹری کی تباہی کے بعد گلباز خان اور خان عبدالقدوس خان میں اتحاد ہو گیا ہوگا اور انہوں نے مشترکہ طور پر ان کی تلاش شروع کر دی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ان سے اپنی تباہی کا بدلہ نہ لے لیں۔ وہ ان کی تلاش میں واقعی پہاڑوں کا چپہ چپہ چھان ماریں گے۔ دو خطرناک ترین انسان آپس میں مل گئے تھے۔ وہ موت کے

فرشتے تھے اور موت کے یہ فرشتے ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے سرحد کی بھی نگرانی شروع کروا دی ہوگی۔ وہ سرحد پار کرنے والے ایک ایک شخص پر نگاہ رکھے ہوں گے۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو نصیب خان۔" بالآخر شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم وہی ہیں جن کی گلباز خان اور خان عبدالقدوس خان کو تلاش ہے۔ ان کی ہیروئن کی لیبارٹریاں ہم نے ہی تباہ کی تھیں۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہماری تلاش میں ہیں اور اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک ہم سے انتقام نہ لے لیں۔ ہم سرحد پار کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے تمہیں یا کسی اور کو کوئی نقصان پہنچے۔ ہم ڈرتے ڈرتے تمہاری اس بستی تک آئے تھے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ یہاں ہمیں تم جیسا ہمدرد اور مہربان انسان مل گیا۔ تم ہمیں سرحد کی طرف جانے والا راستہ بتا دو۔ ہم آج رات ہی یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

"تم لوگ اپنے طور پر سرحد پار کرنے کی کوشش کرو گے تو مارے جاؤ گے۔" نصیب خان نے کہا۔ "سرحد یہاں سے تقریباً سات گھنٹے کے فاصلے پر ہے۔ تم لوگ بھٹک بھی سکتے ہو۔ میں اپنے بیٹے رحمت اللہ کو تم لوگوں کے ساتھ بھیج دوں گا۔ وہ تمہیں حفاظت سے سرحد پار پہنچا دے گا۔"

"اس طرح رحمت اللہ کی زندگی کو تو خطرہ نہیں ہوگا؟" شارق بولا۔

"نہیں۔" نصیب خان نے جواب دیا۔ "سرحد کی طرف کئی راستے جاتے ہیں لیکن ایک راستہ ایسا بھی ہے جس کے بارے میں میرے اور میرے بیٹوں کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ راستہ دشوار ضرور ہے لیکن ہر لحاظ سے محفوظ ہے لیکن....."

"لیکن کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم لوگ گھوڑوں پر سفر نہیں کر سکو گے۔ پیدل جانا ہوگا۔ گھوڑے اس راستے پر سفر نہیں کر سکتے۔" نصیب خان نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم گھوڑے یہیں چھوڑ جائیں گے۔" شارق بولا۔

اور پھر ان میں یہ پروگرام طے ہونے لگا کہ وہ شام کا اندھیرا پھیلتے ہی روانہ ہو جائیں گے لیکن نصیب خان کا خیال تھا کہ شام کے بجائے وہ لوگ صبح سویرے روانہ ہوں تو بہتر ہے کیونکہ دو گھنٹوں بعد وہ ایسے راستے پر پہنچ جائیں گے جہاں رات کی تاریکی میں سفر نہیں کیا جا سکے گا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم صبح سویرے ہی روانہ ہو جائیں گے۔" شارق نے کہا۔

نصیب خان اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد ثمینہ اور شاہ پری وہاں

ئیں۔ انہوں نے نصیب خان کے گھر کی خواتین کے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ثمینہ انہیں بتا رہی ں کہ نصیب خان کے گھر کی خواتین ان کا بہت خیال رکھے ہوئے ہیں۔ شارق نے انہیں روانگی ے پروگرام سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد نصیب خان پھر ان کے پاس بیٹھ گیا اور وہ دیر تک باتیں کرتے ہے۔ نصیب خان کہہ رہا تھا۔

"رحمت اللہ تم لوگوں کو سرحد پار کرانے کے بعد خارزدار لے جائے گا۔ یہ جنوبی وزیرستان کا ک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ وہاں میرے کچھ رشتہ دار بھی ہیں۔ سرحد کے دوسری طرف پوسٹیکل ظامیہ ہے۔ اس گاؤں کے ساتھ ہی ملیشیا کی چوکی بھی ہے۔ ملیشیا والے تم لوگوں کو پریشان کرنے کوشش کریں گے لیکن میرا ماموں زاد بھائی صبور خان تم لوگوں کی مدد کرے گا۔ وہاں سے اگر لوگ چاہو تو وانا سے ہوتے ہوئے ڈیرہ اسماعیل خان کی طرف نکل سکتے ہو۔ اس سے آگے تم وں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

محمد عمر' نوکھا اور شارق خاموشی سے ان کی باتیں سنتے رہے اور جب نصیب خان چلا گیا تو وہ اپنی اپنی جگہوں پر لیٹ گئے۔

صبح چار بجے انہیں جگا دیا گیا۔ ان کے لیے نہ صرف ناشتہ کا انتظام تھا بلکہ نصیب خان کے گھر والوں نے راستے کے لیے بھی کھانا وغیرہ باندھ دیا تھا اور پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے وہ لوگ منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ نصیب خان سے وہ لوگ اس طرح رخصت ہوئے تھے جیسے کسی بہت قریبی عزیز سے بچھڑ رہے ہوں۔

○

جیسے جیسے سورج بلند ہو رہا تھا' دھوپ سے چٹانیں تپ رہی تھیں لیکن تیز ہوا کی وجہ سے زیادہ گرمی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

راستہ واقعی دشوار گزار تھا۔ کہیں انہیں چٹانوں کے اوپر سے گھوم کر جانا پڑتا اور کہیں تنگ گھاٹیوں پر اترنا پڑتا۔ وہ لوگ اگرچہ ان پہاڑوں پر سفر کرنے کے عادی ہو چکے تھے لیکن تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہ تھک گئے۔ ثمینہ اور شاہ پری سے تو اب چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ان کی شکل شکل ہو رہی تھیں۔

رحمت اللہ نے بھی اس صورتحال کو محسوس کر لیا اور ایک مناسب جگہ دیکھ کر کچھ دیر کے رکنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں جھرنے کی صورت میں ایک چٹان سے پانی بھی بہہ رہا تھا۔ انہیں

پیاس بھی بہت لگ رہی تھی اور بھوک بھی۔ پہلے تو وہ پانی پر ٹوٹ پڑے اور پھر رحمت اللہ نے دسترخوان بچھا دیا۔ کھانا اتنا وافر مقدار میں تھا کہ وہ لوگ دو وقت آرام سے کھا سکتے تھے۔ بھنا ہوا گوشت اور خمیری روٹیوں کے علاوہ موٹی موٹی میٹھی روٹیاں بھی تھیں۔ تقریباً ایک انچ موٹی روٹیوں کو کیک کہا جاتا تھا۔ اس میں اخروٹ، بادام اور پستہ وغیرہ بھی ڈالا ہوا تھا جس سے یہ کیک کچھ اور بھی مزیدار ہو گیا۔

وہ لوگ تقریباً ایک گھنٹہ وہاں رکے رہے اور پھر آگے روانہ ہو گئے۔ آگے کا راستہ کچھ زیادہ ہی دشوار بلکہ خطرناک تھا۔ ایک موقع پر تو شاہ پری اور ثمینہ نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ آگے تقریباً دس گز تک کا راستہ بہت ہی خطرناک تھا۔ ایک طرف دیوار کی طرح عمودی چٹان تھی۔ اس کے ساتھ تقریباً تین فٹ چوڑی چٹان پٹی سی تھی اور اس کے ساتھ سینکڑوں فٹ گہرا کھڈ۔ اس راستے پر چلنا خودکشی کے مترادف تھا مگر اس کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی نہیں تھا۔

سب سے آگے رحمت اللہ تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری کو بڑی مشکل سے آگے چلنے پر آمادہ کیا تھا۔ محمد عمر ایک ہاتھ سے چٹانی دیوار کا سہارا لیے اس تین فٹ چوڑی کارنس پر آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے اس نے شاہ پری کا ایک ہاتھ تھام رکھا تھا۔ شاہ پری نے اپنا دوسرا ہاتھ چٹان پر جما رکھا تھا۔ وہ چٹان کے ساتھ تقریباً چپکی ہوئی سی چل رہی تھی۔ ان کے پیچھے شارق اور ثمینہ اسی طرح چلتے ہوئے آ رہے تھے۔ آخر میں نولکھا تھا۔

آدھا راستہ طے کرنے کے بعد شارق نے نظریں اٹھا کر آگے دیکھا۔ یہ کارنس چٹان کے ساتھ ساتھ اگرچہ آگے تک چلی گئی تھی لیکن رحمت اللہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ ایک لمحہ کو اس کے ذہن میں یہ خیال آیا تھا کہ رحمت اللہ کھڈ میں تو نہیں گر گیا لیکن پھر یہ خیال اس نے ذہن سے جھٹک دیا۔ رحمت اللہ اگر کھڈ میں گرتا تو اس کی چیخ سنائی دیتی۔

دو تین گز کا مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد بات شارق کی سمجھ میں آ گئی۔ آگے اس چٹانی دیوار میں ایک تنگ سی دراڑ تھی اور رحمت اللہ اسی دراڑ میں داخل ہو گیا تھا۔ اس کے پیچھے محمد عمر بھی دراڑ میں داخل ہو رہا تھا۔

شاہ پری کے بعد شارق اس دراڑ میں داخل ہوا اور اس نے ثمینہ کو بھی اندر کھینچ لیا۔ اس کا ہاتھ چھوڑ کر اس نے باہر کی طرف جھکتے ہوئے نولکھا کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نولکھا اس دراڑ میں داخل ہو رہا تھا کہ ایک پتھر اس کے پیر کے نیچے سے نکل گیا۔ نولکھا کو ایک جھٹکا لگا۔ اگر اس کا ہاتھ شارق کے ہاتھ میں نہ ہوتا تو وہ بھی اس پتھر کے ساتھ کھڈ میں جا گرتا۔

نولکھا نیچے لٹکا ہوا تھا اور شارق نے بڑی مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ خوف کی شدت سے نولکھا کا چہرہ بالکل سفید ہو رہا تھا اور اس کے منہ سے عجیب سی آواز بھی نکل رہی تھی۔ محمد عمر نے بڑی تیزی سے آگے بڑھ کر نولکھا کا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں مل کر اسے اوپر کھینچنے لگے۔

وہ دونوں بڑی مشکل سے نولکھا کو کھینچ کر دراڑ میں لا سکے تھے۔ نولکھا تو فوراً ہی زمین پر گر کر لمبے لمبے سانس لینے لگا تھا۔ اس کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی۔ شارق اور محمد عمر کو بھی پسینہ آ گیا تھا۔ وہ بھی لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔

"او بھائی رحمت اللہ۔" بالآخر نولکھا نے اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "آگے بھی اگر ایسا ہی راستہ ہے تو مجھے یہیں چھوڑ جاؤ۔ میں آگے نہیں جا سکتا۔"

"نہیں بھائی نو لاکھ کا۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "آگے کا راستہ بالکل آسان ہے۔ اب کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔"

"نو لاکھ کا۔" نولکھا بڑبڑایا۔ "میں تو نو کوڑی کا بھی نہیں رہا، تم مجھے نو لاکھ کا کہہ رہے ہو۔"

صورتحال سنجیدہ ہونے کے باوجود نولکھا کی اس بات پر وہ سب ہی مسکرا دیئے تھے۔ انہیں تقریباً آدھا گھنٹہ وہاں رکنا پڑا۔

وہ دراڑ بہت تنگ تھی۔ بعض جگہوں پر تو دراڑ اس قدر تنگ تھی کہ وہ دیوار کے ساتھ گھسٹ کر بڑی مشکل سے آگے بڑھ رہے تھے لیکن پچاس گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ بالآخر کھلی جگہ پر نکل آئے۔ یہاں بھی وہ کچھ دیر رکے اور پھر آگے چلنے لگے۔

اب راستہ واقعی زیادہ دشوار نہیں تھا۔ وہ مسلسل ڈھلان پر اتر رہے تھے۔ سہ پہر پانچ بجے کے قریب وہ ایک بار پھر رک گئے۔

"سرحد یہاں سے بالکل قریب ہے۔" رحمت اللہ نے بتایا۔ "کچھ کھا پی کر آرام کر لیں۔ شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہوں گے اور تقریباً ایک گھنٹے بعد سرحد پار کر لیں گے۔" اس نے زمین پر دسترخوان بچھا کر بچا کھچا کھانا لگایا۔

کھانے کے بعد بھی وہ لوگ دیر تک وہاں بیٹھے رہے۔ سورج پہاڑوں کے پیچھے چھپ گیا تو رحمت اللہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ ان لوگوں نے بھی اٹھ کر اپنی اپنی رائفلیں کندھوں پر لٹکا لیں اور رحمت اللہ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔

راستہ زیادہ دشوار نہیں تھا۔ کبھی وہ کسی تنگ سی گھاٹی میں اترنے لگتے اور کبھی بلندی پر چڑھنے لگتے۔ اس وقت وہ ایک بہت تنگ سی سرنگ میں سے نکلے کے بل رینگ رہے تھے۔ سرنگ

اس قدر تنگ تھی کہ وہ بمشکل گھسیٹ گھسیٹ کر آگے بڑھ رہے تھے۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ اس سرنگ سے باہر نکل آئے۔ آگے بھی ایک تنگ سی دراڑ تھی جس میں وہ ایک دوسرے کے پیچھے چلتے رہے اور پھر کشادہ جگہ پر نکل آئے۔ اس سے آگے مسلسل ڈھلان تھی۔

سب سے آگے رحمت اللہ تھا اور اتفاق سے ثمینہ اس وقت سب سے پیچھے تھی۔ وہ ڈھلان پر اتر رہے تھے۔ دفعتاً ثمینہ کا پیر پتھروں پر پھسل گیا۔ کئی چھوٹے پتھر اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گئے تھے۔ ثمینہ لڑکھڑا گئی۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکی اور پشت کے بل گر پڑی۔ گرنے کے بعد بھی اس نے سنبھلنے کی کوشش کی تھی مگر پتھر اس کے نیچے سے نکلتے گئے اور وہ لڑھکتی چلی گئی۔ اس کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں۔

شارق وغیرہ تیزی سے مڑے۔ شارق اس کی مدد کے لیے دوڑا مگر پتھروں پر اس کا پیر بھی پھسل گیا اور وہ بھی ڈھلان پر لڑھکنے لگا۔ ثمینہ کے ساتھ لاتعداد چھوٹے چھوٹے پتھر بھی لڑھک رہے تھے۔ تاریکی میں اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس ڈھلان کے اختتام پر کیا ہے۔ وہ خوفزدہ انداز میں چیخے جا رہی تھی۔

بالآخر وہ جھاڑیوں میں اٹک کر رک گئی۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی شارق بھی اس کے قریب آکر رک گیا۔

"تمہیں چوٹ تو نہیں لگی؟" شارق ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے سہارا دیتے ہوئے بولا۔

"زیادہ نہیں۔" ثمینہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ "بس ذرا گھٹنے چھلے ہیں۔ سر پر خراش آئی ہے۔ ہاتھوں پر رگڑ لگی ہے اور کندھے بھی چھل گئے ہیں۔ ویسے میں ٹھیک ہوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ ان سنگین ترین حالات میں بھی تمہاری خوشدلی برقرار ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اسے سہارا دے کر اس جگہ لے آیا جہاں نوکھا وغیرہ کھڑے تھے۔

ثمینہ کسی قدر لنگڑا کر چل رہی تھی۔ گھٹنوں اور پیروں کے علاوہ جسم کے کئی حصوں پر رگڑ بھی لگی تھی اور وہ تکلیف محسوس کر رہی تھی۔ چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ رک گئی۔

"اب مجھ سے نہیں چلا جا رہا۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ نے کہا اور پھر رحمت اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "سرحد کتنی دور رہ گئی ہے؟ ہم کب سرحد پار کریں گے؟"

"سرحد۔" رحمت اللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "سرحد تقریباً دو میل پیچھے رہ چکی ہے اور ہم اس وقت پاکستانی علاقے میں ہیں۔"

"او مائی گاڈ..... تھینک گاڈ۔" ثمینہ کے منہ سے بااختیار نکلا۔

"شکر ہے، ہم اس جہنم سے نکلے۔" نوکھا نے کہا اور وہیں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ "تو پھر تھوڑی دیر رک جاؤ، ہم بہت تھک گئے ہیں۔"

"لیکن ہم ابھی خطرے سے باہر نہیں نکلے۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "سرحد کے قریب ان پہاڑوں میں جا بجا پاکستانی ملیشیا کی چوکیاں بنی ہوئی ہیں۔ وہ لوگ ٹولیوں کی صورت میں گشت بھی کرتے رہتے ہیں۔ اگر ہم ان کی نظروں میں آگئے تو پھر بچنا مشکل ہو جائے گا۔"

"کیا کہا..... ہمیں مزید اور بھی چلنا ہوگا۔" ثمینہ کے منہ سے کراہ سی نکلی۔

"ظاہر ہے ہم اس ویرانے میں تو نہیں بیٹھے رہ سکتے۔" رحمت اللہ نے جواب دیا۔ "سرحد پار کر لینے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم خطرات سے باہر نکل آئے ہیں۔ ہمیں جلد سے جلد محفوظ جگہ پر پہنچنا ہے۔"

"محفوظ جگہ۔" ثمینہ بولی۔ "ہمیں اور کتنا چلنا پڑے گا؟"

"کم از کم پانچ چھ میل۔" رحمت اللہ نے کہا۔ "پانچ چھ میل آگے چند گھروں پر مشتمل ایک چھوٹی سی بستی ہے۔ ہمیں دن کی روشنی پھیلنے سے پہلے پہلے اس بستی میں پہنچنا ہے۔"

ثمینہ ایک بار پھر کراہ کر رہ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ پھر چل پڑے۔ ثمینہ مسلسل لنگڑا کر چل رہی تھی جس کی وجہ سے ان لوگوں کی رفتار بھی زیادہ تیز نہیں تھی۔ اس طرح مسلسل ایک گھنٹے تک چلتے رہنے کے بعد وہ ایک میدان میں پہنچ گئے۔ شارق نے مڑ کر دیکھا۔ ان کے پیچھے ایک بلند پہاڑ تھا جس کے دامن میں وہ کھڑے تھے۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ وہ لوگ یہ بلند پہاڑ عبور کر کے آئے تھے۔ اس نے سر جھٹک دیا۔ وہ لوگ تو اب تک نجانے کتنے پہاڑ عبور کر چکے تھے۔

ان کے سامنے ایک وسیع پتھریلا میدان تھا جس کے آخر میں بہت دور بلند پہاڑوں کے ہیولے دکھائی دے رہے تھے۔ وہ چلتے چلتے ایک بار پھر رک گئے۔ وہ باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ ایک پتھریلا راستہ تھا جو دائیں سے بائیں چلا گیا تھا۔ یہ رستہ اتنا کشادہ تھا کہ دو ٹرک باآسانی پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے۔ وہ سڑک کے کنارے کھڑے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ دفعتاً شارق چونک گیا۔ دائیں طرف بہت دور تک ایک لمحہ کو روشنی سی چمکی تھی اور پھر غائب ہو گئی تھی۔ رحمت اللہ نے بھی شاید وہ روشنی دیکھ لی تھی۔

"بھاگو۔" وہ چیخا۔ "ملیشیا کی گشتی پارٹی اس طرف آرہی ہے۔ اس طرف پتھروں کے پیچھے چھپ جاؤ۔ جلدی کرو۔"

وہ لوگ دوڑ کر بڑے بڑے پتھروں کے پیچھے چھپ گئے۔ شارق نے پتھر کی آڑ میں جھانک کر

دیکھا۔ روشنی ایک بار پھر نظر آئی۔ اس مرتبہ وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئی۔ وہ کسی ٹرک کے ہیڈ لیمپس کی روشنیاں تھیں جو پتھریلے میدان میں بل کھاتی ہوئی سڑک پر بتدریج قریب آتی جا رہی تھی۔

وہ لوگ پتھروں کے پیچھے دبکے رہے۔ چند منٹ بعد ہی وہ ٹرک ان کے سامنے سے گزر گیا۔ ٹرک چھوٹا تھا اور پیچھے سے کھلا ہوا تھا اور اس میں ملیشیا کے کم از کم چھ جوان بیٹھے ہوئے تھے۔

ٹرک کے آگے نکل جانے کے بعد بھی وہ تقریباً پانچ منٹ تک پتھروں کے پیچھے چھپے رہے اور پھر اٹھ کر تیز تیز چلتے ہوئے سڑک پار کرکے دوسری طرف آگئے اور رکے بغیر چلتے رہے۔ تقریباً دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ پھر رک گئے۔ آگے نشیب تھا اور تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جگہ مدھم سی روشنی نظر آرہی تھی۔

"وہ چھوٹی سی بستی ہماری پہلی منزل ہے۔" رحمت اللہ نے روشنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہم کم از کم ایک دن اس بستی میں رہیں گے۔ اس کے بعد خارزدار روانہ ہو جائیں گے۔ آؤ' آگے چلیں۔"

وہ لوگ ڈھلان اترنے لگے۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد وہ بستی میں داخل ہو گئے جہاں تین چار کتوں نے بھونک کر ان کا استقبال کیا۔ رحمت اللہ کتوں کو ہشکارتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور وہ لوگ اس کے پیچھے چلتے رہے اور پھر کچھ ہی دیر بعد رحمت اللہ ایک مکان کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

○

خارزدار اس بستی سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر تھا۔

انہوں نے وہ پورا دن اور رات اس چھوٹی سی بستی میں گزاری تھی۔ اگلے روز صبح سویرے ہی وہ لوگ ایک پک اپ ٹرک پر خارزدار کے لیے روانہ ہو گئے۔ یہ ٹرک اس بستی کے ملک عبداللہ خان کی ملکیت تھا۔ عبداللہ خان کی عمر چالیس اور پینتالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ ملیشیا کے لیے بھی کام کرتا تھا۔ اسے ٹھیکے پر باربرداری کے چھوٹے موٹے کام مل جاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے اس پک اپ ٹرک سے اور بھی بہت سے کام لیتا تھا۔ خارزدار سے وانا تک دن میں صرف ایک بس چلتی تھی۔ وہ بس بھی صبح چھ بجے نکل جاتی تھی اور اس کے بعد آس پاس بستیوں میں لوگوں کو لانے لے جانے کے لیے عبداللہ خان کا یہ پک اپ ٹرک ہی استعمال ہوتا تھا۔ وہ معقول کرایہ لے کر لوگوں کو ان کی منزل تک پہنچا دیتا تھا۔

وہ لوگ صبح سورج نکلنے سے پہلے اس بستی سے روانہ ہوئے تھے اور سورج نکلنے کے تھوڑی دیر بعد خارزدار پہنچ گئے۔ رحمت اللہ انہیں سیدھا اپنے رشتہ دار کے گھر لے گیا تھا۔ اس کے باپ نصیب خان کا ماموں زاد بھائی ملک شہباز دکاندار تھا۔ اپنی دکانداری کے علاوہ وہ قریب ہی واقع ملیشیا چوکی پر گوشت بھی فراہم کرتا تھا۔ ملیشیا کو گوشت کی فراہمی کا ٹھیکہ اس کے پاس کئی سال سے تھا۔ دوسرے بہت سے لوگ کئی مرتبہ یہ ٹھیکہ حاصل کرنے کی کوشش کر چکے تھے مگر چوکی کے کمانڈر سے ملک شہباز خان کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ اس نے کبھی شکایت کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ اس لیے ہر سال یہ ٹھیکہ اسے ہی مل رہا تھا۔

ملک شہباز کا مکان خاصا بڑا تھا۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے اپنے مہمانوں کو خوش آمدید کہا تھا۔ وہ لوگ دو دن تک اس کی مہمان نوازی کا لطف اٹھاتے رہے۔ تیسرے روز ان کی روانگی کا پروگرام بنا۔

ملک شہباز کو بھی اپنے ایک کام کے سلسلے میں وانا جانا تھا۔ یہاں ملیشیا کا علاقائی ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس نے رات ہی کو بس پر اپنے اور شارق وغیرہ کے لیے سیٹیں بک کروا لی تھیں۔ افغانستان میں بھاگ دوڑ کے دوران شارق وغیرہ کو رقم کی ضرورت نہیں پڑی تھی بلکہ وہ بھول ہی گئے تھے کہ کرنسی بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ وہ لوگ آبادیوں سے دور رہ کر پہاڑوں میں سفر کرتے رہے تھے۔ کبھی دو دو دن بھوکے رہتے اور کبھی جنگلی جانور شکار کرکے اپنا پیٹ بھر لیتے تھے لیکن پاکستان کی حدود میں داخل ہوتے ہی صورتحال بدل گئی تھی۔ انہیں پہاڑوں میں مارے مارے پھرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یہ ان کا اپنا ملک تھا اور وہ آزادی سے سفر کر سکتے تھے۔ سفر کے لیے بسیں موجود تھی لیکن بسوں کے لیے کرایہ درکار تھا۔ رقم حاصل کرنے کے لیے انہیں اپنی رائفلیں ملک شہباز کے ہاتھ اونے پونے داموں فروخت کرنی پڑیں۔ حالانکہ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ پاکستان کے کسی بھی شہر میں ایک کلاشنکوف رائفل پچاس ساٹھ ہزار میں فروخت ہو سکتی ہے لیکن وہ رائفلیں اپنے ساتھ لے کر نہیں چل سکتے تھے۔ اس لیے اسے تمام رائفلیں اونے پونے فروخت کرنا پڑی تھیں۔

بس صبح چھ بجے چلی تھی۔ گلا دین کوئے' تورورم اور تیازرہ نوائی ہوتی ہوئی سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے وانا پہنچ گئی۔

وہ بہت بڑی حویلی نما عمارت تھی جہاں بس رکی تھی۔ تقریباً دو ایکڑ رقبے پر مشتمل کھلا میدان تھا جس کے چاروں طرف مربعہ شکل کی عمارت بنی ہوئی تھی۔ طویل اور کشادہ برآمدوں نے تینوں طرف کی عمارتوں کو ملا رکھا تھا۔ یہاں دکانیں' قہوہ خانے' رہائشی ہوٹل اور چائے خانے

تھے۔ بعض جگہ پر عمارت دو منزلہ تھی۔ درمیان میں واقع میدان میں بھی لوگوں نے جمعہ بازار کی طرح دکانیں لگا رکھی تھیں۔ بسیں بھی اسی میدان میں آکر رکتی تھیں۔ ان سے پہلے چار بسیں اور بھی کھڑی تھیں۔ ان بسوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے کسی عجائب گھر سے نکالی گئی ہوں۔ دیکھنے میں یہ بسیں ڈھانچے ہی لگتی تھیں لیکن پہاڑی علاقوں میں چلنے والی ان بسوں کے انجن نہایت طاقتور تھے۔

وہ لوگ بسوں سے اتر آئے۔ ان کا خیال تھا کہ رات انہیں کسی ہوٹل میں بسر کرنی پڑے گی لیکن جب ملک شہباز نے اپنے گھر رات گزارنے کی پیشکش کی تو انہوں نے فوراً ہی قبول کر لیا۔

بس سے اترنے کے بعد وہ حیرت سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ یہاں ہر قسم کی دکانیں تھیں اور ہر دکان میں تقریباً ہر قسم کی چیزیں دستیاب تھیں۔ کریانے کی دکان میں آٹے' نمک کے علاوہ جوتے' کپڑے اور دوسری چیزیں بھی دستیاب تھیں۔ ان کے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ ہر قسم کا اسلحہ تقریباً ہر دکان پر موجود تھا۔ رائفلیں' پستولیں اور سب مشین گنیں ہر دکان پر نظر آرہی تھیں۔ گولیاں اور کارتوس وغیرہ کھلی ٹوکریوں میں اس طرح بھرے رکھے تھے جیسے چنے بک رہے ہوں۔

حویلی کے باہر کی طرف بھی دکانیں تھیں اور ان دکانوں میں بھی یہی سب کچھ تھا۔ بس سے اترتے ہی انہیں جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا تھا' وہ وانا کی جامع مسجد تھی۔ حویلی سے ملحق نیلے پتھروں سے بنی ہوئی یہ وسیع و عریض مسجد بہت خوبصورت تھی اور شارق کے خیال میں اس نے کسی شہر میں بھی ایسی خوبصورت مسجد نہیں دیکھی تھی جہاں ہر قسم کا سازو سامان اور سہولتیں میسر تھیں۔ وانا کی اس مسجد کی تعمیر میں کئی سال لگے تھے اور یہ لوگوں کے چندے سے تعمیر ہوئی تھی۔ اس مسجد کی تعمیر میں شہر کے تقریباً ہر فرد نے رضاکارانہ طور پر مزدوروں کی طرح کام کیا تھا۔

وانا کی آبادی بکھری ہوئی تھی۔ ملیشیا ہیڈ کوارٹر کی عمارت شہر کے تقریباً ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ بلند ٹیلے پر واقع قلعہ نما یہ عمارت دور ہی سے نظر آرہی تھی۔

ملک شہباز کا ایک مکان وانا میں بھی تھا۔ وہ اپنے کام کے سلسلے میں اکثر وانا آتا رہتا تھا اور اپنے مکان ہی میں ٹھہرتا تھا۔ مکان کی دیکھ بھال اور کام کاج کے لیے اس نے ایک ملازم رکھا ہوا تھا۔ ایک روز پہلے اس نے اپنے ملازم کو اپنے آنے کی اطلاع بھجوا دی تھی اور غالباً یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ کچھ مہمان بھی ہوں گے۔ اس نے کھانے کا بندوبست کر رکھا تھا۔

ملک شہباز کا یہ مکان آبادی سے تقریباً نصف میل دور ایک ٹیلے پر واقع تھا۔ حویلی نما یہ مکان خاصا وسیع و عریض تھا جسے چاروں طرف سے بلند فصیل نے گھیر رکھا تھا۔ اس چار دیواری

کے ایک طرف پتھروں سے بنی ہوئی عمارت تھی اور اس کے سامنے وسیع و عریض لان تھا۔ درختوں کی بھی بہتات تھی۔ لان اور درختوں کو سرسبز رکھنے کے لیے پانی کا بھی معقول انتظام تھا۔ ایک پتھریلا راستہ شہر سے اس مکان تک چلا گیا تھا۔ قرب و جوار کے ٹیلوں پر بھی مکان نظر آرہے تھے۔ قریب ترین مکان بھی وہاں سے کم از کم سو گز کے فاصلے پر تھے۔

وہ لوگ حویلی تک پیدل ہی آئے تھے۔ حویلی میں داخل ہوتے ہی شارق وغیرہ ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایک طرف ایک کھٹارہ سی کار کھڑی تھی جس کے ٹائروں کی ہوا نکلی ہوئی تھی۔ قریب سے گزرتے ہوئے شارق نے کار کے اندر جھانکا۔ اس کی سیٹیں بھی غائب تھیں۔

برآمدے میں لمبا تڑنگا سا ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس کی عمر چالیس کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ خاصا صحت مند آدمی تھا۔ وہ ملک شہباز کا ملازم احمد خان تھا۔ اس کے چہرے پر ڈاڑھی نہیں تھی لیکن ٹوتھ برش ٹائپ کی مونچھیں خاصی بارعب تھیں۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ملک شہباز کے ہاتھ سے بیگ لے لیا اور معنی خیز نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ شارق وغیرہ کی طرف بھی اس نے عجیب سی نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ لوگ اندر آگئے۔ یہ کمرہ خاصا وسیع و عریض تھا۔ فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور ریشمی غلاف والے گاؤ تکیے رکھے ہوئے تھے۔

"آپ لوگ منہ ہاتھ دھو لیں تو چائے پی جائے۔" ملک شہباز نے شارق وغیرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر احمد خان کی طرف دیکھ کر بولا۔ "احمد خان..... ان کے لیے پانی کا بندوبست کرو۔"

"جی ملک جی۔" احمد خان نے سر ہلا دیا۔

وہ لوگ اسی کے ساتھ کمرے سے نکل کر مکان کے پچھلی طرف آگئے۔ اس طرف بھی برآمدہ تھا۔ ایک طرف پانی کے دو ڈرم رکھے ہوئے تھے جن میں ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس کے قریب ہی ایک پتھر پر صابن رکھا ہوا تھا۔

"آپ لوگ یہاں منہ ہاتھ دھو لیں۔ میں تولیہ لے کر آتا ہوں۔" احمد خان کہتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔

"پہلے شاہ پری نے منہ ہاتھ دھویا' پھر ثمینہ نے۔ اس کے بعد نوکھا وغیرہ آگے بڑھے۔ اس دوران احمد خان ایک بڑا سا تولیہ لے آیا۔ اس نے تولیہ شاہ پری کی طرف بڑھا دیا۔ اس وقت نہ شاہ پری کے سر پر چادر تھی اور نہ ہی ثمینہ کے سر پر۔ احمد خان ان کے سامنے کھڑا ہوس بھری نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اس وقت شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا۔ مکان کے پچھلی طرف بھی درختوں کی بہتات تھی۔ تاریکی میں تیز ہوا سے جھومتے ہوئے درختوں کے سائے بڑا پراسرار تاثر دے رہے تھے۔

جب وہ لوگ دوبارہ اس کمرے میں پہنچے تو ملک شہباز وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ لوگ قالین پر بیٹھ گئے۔ نولکھا' ثمینہ اور شاہ پری تو لیٹ گئی تھیں۔ وہ لوگ طویل عرصہ تک بنجر اور ویران پہاڑوں میں بھٹکتے رہے تھے۔ ہزاروں فٹ بلند پہاڑوں پر چڑھے تھے لیکن اتنی تھکن کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی آج محسوس ہو رہی تھی۔ دن بھر کے سفر نے انہیں بری طرح تھکا دیا تھا۔ ثمینہ تو قالین پر لیٹتے ہی اونگھنے لگی تھی۔ نولکھا کی حالت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد ملک شہباز بھی آگیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد احمد خان چائے لے آیا۔ باتوں کی آواز سن کر ثمینہ اور نولکھا بھی اٹھ کر بیٹھ گئے۔ چائے پینے کے دوران وہ باتیں کرتے رہے۔ ملک شہباز انہیں وانا اور ساؤتھ وزیرستان کے بارے میں بتا رہا تھا۔

"مجھے ایک ضروری کام سے شہر جانا ہے۔ تم لوگ آرام کرو۔ میں ساڑھے آٹھ نو بجے تک واپس آجاؤں گا۔ اس وقت تک کھانا بھی تیار ہو چکا ہوگا اور ہاں' کسی بات سے ڈرنے یا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تم لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو احمد خان کو بتا دینا۔"

ملک شہباز اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ باہر جا چکا تھا۔ اس کے جانے کے بعد احمد خان نے چائے کے برتن اٹھا لیے اور شارق وغیرہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گئے۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہاں ہمارے ساتھ کوئی دھوکا تو نہیں ہوگا؟"

"امید تو نہیں ہے لیکن پھر بھی ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہمیں زیادہ محتاط رہنا پڑے گا کیونکہ اب اپنے دفاع کے لیے ہمارے پاس کوئی اسلحہ بھی نہیں ہے۔"

"میرے پاس شکاری چاقو موجود ہے۔" محمد عمر نے کہا۔

"اور میرے پاس بھی خنجر موجود ہے۔" شاہ پری نے کہا اور شلوار کا پائنچہ اٹھا کر پنڈلی سے بندھا ہوا خنجر دکھانے لگی۔

"اگر کوئی ناموافق صورتحال ہوئی تو کیا تمہارے خیال میں ہم صرف ایک چاقو اور خنجر سے اپنا دفاع کر سکیں گے؟" شارق نے باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو وقت آنے پر دیکھا جائے گا۔ ویسے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ ایسی کوئی صورتحال پیدا نہیں ہوگی۔" محمد عمر نے جواب دیا۔

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اگر واقعی کوئی ایسی ناخوشگوار صورتحال ہوئی تو وہ اپنا دفاع کر سکیں گے یا نہیں؟ اسے سب سے بڑا خطرہ ثمینہ اور شاہ پری کی وجہ سے تھا۔ یہ دونوں کمبخت اس قدر حسین تھیں کہ ہر شخص کی نظریں ان کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ آتے ہی اس نے احمد خان کی نظروں کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اسے شہباز خان کی نظروں میں بھی نظر آئی تھی۔ اگر اس کی نیت میں فتور آگیا تو گڑبڑ ہو سکتی ہے۔

ملک شہباز خان یہاں کا رہنے والا تھا۔ ملیشیا کے افسران سے اس کے تعلقات تھے۔ پولیٹیکل سے بھی اس کے گہرے روابط تھے۔ وہ ان کے خلاف بہت کچھ کر سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا شارق' محمد عمر اور نولکھا کو تو پولیٹیکل حکام کے حوالے کر دے اور ان دونوں لڑکیوں پر قبضہ کر لے۔ ان لوگوں کے خلاف کوئی بھی الزام عاید کیا جا سکتا تھا۔ وہ اگرچہ پاکستانی شہری تھے لیکن غیر قانونی طور پر سرحد پار کر کے آئے تھے اور افغانستان میں قتل و غارت کر کے آئے تھے۔ مزید برآں ان کے خلاف تحقیقات کی جاتیں تو بات بہت دور تک نکل سکتی تھی۔ صرف لاہور میں ان کے اتنے کیسز تھے کہ کئی جنم لینے کے بعد بھی سزا پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ وہ خدشات تھے جو شارق کے ذہن میں جنم لے رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر کوئی ناخوشگوار صورتحال پیدا ہوئی تو ہر صورت میں اس سے نمٹنا ہوگا۔ کسی ایسی صورتحال سے بچنے کا طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ لوگ خاموشی سے یہاں سے نکل جائیں لیکن ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں وہ روپوشی اختیار کر سکیں۔ قصبہ نما ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کی آبادی قبائلیوں پر مشتمل تھی۔ کسی غیر قبائلی کے لیے اپنے آپ کو یہاں چھپانا بہت مشکل تھا۔ یہاں سے اترنے کے بعد وہ یہاں کے رہائشی ہوٹل بھی دیکھ چکا تھا۔ سرائے نما ہوٹل تھے اور ان میں آپ کو دوسروں کی نظروں سے نہیں چھپا سکتے تھے۔ کوئی اور ایسی جگہ نہیں تھی جہاں پناہ لی جا سکتی۔ یہاں سے بھاگ بھی نہیں سکتے تھے۔ مختلف علاقوں کو جانے والی بسیں یہاں سے آگے جانے سویرے ہی نکل جاتی تھیں۔ رات کو کسی طرف کوئی بس نہیں جاتی تھی۔

شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کے سارے ساتھی اونگھ رہے تھے۔ وہ اٹھ کر کمرے سے نکلتا ہوا باورچی خانے میں آگیا جہاں احمد خان کھانا تیار کر رہا تھا۔ باورچی خانہ خاصا کشادہ تھا جس میں لکڑیاں استعمال ہوتی تھیں۔ دھویں سے تمام دیواریں کالی ہو رہی تھیں۔ احمد خان اسے دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

"ایک بات بتاؤ احمد خان۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں سے بسیں کہاں جاتی ہیں؟"

"ایک بس تو اس طرف جاتی ہے جس طرف سے تم لوگ آئے ہو۔" احمد خان نے دیا۔ "ایک بس شمالی وزیرستان میں میدان شاہ کی طرف اور ایک بس تنائی پوسٹ سے ہوتی فورٹ سنڈیمن کی طرف جاتی ہے جبکہ ایک اور بس تنائی پوسٹ سے ہوتی ہوئی ٹانک اور اسماعیل خان کی طرف جاتی ہے۔ یہ تمام بسیں صبح چھ بجے سے پہلے نکل جاتی ہیں۔ انہی سے آنے والی کچھ بسیں دوپہر کے وقت یہاں پہنچتی ہیں جو تھوڑی دیر رکنے کے بعد اپنی اپنی کی طرف روانہ ہو جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ قریبی بستیوں کے لیے بسیں چلتی رہتی ہیں لیکن سے پہلے پہلے یہ بسیں بھی بند ہو جاتی ہیں۔"

"یہاں رات کو بسیں نہیں چلتیں؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" احمد خان نے نفی میں سر ہلایا۔ "راستے بڑے خطرناک ہیں۔ اس لیے ان میں سفر دن کے وقت ہی ہوتا ہے۔ شام ہونے تک تمام بسیں اپنی اپنی منزلوں پر پہنچ جاتی رات کو کوئی بس نہیں چلتی۔"

"اور ٹرک وغیرہ؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا' پھر بات جاری ہوئے بولا۔ "ملک شہباز نے بتایا تھا کہ ان علاقوں میں چیڑ کے درختوں کی بہتات ہے اور کاٹ کاٹ کر ٹرکوں پر شہروں میں بھیجی جاتی ہیں۔ ٹرک تو میرا خیال ہے رات کو بھی چلتے گے۔"

"ہاں۔" احمد خان نے جواب دیا۔ "اکا دکا ٹرک چلتے رہتے ہیں لیکن حادثات بھی ہوتے ہیں لیکن تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"یونہی۔ کچھ معلومات حاصل ہونی چاہیے نا۔" شارق نے جواب دیا اور باورچی خا نکل آیا۔

وہ گھوم پھر کر مکان دیکھتا رہا۔ کئی کمرے تھے۔ دو تین کمرے ایسے تھے جن میں قالین ہوئے تھے اور کچھ سامان موجود تھا جبکہ باقی کمرے خالی تھے اور ان کے فرش پر گرد جمی ہوئی کچھ دیر بعد وہ مکان سے باہر آگیا اور برآمدے میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ نشیب شہر کی جگمگاتی ہوئی روشنیاں نظر آرہی تھیں۔ ان روشنیوں سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ شہ تک تھا اور اس کی آبادی کس قدر پھیلی تھی۔

تھوڑی دیر بعد احمد خان بھی برآمدے میں آگیا۔ اس نے دو کیرا سین لیمپ اٹھا رکھے وہ لیمپ فرش پر رکھ کر ان کی صفائی کرنے لگا۔

"یہاں بجلی موجود ہے تو لیمپ کی کیا ضرورت ہے؟" شارق نے کہا۔

"شہروں کی طرح یہاں چوبیس گھنٹے بجلی نہیں ملتی۔" احمد خان نے جواب دیا۔ "رات گیارہ لی بند کردی جاتی ہے' پھر صبح پانچ بجے کھلتی ہے۔"

شارق وہیں کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ وہ اب بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کسی ہنگامی صورتحال میں سے کس طرح نکلا جائے گا لیکن احمد خان نے بسوں کی جو صورتحال بتائی تھی' اس کے پیش ت کو یہاں سے کہیں بھی جانا ممکن نہیں تھا۔

وہ دوبارہ کمرے میں آگیا۔ اس کے سارے ساتھی اب بھی اونگھ رہے تھے۔ شارق بھی ایک ے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد اسے برآمدے کی طرف سے باتوں از سنائی دی۔ اس کے چند سیکنڈ بعد قدموں کی آواز سنائی دینے لگی۔ اس کے تھوڑی ہی دیر ں شہباز دو آدمیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ انہیں دیکھ کر شارق کے دل کی دھڑکن رتیب ہو گئی۔

ملک شہباز کے ساتھ آنے والے دونوں آدمی ملیشیا کے افسروں کی وردی میں تھے۔ ملیشیا کی رنگ کی شلوار قمیض' پشاوری چپل اور سروں پر چترالی قسم کی ٹوپیاں۔ دونوں نے چوڑے گا رکھے تھے اور ہولسٹروں میں ریوالور نظر آرہے تھے۔

"ڈرو نہیں۔" ملک شہباز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ دونوں آفیسر میرے دوست یہ رحمان خان اور یہ حبیب اللہ۔" اس نے باری باری دونوں کا تعارف کرایا۔ پھر بات رکھتے ہوئے بولا۔ "میں جب بھی وانا آتا ہوں' ان سے میری ملاقات ضرور ہوتی ہے اور ہم کم ایک وقت کا کھانا اکٹھے کھاتے ہیں۔ کل چونکہ میرا دن بہت مصروفیت میں گزرے گا' اس ں نے انہیں آج ہی کھانے پر بلا لیا ہے اور میرا خیال ہے تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ وہ باری باری ان دونوں افسروں کی دیکھ رہا تھا۔ اسے اپنے بدترین خدشات پورے ہوتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ اس نے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اٹھ کر ان دونوں سے ہاتھ ملایا۔

ان کی باتوں کی آواز سن کر ثمینہ اور نولکھا وغیرہ بھی جاگ گئے۔ ملیشیا کے ان افسروں کو دیکھ نہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ وہ دونوں آفیسر بھی قالین پر بیٹھ گئے۔ ہباز انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

شارق نے یہ بات فوراً ہی محسوس کر لی تھی کہ وہ دونوں آفیسر عجیب سی نظروں سے ثمینہ اور ی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری نے بھی ان کی نظروں کو محسوس کر لیا تھا۔ نے قریب پڑی ہوئی چادریں اٹھا کر اس طرح لپیٹ لیں کہ ان کے جسم پوری طرح چھپ

گئے۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد ملک شہباز واپس آگیا۔ اس نے بتایا کہ کھانا لگ گیا ہے۔ وہ لوگ کر ساتھ والے کمرے میں آگئے جہاں قالین پر دسترخوان بچھا ہوا تھا اور پر تکلف کھانا چنا ہوا کھانے میں بکرے کا گوشت بھی تھا اور مرغی کا بھی۔

شارق رغبت سے کھانا نہیں کھا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ممکنہ گڑبڑ سے کس طرح نمٹا جا ہے۔ اس نے محمد عمر کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی کچھ ایسے ہی تاثرات تھے۔

ثمینہ اور شاہ پری بھی خاموش تھیں۔ حالانکہ عام طور پر چائے کے دوران گپ شپ رہتی تھی۔ وہ دونوں اس طرح بیٹھی ہوئی تھیں جیسے انہیں زبردستی بٹھایا گیا ہو۔

کھانے کے بعد وہ لوگ دوبارہ اس کمرے میں آگئے۔ کچھ دیر بعد احمد خان چائے لے چائے کے دوران بھی گپ شپ ہوتی رہی۔ ان دونوں افسروں کا انداز اگرچہ دوستانہ اور تکلفانہ تھا لیکن شارق مطمئن نہیں تھا۔ اس کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے تھے اور چھٹی حس کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔

گیارہ بج گئے۔ اچانک ہی بتی جلنے بجھنے لگی۔ شارق بلب کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے اچانک احمد خان کی کہی ہوئی بات یاد آگئی۔ اس نے بتایا تھا کہ رات گیارہ بجے بتی بند ہو جاتی ہے۔ یہ ایک طرح کا سگنل تھا کہ لوگ کیرا سین لیمپ وغیرہ جلا لیں .....بتی دو تین مرتبہ وقفے وقفے جلی بجھی اور پھر ایک دم تاریکی چھا گئی۔

"احمد خان.....لیمپ نہیں جلایا تم نے ابھی تک۔" ملک شہباز نے احمد خان کو پکارتے ہو کہا۔

"جلا رہا ہوں ملک صاحب۔" کمرے کے باہر کہیں احمد خان کی آواز سنائی دی۔

شارق نے بے چینی سے اپنی جگہ پر پہلو بدلا اور آہستہ آہستہ اس طرف سرکنے لگا جہ طرف ثمینہ اور شاہ پری بیٹھی ہوئی تھیں۔ اچانک ہی اسے شاہ پری کی ہلکی سی چیخ سنائی دی۔

"کون ہو تم.....چھوڑو مجھے۔" وہ چیخ کر بولی۔

شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ کھیل شروع ہو ہے۔ اسی لمحہ یوں لگا جیسے وہاں دھینگا مشتی شروع ہو گئی ہو۔ شاہ پری کے ساتھ اب ثمینہ آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔

"چھوڑ دو مجھے۔ کون ہو تم.....کمینے.....چھوڑو مجھے....."

شارق بڑی تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ کسی سے ٹکرا گیا۔ اس نے فوراً ہی ٹکرانے والے

گرفت میں لے لیا لیکن اسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ اس نے ثمینہ کو پکڑا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے یہ بھی پتا چل گیا کہ کوئی اور بھی ثمینہ کو گرفت میں لیے ہوئے تھا جو اسے دروازے کی طرف کھینچ رہا تھا۔

شارق نے ثمینہ کو چھوڑ کر اس شخص کو گرفت میں لے لیا۔

وہ ملیشیا کا ایک آفیسر تھا۔ شارق اس سے گتھم گتھا ہو گیا۔ وہ دونوں قالین پر لڑھکنے لگے۔ دوسری طرف سے بھی دھینگا مشتی کی آواز آرہی تھی۔ شارق نے اپنے حریف کو گرفت میں لے رکھا تھا۔ وہ اگرچہ شارق سے زیادہ طاقتور تھا لیکن وہ شارق کے قابو میں آگیا تھا۔

اسی لمحہ دروازے کے باہر راہداری میں مدھم سی روشنی نظر آئی۔ احمد خان لیمپ لے کر اسی طرف آرہا تھا۔ روشنی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا تھا۔

ملیشیا آفیسر رحمان خان شاہ پری کو گھسیٹتا ہوا دروازے کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہ اسے کمرے سے باہر لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری طرف محمد عمر ملک شہباز سے الجھا ہوا تھا۔ نولکھا ایک طرف کھڑا ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا اور پھر دفعتاً" اس نے رحمان خان کی طرف چھلانگ لگا دی۔

رحمان خان نے شاہ پری کو دبوچ رکھا تھا۔ کھینچا تانی میں شاہ پری کے کپڑے پھٹ گئے تھے۔ نولکھا کسی چیتے کی طرح رحمان خان پر جھپٹا تھا۔ اس نے ایک بازو رحمان خان کی گردن پر لپیٹ دیا اور اسے پیچھے کھینچنے لگا۔ رحمان خان نے شاہ پری کو بھی پکڑ رکھا تھا' وہ اسے اپنے ساتھ گھسیٹ رہا تھا۔ اس کھینچا تانی میں شاہ پری کا ہاتھ رحمان خان کے ریوالور کے دستے پر پڑ گیا۔ اس نے بڑی پھرتی سے ریوالور کھینچ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔

فائر کی آواز کے ساتھ ہی کمرے میں رحمان خان کی چیخ کی آواز بھی گونجی تھی۔ گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ اس نے شاہ پری کو چھوڑ دیا تھا۔ شاہ پری ایک جھٹکے سے اٹھ کر پیچھے ہٹ گئی۔ رحمان کی گردن اب بھی نولکھا کی گرفت میں تھی۔ رحمان خان کو تڑپتے دیکھ کر نولکھا نے اسے چھوڑ دیا۔ شاہ پری کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سفاکی تھی۔ اس نے ریوالور کا رخ رحمان خان کے سینے کی طرف کرکے پے در پے دو مرتبہ ٹریگر دبا دیا۔ دونوں گولیاں رحمان کے سینے میں پیوست ہو گئیں اور خون کے فوارے ابل پڑے۔

دوسری طرف ملک شہباز اور محمد عمر ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ محمد عمر نے ملک شہباز کو دبوچ رکھا تھا۔ اس دوران ملک شہباز کو جیب میں ہاتھ ڈالنے کا موقع مل گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد ایک ساتھ کمرے میں فائر اور محمد عمر کی چیخ کی آواز گونجی۔ شہباز خان نے جیب میں رکھے

ہوئے پستول کا ٹریگر دبا دیا تھا اور گولی محمد عمر کے پیٹ میں لگی تھی۔ وہ ملک شہباز کو چھوڑ کر پیچھے الٹ گیا۔ ملک شہباز نے دوسری گولی چلا دی۔ گولی اس مرتبہ محمد عمر کی پیشانی پر لگی اور وہ ڈھیر ہو گیا۔

ملک شہباز اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ تیسری گولی چلا سکتا' شاہ پری نے یکے بعد دیگر دو گولیاں چلا دیں۔ دونوں گولیاں ملک شہباز کے سینے میں لگیں اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔

ملک شہباز کا ملازم احمد خان لیمپ دروازے کے سامنے زمین پر رکھ چکا تھا۔ وہ اپنے آقا کی مدد کے لیے آگے بڑھنا چاہتا تھا مگر صورتحال دیکھ کر وہ چیختا ہوا باہر کی طرف دوڑا۔ نولکھا نے بھی اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اگر احمد خان بچ کر اس مکان سے باہر نکل گیا تو ان کی اپنی زندگیوں کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکے گی۔

احمد خان برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔ نولکھا نے دور ہی سے چھلانگ لگا دی اور ہوا میں اڑتا ہوا احمد خان کے اوپر جا گرا۔ احمد خان کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ وہ دونوں زمین پر گرے تھے۔ احمد خان اگرچہ زیادہ طاقتور تھا لیکن نولکھا پر جنون کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس نے احمد خان کو بری طرح دبوچ رکھا تھا۔ کمرے کے اندر ملیشیا آفیسر حبیب اللہ اور شارق ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری قریب کھڑی تھیں۔ حبیب اللہ اپنا دفاع کرنے کے ساتھ ساتھ ہولسٹر سے ریوالور نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ثمینہ صورتحال کا اندازہ لگاتے ہی آگے بڑھی اور اس نے بڑی پھرتی سے حبیب اللہ کے ہولسٹر سے ریوالور کھینچ لیا اور ریوالور کی نال کی طرف سے پکڑ کر دستے سے اس کے سر پر ضرب لگائی۔ حبیب اللہ کے منہ سے چیخ نکلی' اس نے شارق کو چھوڑ دیا۔ شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر سیدھا ہو گیا۔ حبیب اللہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے سر سہلا رہا تھا۔

"تم لوگوں نے تین خون کر دیئے ہیں۔ بچ کر نہیں جا سکو گے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

"تین نہیں دو۔" شاہ پری بولی۔ "ہمارے ساتھی کو ملک شہباز نے مارا ہے لیکن میں تیرا خون بھی کروں گی اور تیسرا خون تمہارا ہوگا۔ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

اس نے ریوالور سیدھا کر لیا۔ اس سے پہلے کہ حبیب اللہ کچھ کہتا' شاہ پری نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی حبیب اللہ کی پیشانی میں لگی اور وہ منہ سے آواز نکالے بغیر ڈھیر ہو گیا۔

دھینگا مشتی کی آوازیں سن کر شارق باہر کی طرف دوڑا۔ وہ عین وقت پر برآمدے میں پہنچ گیا

تھا۔ احمد خان نے نولکھا کا گلا دبوچ رکھا تھا۔ وہ پوری قوت سے اس کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور نولکھا کی آنکھیں باہر کو ابل پڑ رہی تھیں۔

شارق نے احمد خان کے سر پر زوردار ٹھوکر ماری مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ دو تین مزید ٹھوکریں کھانے کے بعد بھی اس نے نولکھا کا گلا نہیں چھوڑا تو شارق نے اس کی گردن پکڑ لی اور اسے پوری قوت سے پیچھے کھینچنے لگا اور بالآخر اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ احمد خان نے نولکھا کا گلا چھوڑ دیا اور اپنی گردن بچانے کی کوشش کرنے لگا۔

نولکھا نے احمد خان کو ٹانگوں سے پکڑ لیا اور وہ دونوں اسے گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے آئے۔ کمرے میں چار لاشیں دیکھ کر احمد خان کی آنکھیں وحشت سے ابھر آئی۔ شاہ پری خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور پھر اس نے احمد خان کے سینے میں بھی دو گولیاں پیوست کر دیں۔ احمد خان بھی چیختا ہوا رحمان خان کی لاش کے اوپر ڈھیر ہو گیا۔

شارق چند لمحے شاہ پری کی طرف دیکھتا رہا' پھر اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ریوالور لے لیا۔ شاہ پری اس سے لپٹ گئی اور اچانک ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شارق اس کا کندھا تھپتھپا رہا تھا۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر شاہ پری کو سنبھال لیا۔

شاہ پری تقریباً دس منٹ بعد اپنی کیفیت پر قابو پا سکی تھی۔ عجیب صورتحال تھی۔ پانچ لاشیں پڑی تھیں اور کمرے میں ہر طرف خون بکھرا ہوا تھا۔ شارق وغیرہ شاہ پری کو لے کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ اس کمرے سے نکلنے سے پہلے شارق نے ملک شہباز کی جیب سے بھی پستول نکال لیا تھا۔

وہ لوگ کئی منٹ تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر نولکھا ہی نے زبان کھولی۔ وہ افسردہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"بیچارہ محمد عمر۔ کئی دن کا ساتھ تھا ہمارا اور اس کا۔"

محمد عمر کے تذکرے پر شاہ پری اور ثمینہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ان کا محمد عمر سے خون کا کوئی رشتہ نہیں تھا لیکن ان کا کئی روز کا ساتھ رہا تھا۔ زندگی اور موت کے کھیل میں وہ ساتھ ساتھ رہے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کا سگا بھائی بچھڑ گیا تھا۔ وہ لوگ بہت دیر بعد اپنی کیفیت پر قابو پا سکے تھے۔

"اب صورتحال ہمارے لیے زیادہ خطرناک ہو گئی ہے۔" شارق نے باری باری ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ مکان اگرچہ آبادی سے کافی دور ہے لیکن ہو سکتا ہے گولیوں کی آواز کہیں سن لی گئی ہو۔ اگر کوئی صورتحال معلوم کرنے کے اس طرف آ گیا تو مشکل ہو جائے گی۔"

"میرا خیال ہے اس طرف کوئی نہیں آئے گا۔" شاہ پری نے کہا۔ "گولیاں بند کمرے کے اندر چلی تھیں۔ ان کی آواز زیادہ دور تک نہیں سنی گئی ہوگی۔"

"پھر بھی ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔" شارق نے کہا۔

وہ لوگ تقریباً آدھے گھنٹے تک بیٹھے رہے لیکن کسی طرف سے کوئی ردعمل سامنے نہیں آیا جس کا مطلب تھا کہ فائرنگ کی آواز واقعی کہیں نہیں سنی گئی تھی۔ اگر کہیں سنی بھی گئی ہوگی تو کسی نے توجہ نہیں دی ہوگی۔

اب ان کے لیے سب سے اہم مسئلہ یہ تھا کہ لاشوں کا کیا جائے اور آئندہ کے لیے کیا سوچا جائے۔

"میری رائے تو یہ ہے کہ ہمیں صبح پہلی بس سے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔" شارق نے کہا۔ "میں نے احمد خان سے معلوم کر لیا تھا۔ بسیں یہاں سے صبح چھ بجے کے لگ بھگ نکلتی ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم ساڑھے پانچ بجے اڈے پر پہنچ جائیں اور ڈیرہ اسماعیل خان والی بس پر جگہ حاصل کرنے کی کوشش کریں۔"

"لیکن ہمارے بعد کوئی یہاں آگیا اور اس نے لاشیں دیکھ لیں تو کیا ہوگا۔ وہ لوگ تو راستے میں بھی بسیں رکوا لیں گے۔" نولکھا نے کہا۔

"کل شام کو دو تین آدمیوں نے ہمیں ملک شہباز کے ساتھ اس طرف آتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہم زیادہ لوگوں کی نظروں میں نہیں آئے۔" شارق بولا۔ "ویسے ایک تجویز ہے میرے ذہن میں۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"مکان کی پچھلی طرف گڑھا کھود کر لاشوں کو دفن کر دیا جائے اور خون آلود قالین بھی اسی گڑھے میں ڈال دیا جائے۔ اس طرح ہمیں وقت مل جائے گا اور ہم یہاں سے زیادہ سے زیادہ دور جا سکیں۔"

"ٹھیک ہے تو پھر گڑھا کھودنے کی تیاری کرنی چاہیے۔" نولکھا نے کہا۔ وہ لوگ اٹھ کر مکان میں گھومنے لگے۔ اسٹور والے ایک کمرے میں انہیں بیلچے اور کدال مل گئے تھے۔ وہ لوگ مکان کے پچھلی طرف آگئے اور ایک مناسب جگہ کا انتخاب کرکے گڑھا کھودنے لگے۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی ان کا ساتھ دے رہی تھیں۔ زمین نرم تھی اور انہیں گڑھا کھودنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

چار بجے کے لگ بھگ انہوں نے تمام لاشیں اٹھا کر گڑھے میں ڈال دیں۔ ان کے اوپر قالین

ڈال دیئے اور گڑھا بند کرکے مٹی اس طرح برابر کر دی کہ وہ جگہ فوری طور پر نظروں میں نہ آسکے۔

لاشوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ گھر کی تلاشی لینے لگے۔ ایک کمرے کی الماری سے انہیں کپڑے مل گئے۔ زنانہ کپڑے بھی تھے اور مردانہ بھی۔ زنانہ کپڑوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ ملک شہباز کے گھر والے بھی یہاں آتے رہتے تھے۔ انہوں نے منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدل لیے اور ثمینہ اور شاہ پری باورچی خانے میں آگئیں۔ رات کا بچا ہوا کھانا گرم کرنے کے ساتھ چائے بھی بنا لی گئی۔ اس طرح انہیں ناشتہ مل گیا۔

دونوں ملیشیا افسروں' ملک شہباز کے لباس کی تلاشی اور گھر کی تلاشی کے دوران شارق کو پاکستانی کرنسی میں کئی ہزار روپے مل گئے تھے جو اس نے احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیے تھے۔ یہ رقم راستے میں ان کے اخراجات کے لیے کافی تھی۔

وہ لوگ سوا پانچ بجے ملک شہباز کی حویلی سے نکل آئے۔ اس وقت دن کا بہت مدھم اجالا پھیلنا شروع ہوا تھا۔ وہ لوگ تیز تیز قدموں سے چلتے رہے۔

وہ لوگ مسجد سے ملحق حویلی میں بسوں کے اڈے پر پہنچ گئے۔ اس حویلی کو شہر کے مرکزی بازار کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ دکانیں اگرچہ بند تھیں البتہ اکا دکا چائے خانے کھلے ہوئے تھے۔ مختلف اطراف کو جانے والی بسیں تیار کھڑی تھیں۔

یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں ڈیرہ اسماعیل خان جانے والی بس پر جگہ مل گئی۔ شارق نے ٹکٹ لیے اور وہ بس میں بیٹھ گئے۔ کچھ مسافر پہلے سے بیٹھے تھے' کچھ آرہے تھے۔

شارق کھڑکی کے ساتھ سیٹ پر بیٹھا محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ ٹھیک چھ بجے بس چلی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

بس شہر سے باہر نکل رہی تھی کہ پیچھے سے آنے والے ایک ٹرک نے آگے نکل کر بس کا راستہ روک لیا۔ بس رک گئی۔ ٹرک میں ملیشیا کے مسلح جوان بھرے ہوئے تھے۔ ٹرک بھی رک گیا تھا۔ ملیشیا کے مسلح جوانوں نے ٹرک سے اتر کر بس کو گھیرے میں لے لیا۔

شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے نولکھا' ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ ان تینوں کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں تھی۔

○

ملیشیا کے مسلح جوانوں نے بس کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا تھا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اب قسمت ان کا ساتھ چھوڑ رہی ہے۔ رات کو ملک شہباز کی حویلی میں ملیشیا کے دو آفیسر کھانے پر مدعو تھے۔ ان کے بارے میں دوسروں کو بھی معلوم ہوگا کہ وہ کہاں گئے تھے اور ظاہر ہے وہ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ ان کی واپسی کب ہوگی۔ ہوسکتا ہے ان دونوں نے اپنے ساتھیوں کو یہ بھی بتایا ہو کہ ان کی واپسی رات کو کس وقت ہوگی۔ لیکن وہ رات کو اپنے ٹھکانوں پر واپس نہیں پہنچے تھے۔ جس پر ان کے دوسرے ساتھیوں کو تشویش ہوئی ہوگی اور یقیناً" کوئی نہ کوئی آدمی ان کے بارے میں معلوم کرنے کے لئے صبح ہی صبح ملک شہباز کی حویلی پہنچ گیا۔ شہر سے حویلی تک جانے کا صرف ایک ہی راستہ نہیں تھا۔ دوسرے راستے بھی ہوسکتے تھے اور اس بات کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ایک راستے سے شارق اور اس کے ساتھی نکلے تھے اور اس کے فوراً" ہی بعد دوسرے راستے سے ان افسروں کا کوئی ساتھی پہنچ گیا ہو۔ اس نے حویلی میں انہیں تلاش کیا ہوگا۔ دیواروں پر خون کے چھینٹے بھی دیکھے ہوں گے۔ کمرے میں قالین وغیرہ نہ پاکر اسے شبہ ہوا ہوگا اور پھر مکان کے پچھلی طرف وہ کچی جگہ بھی اس کی نظروں میں آگئی ہوگی۔ شارق کو یاد آرہا تھا کہ انہوں نے بیلچے وغیرہ بھی وہیں چھوڑ دیئے تھے۔ تازہ کھدی ہوئی کچی جگہ دیکھ کر اس شخص کو شبہ ہوا ہوگا۔ بیلچے سے ذرا سی مٹی ہٹانے پر ہی ساری بات اس کی سمجھ میں آگئی ہوگی۔ وہ بھاگم بھاگ اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچا ہوگا۔ اور دوسروں کو صورت حال سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ ان لوگوں نے بڑی عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ صرف ایک گھنٹے کے اندر اندر وہ لوگ حرکت میں آگئے تھے۔ اور ان کی بس روک لی تھی۔ ظاہر ہے دوسرے شہروں کو جانے والی بسوں کو بھی روکا ہوگا۔

شارق نے یہ سب کچھ سوچتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ بس کے مسافروں میں عورتیں بھی تھیں، بچے بھی اور مرد بھی۔ وہ سب کے سب خوفزدہ نظر آرہے تھے۔ شارق اور نولکھا ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور ثمینہ اور شاہ پری دوسری سیٹ پر۔ ان دونوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور دوسری قبائلی عورتوں کی طرح چہرے چادروں میں چھپا رکھے تھے۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "لگتا ہے اپنا آخری وقت آگیا ہے۔ کلمہ شہادت پڑھ لو۔"

"اپنی جگہ پر آرام سے بیٹھے رہو۔ ہوسکتا ہے معاملہ کچھ اور ہو۔ اگر ہمارے بارے میں کوئی بات ہو بھی تو ان سے الجھنے یا مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہ لوگ ہمیں اپنے ساتھ لے جانا چاہیں تو خاموشی سے ان کے حکم پر عمل کرنا۔ بعد میں دیکھیں گے کہ ہم اپنے بچاؤ کے لئے کیا کرسکتے ہیں۔" شارق نے بھی سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"مقابلہ خاک کرنا ہے۔" نولکھا بولا۔ "ملک شہباز اور ان کے ساتھیوں کے جو پستول ہم نے اپنے قبضہ میں کی تھیں وہ تو تم نے راستے ہی میں پھکوا دیئے تھے، تم دیکھ رہے ہو ان لوگوں کے پاس سب مشین گنیں ہیں۔ ہم خالی ہاتھ ان کا کیا مقابلہ کریں گے۔"

"بس اب خاموش بیٹھے رہو۔ ایک آفیسر بس کے دروازے میں کھڑا کچھ کہہ رہا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

ایک آفیسر بس کے دروازے میں کھڑا ہوگیا تھا۔ اس نے پہلے پشتو میں کچھ کہا پھر اردو زبان میں بولا۔

"بس کے تمام مسافر نیچے اتر آئیں اور کوئی بھی کسی قسم کی غلط حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے ورنہ اپنے نقصان کا ذمہ دار وہ خود ہوگا۔

بس میں شارق اور اس کے ساتھیوں کے علاوہ بس دو دیگر مسافر رہے تھے جو پنجاب یا کسی اور علاقے کے رہنے والے تھے۔ وہ پشتو نہیں سمجھتے تھے۔

بس کے تمام مسافر ایک ایک کرکے نیچے اترنے لگے۔ ملیشیا کے چار جوان بس کے سامنے رائفلیں تانے کھڑے تھے۔ آفیسر نے اشارے سے عورتوں کو ایک طرف چلے جانے کو کہا۔ تمام عورتوں نے اس قسم کے لباس پہن رکھے تھے کہ ان کے صرف پیر نظر آرہے تھے اور وہ آفیسران کے پیروں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی عورتوں کے ساتھ دوسری طرف کھڑی ہوگئی تھیں۔ دو سپاہی ان عورتوں پر بھی رائفلیں تانے کھڑے تھے۔

شارق اور نولکھا بھی بس سے اتر کر دوسرے آدمیوں کے ساتھ کھڑے ہوگئے تھے۔ آخر میں ایک عورت اور دو بچے بس سے اترے۔ بچوں میں سے ایک کی عمر دس سال اور دوسرے کی بارہ سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ جبکہ اس عورت کی عمر کا اندازہ لگانا دشوار تھا۔ اس نے سیاہ چادر لپیٹ رکھی تھی جس پر سفید پولکا ڈاٹس بنے ہوئے تھے۔ چادر اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ اس کا پورا جسم پوری طرح چھپ گیا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی چادر کے اندر چھپے ہوئے تھے۔ چہرے پر

بھی چادر اس طرح لپٹی ہوئی تھی کہ صرف ایک آنکھ کی جگہ چادر میں ذرا سا خلا نظر آرہا تھا۔ پیروں میں سلیم شاہی کی طرح کے جوتے تھے۔ افغانستان میں اور اس علاقے کی عورتیں بھی عام طور پر اس طرح کے جوتے پہنتی تھیں۔

اس پارٹی کا آفیسر بڑی گہری نظروں سے بس سے اترنے والے مسافروں کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ جب وہ شارق کے سامنے پہنچا تو اس کے دل کی دھڑکن یکایک تیز ہوگئی تھی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پاسکا تھا۔ وہ آفیسر شاید اس سے کچھ بات کرنا چاہتا تھا لیکن اچانک ہی اس کی نظر عورتوں کی طرف اٹھ گئی۔ وہ عورت جو سب سے آخر میں بس سے اتری تھی۔ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی دوسروں عورتوں سے دور ہٹ رہی تھی۔ دو سپاہی حالانکہ وہاں بھی رائفلیں لئے کھڑے تھے مگر انہوں نے بھی شاید اس عورت پر توجہ نہیں دی تھی۔

وہ عورت دوسری عورتوں سے تقریباً" پندرہ بیس فٹ دور ہٹ چکی تھی۔ اس سے آگے ایک ٹیلا تھا۔ آفیسر نے اسے ٹیلے کے پیچھے جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ پہلے تو وہ یہی سمجھا کہ شاید خوف کی وجہ سے اس عورت کی حالت غیر ہو رہی ہے اور وہ کسی فطری ضرورت کے تحت ٹیلے کے پیچھے جا رہی ہے۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ چونک گیا۔

سیاہ چادر پر سفید پولکا ڈاٹ والی وہ عورت ٹیلے کے پیچھے پہنچ کر تیزی سے چلنے لگی اور پھر یکایک اس نے جھاڑیوں کی طرف دوڑنا شروع کردیا۔

آفیسر چونک گیا۔ وہ شارق کے سامنے سے ہٹ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ٹیلے کے قریب پہنچ گیا۔

"اے رک جاؤ .... کیوں بھاگ رہی ہو۔ رک جاؤ۔" آفیسر چیخا۔

لیکن وہ عورت نہیں رکی۔ بلکہ وہ پہلے سے بھی تیزی سے دوڑنے لگی۔ شاید چادر اس کے لئے رکاوٹ بن رہی تھی کیونکہ اب اس نے چادر بھی اتار کر پھینک دی تھی اور اس کے دوڑنے کی رفتار میں بھی تیزی آگئی تھی۔

اور پھر شارق بھی چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ عورت نہیں مرد تھا جس نے زنانہ کپڑے پہن رکھے تھے۔ وہ ان سے تقریباً" پینتیس چالیس گز دور پہنچ چکا تھا۔ آفیسر نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

"رک جاؤ ورنہ گولی مار دوں گا۔" آفیسر چیخا۔ اس نے دوڑتے ہوئے ہولسٹر سے پستول نکال لیا تھا۔

زنانہ لباس میں ملبوس وہ شخص دوڑتے ہوئے اچانک ہی رک کر مڑا۔ اس کے ہاتھ میں بھی

پستول تھا۔ اس نے آفیسر پر گولی چلا دی۔ آفیسر کی قسمت اچھی تھی کہ ٹھیک اسی لمحہ وہ ایک پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر گیا تھا اور گولی اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھی۔ اس نے لیٹے ہی لیٹے جوابی فائر کر دیا۔

وہ شخص اب جھاڑیوں میں بھاگ رہا تھا۔ جھاڑیاں خاصی بلند تھیں اور اس کا صرف سر نظر آرہا تھا۔ اسی دوران دو سپاہی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔

"فائر!" آفیسر چیخا۔ "اڑا دو گولی سے۔"

دونوں سپاہیوں نے فائر کھول دیا۔ وہ بھی دوڑتے ہوئے جھاڑیوں میں گھس گئے تھے۔ دفعتاً" فضا میں چیخ کی آواز گونجی۔ جھاڑیوں میں دوڑتا ہوا وہ شخص گر گیا۔ دونوں سپاہی جھاڑیوں میں گھستے چلے گئے۔ آفیسر بھی اٹھ کر اسی طرف دوڑا۔

شارق اور بس کے دوسرے مسافر خوف اور حیرت سے ملی جلی نظروں سے اسی طرف دیکھ رہے تھے۔ دو تین عورتیں فائرنگ سے اس قدر خوفزدہ ہوئی تھیں کہ انہوں نے چیخنا شروع کردیا تھا دو اور سپاہی رائفلیں تانے جھاڑیوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔

چند منٹ بعد ہی دو سپاہی زنانہ لباس میں ملبوس اس شخص کو بانہوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے جھاڑیوں سے باہر آگئے۔ اس شخص کے کندھے پر گولی لگی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ باقی دو پولیس والے رائفلیں تانے اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ آفیسر بھی ہاتھ میں پستول پکڑے ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

قریب پہنچ کر سپاہیوں نے زخمی شخص کو اس طرح زمین پر پھینک دیا۔ جیسے وہ کوئی بے جان چیز ہو۔ آفیسر نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر زور دار ٹھوکر رسید کردی۔

"تم سمجھتے تھے کہ ہمیں اس طرح دھوکا دے کر بھاگ سکو گے۔" آفیسر بولا۔ پھر اپنے ماتحتوں کی طرف مڑ گیا۔ "اسے اٹھا کر ٹرک پر ڈال دو۔"

"یہ کون ہے؟" ایک بوڑھے آدمی نے پوچھا۔

"کل رات اس نے پاڑہ کوٹ میں تین آدمیوں کو قتل کیا تھا۔ ہمیں رات ہی کو اطلاع مل گئی تھی کہ یہ دانا پہنچ چکا ہے اور صبح یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے ہم نے چیک کرنے کے لئے بس رکوائی تھی۔ یہ سمجھتا تھا کہ زنانہ کپڑے پہن کر یہاں سے بھاگ جانے میں کامیاب ہو جائے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اونچی آواز میں مسافروں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "آپ لوگ بس میں بیٹھ جایئے۔ ڈرائیور، اپنا سفر جاری رکھو۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ قسمت ابھی ان سے روٹھی نہیں تھی۔

انہیں اپنا خوف کھائے جا رہا تھا۔ لیکن یہاں معاملہ کچھ اور نکلا تھا۔ اسی لئے نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے اشارہ کیا اور خود بھی بس ک طرف بڑھ گیا۔

ملیشیا کے جوانوں نے زخمی کو اٹھا کر ٹرک پر ڈال دیا تھا اور خود بھی ٹرک پر سوار ہوگئے تھے۔ ٹرک اسٹارٹ ہوکر حرکت میں آیا اور یوٹرن لیتا ہوا شہر کی طرف واپس چلا گیا۔

تمام مسافر بس میں بیٹھ چکے تھے۔ ڈرائیور نے بھی اپنی سیٹ سنبھال لی اور انجن اسٹارٹ کرنے لگا۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ ثمینہ اور شاہ پری اپنی سیٹ پر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ بس کے تمام مسافر اونچی آواز میں اس واقعہ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ بس کا ڈرائیور بھی چیخ چیخ کر اپنے قریب والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے مسافروں سے باتیں کر رہا تھا۔ شارق نے ان دو آدمیوں کی طرف دیکھا جن کا تعلق پنجاب سے تھا۔ وہ دونوں اس واقعہ سے خاصے خوفزدہ نظر آرہے تھے۔

"کوئی نیکی اس وقت کام آگئی ورنہ ہمارا بھی وہی حشر ہوتا جو اس آدمی کا ہوا ہے۔ اب اس کے ساتھ آگے کیا ہوگا۔ اس کا اندازہ تم لگا سکتے ہو۔" شارق نے نولکھا کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔

"اس کا انجام جو ہونا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "مگر شارق باؤ۔ ہم نے زندگی میں ایسی کونسی نیکی کی ہے جو اس وقت کام آگئی۔ مجھے تو اپنی زندگی میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے نیکی کا نام دیا جاسکے۔ ویسے ایک بات بتاؤں تمہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا اور شارق کی طرف جھکتے ہوئے پہلے سے زیادہ دھیمی آواز میں بولا۔ "ٹرک نے جب بس کا راستہ روکا تھا تو میں سمجھ گیا تھا کہ ہمارا وقت پورا ہوچکا ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ معاملہ کچھ اور نکلا۔"

"اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ کوئی بھولی بھٹکی نیکی کام آگئی۔" شارق بولا۔ "لیکن خطرہ ابھی ٹلا نہیں ہے۔ ہمارا سفر پورے دن کا ہے۔ شام کو اپنی منزل پر پہنچیں گے۔ دن میں کسی بھی وقت ان لوگوں کو اگر پتا چل گیا کہ حویلی میں کیا کچھ ہوسکتا ہے تو راستے میں کسی بھی جگہ بس کو روکا جاسکتا ہے۔ ٹیلی فون یا وائرلیس پر چاروں طرف اطلاع دی جاسکتی ہے۔ اس لئے دعا مانگتے رہو کہ ہم خیریت سے ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ جائیں۔"

"یہ دعا تو میرا رواں رواں مانگ رہا ہے۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

شارق خاموش ہوکر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ ہر طرف بنجر اور ویران پہاڑ تھے۔ البتہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر درختوں کی قطاریں نظر آرہی تھیں۔ انہی پہاڑوں میں چیڑ کے درختوں کے جنگل تھے جہاں سے نہ صرف چلغوزے جیسا مزیدار پھل ملتا تھا بلکہ عمارتی اور جلانے کی لکڑی بھی دستیاب ہوتی تھی۔ شارق نے لکڑیوں سے لدے ہوئے اکا دکا ٹرک بھی سڑک پر سے گزرتے

ئے دیکھے تھے۔

آٹھ بجے کے قریب بس تنائی پوسٹ پہنچ گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا اور یہاں بھی ملیشیا چوکی تھی۔ بسوں کا اڈہ بازار کے وسط میں تھا۔ بس رکتے ہی خوانچے والوں نے بس کو گھیر لیا۔ ض مسافر بس میں بیٹھے بیٹھے چیزیں خریدنے لگے اور بعض مسافر نیچے اتر گئے۔

شارق کو چائے کی طلب ہو رہی تھی۔ اس نے نولکھا کو سیٹ پر ہی بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا ر خود بس سے اتر گیا۔ سامنے ہی چائے کی ایک دکان تھی۔ اس نے چائے کی دو چینکیں وائیں۔ ایک ثمینہ اور شاہ پری کو دے دی اور دوسری چینک لے کر نولکھا کے ساتھ سیٹ پر بیٹھ یا اور پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

چائے پینے کے بعد اس نے چینکیں واپس کردیں اور دوبارہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا۔ وہ نیچے اتر کر ادھر ادھر گھومنا نہیں چاہتے تھے مبادا کسی کی نظروں میں نہ آجائیں۔

تقریباً" بیس منٹ بعد ڈرائیور اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور انجن اسٹارٹ کرکے بار بار ہارن جانے لگا تاکہ بس کے وہ مسافر جو نیچے اتر کر ادھر ادھر گھوم رہے تھے' بس میں بیٹھ جائیں۔

تمام مسافر بس میں بیٹھ چکے تھے۔ بس حرکت میں آگئی۔ لیکن قصبے سے نکلتے ہی بس کو یک چوکی پر روک لیا گیا۔ ملیشیا کے دو جوان بس کے اندر آگئے اور گہری نظروں سے مسافروں کا جائزہ لینے لگے۔ پھر ایک جوان تو دروازے ہی میں کھڑا رہا اور دوسرا آگے آکر بعض مسافروں سے ختلف سوالات کرنے لگا۔ وہ آگے بڑھتا ہوا شارق والی سیٹ کے قریب رک گیا۔

"آپ لوگ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں ؟" ملیشیا کے جوان نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دانا سے آئے ہیں اور ڈیرہ اسماعیل خان جا رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "دانا میں گل زمان تاجر سے ہمارے کاروباری تعلقات ہیں اسی سے ملنے آئے تھے۔ اب واپس جا رہے ہیں۔" شارق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ گل زمان تاجر کا نام اس نے دانا میں ایک دکان پر لگے ہوئے بورڈ پر پڑھا تھا۔ وہ اناج کا تاجر تھا۔

"آپ کے پاس سامان کیا ہے ؟" ملیشیا کے جوان نے پوچھا۔

"ہمارے پاس کوئی سامان نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

ملیشیا کا جوان آگے بڑھ گیا۔ اور بعض دوسرے مسافروں سے سوال کرنے لگا۔ شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ یہ معمول کی چیکنگ تھی۔ افغانستان سے آنے والے اسلحہ اور ہیروئن کی اندرون ملک ترسیل کو روکنے کے لئے تمام بسوں اور ٹرکوں کو چیک کیا جاتا تھا۔

دو مسافروں کو اتار کر بس کی چھت پر لدے ہوئے ان کے سامان کو بھی چیک کیا گیا تھا۔ اس طر
تقریباً" پندرہ منٹ بعد ان کی بس کو آگے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

تنائی پوسٹ کے بعد بس چند منٹ کے لئے سو یکئی رکی تھی۔ یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھ
ایک مسافر یہاں اترا تھا اور دو سوار ہوئے تھے۔

بلند پہاڑوں کے درمیان راستہ اس قدر خطرناک تھا کہ دیکھ کر ہی خوف آتا تھا۔ بڑ
خوفناک قسم کے موڑ تھے۔ ڈرائیور کی ذرا سی لاپرواہی ان سب کو موت کے منہ میں دھکیل
تھی۔ سڑک اگرچہ پختہ تھی لیکن راستہ خطرناک ہونے کی وجہ سے بس کی رفتار زیادہ تیز نہ
تھی۔ کہیں عمودی چڑھائی تھی اور کہیں خوفناک ڈھلان۔

یہ علاقہ کسی زمانے میں انگریزوں کی عمل داری میں رہا تھا۔ یہاں جگہ جگہ سڑک کے سا
چٹانوں پر انگریزوں کے کارناموں کی آہنی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس علاقے میں انگریز قبائلیو
سے برسرپیکار رہے تھے۔ زرک خان جیسے بہادر نے بھی اس علاقے میں انگریزوں کو ناکوں چ
چبوائے تھے۔ قبائلیوں نے یہاں کبھی بھی انگریزوں کے قدم نہیں جمنے دیئے تھے۔

دوپہر کے قریب بس جنڈولہ پہنچ کر رک گئی۔ یہ ایک بڑا قصبہ تھا۔ اور یہاں بھی ملیشیا
ایک بہت بڑی چوکی تھی۔ جنڈولہ ساؤتھ وزیرستان اور ڈیرہ اسماعیل خان ڈویژن کی سرحد پر وا
تھا۔ بس یہاں تقریباً" چالیس منٹ رکی تھی۔ یہاں شارق' نولکھا' ثمینہ اور شاہ پری کو لے کر
سے اترے تھے اور ایک ہوٹل کے سامنے ایک چارپائی پر بیٹھ کر انہوں نے کھانا کھایا تھا۔

جنڈولہ سے چند میل آگے تک کا راستہ بھی بے حد خطرناک تھا۔ لیکن اس سے آگے
راستہ بے حد آسان ہوگیا تھا۔ وہ لوگ پہاڑوں سے نکل آئے تھے اور سڑک بھی کشادہ تھی
ڈرائیور نے اب بس کی رفتار بھی بڑھا دی تھی۔ بس منزئی' ٹانک اور فتح سے ہوتی ہوئی شام
اندھیرا پھیلنے کے بعد ڈیرہ اسماعیل خان پہنچ گئی۔

ان سب لوگوں نے بس سے اتر کر خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ وہ لوگ اگرچہ خطرے کی حا
سے باہر نکل آئے تھے۔ لیکن شارق کے خیال میں اب بھی احتیاط کی ضرورت تھی۔ لیکن ا
مسئلہ یہ تھا کہ رات کہاں گزاری جائے۔ ڈیرہ اسماعیل خان بڑا شہر تھا اور یہاں کئی ہوٹل بھی تھ
وہ کسی بھی ہوٹل میں قیام کرسکتے تھے مگر شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ ہوٹل میں ٹھہرنے کے
شناختی کارڈ کی ضرورت تھی۔ ہوٹل والے سب سے پہلے ان سے شناختی کارڈ کا مطالبہ کریں
اور ظاہر ہے ان میں سے کسی کے پاس شناختی کارڈ نہیں تھا۔ ان کے سامنے ایک اور راستہ
تھا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے رات کو بھی پنجاب کے مختلف شہروں کے لئے بسیں چلتی تھیں۔

ات کو بھی بلاخوف و خطر سفر کرسکتے تھے۔ لیکن دانا سے ڈیرہ تک دن بھر کے سفر نے انہیں بری
رح تھکا مارا تھا اور وہ چند گھنٹے آرام کرنا چاہتے تھے۔ ان میں فوری طور پر اگلے سفر کی ہمت نہیں
تھی۔

شارق کے پاس پیسوں کی کمی نہیں تھی۔ اس کی جیب میں ہزاروں روپے تھے۔ وہ شناختی
کارڈ کے بغیر بھی کچھ زیادہ پیسے دے کر کسی ہوٹل میں کمرے حاصل کرسکتے تھے۔ لیکن وہ اس
حقیقت سے بھی واقف تھا کہ چھوٹے ہوٹلوں میں قیام کرنے والوں کو پولیس کس طرح تنگ کرتی
ہے۔ اس بات کا بھی نوے فیصد امکان تھا کہ وہ جس ہوٹل میں ٹھہریں اس ہوٹل والے پولیس کو
اطلاع دے دیں کہ کچھ مشکوک لوگ یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں اور پولیس جس طرح جرح کرتی ہے
شارق اس سے بھی واقف تھا۔

شارق یہ سب کچھ سوچ رہا تھا کہ بنوں سے آنے والی ایک بس ان کے سامنے سے گزر
گئی۔ اس بس کو دیکھ کر شارق کے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا اور اس نے اس پر
عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"کیا ہم یہاں سڑک پر ہی کھڑے رہیں گے یا رات گزارنے کے لئے کوئی ٹھکانہ بھی تلاش
کیا جائے گا۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے اور شاہ پری نے گھونگھٹ ختم کر
دیئے تھے اور چادریں عام عورتوں کی طرح اوڑھ لی تھیں۔

"وہی سوچ رہا ہوں۔" شارق بولا۔ "ہم لوگ اگر کسی ہوٹل میں قیام کریں گے تو ہم سے
شناختی کارڈ طلب کیا جائے گا اور ظاہر ہے ہمارے پاس شناختی کارڈ نہیں ہیں۔ کسی ہوٹل میں کمرہ
حاصل کرنے کی ایک ترکیب میرے ذہن میں آئی ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی ابھی بنوں سے ایک بس آئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہم پولیس اسٹیشن جاکر رپورٹ
لکھوا دیتے ہیں کہ ہم بنوں سے آئے ہیں اور ہمیں فیصل آباد جانا ہے۔ لیکن بس سے اترنے کے
تھوڑی دیر بعد ہمارا سامان چوری ہوگیا۔ سامان میں سوٹ کیس کے علاوہ ایک بریف کیس بھی تھا
جس میں دوسرے کاغذات کے علاوہ ہمارے شناختی کارڈ بھی تھے۔ پولیس سے ہمیں ایف آئی آر
کی نقل مل جائے گی اور ہم کسی ہوٹل میں کمرہ لے لیں گے۔ پولیس رپورٹ کی اس نقل کی
موجودگی میں ہمیں شناختی کارڈ دکھانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"ترکیب تو اچھی ہے مگر جان بوجھ کر گردن پھنسوانے والی بات ہے۔" نولکھا نے اس کی
طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کی تم فکر مت کرو۔ گردن نہیں پھنسے گی۔ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔" شارق نے کہا۔

وہ لوگ تھوڑی دیر تک بحث کرتے رہے اور پھر لوگوں سے راستہ پوچھتے ہوئے پولیس اسٹیشن کی طرف چل پڑے۔ پولیس اسٹیشن وہاں سے خاصا دور تھا۔ پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے۔ شارق نے ان تینوں کو سمجھا دیا کہ اگر ان سے کچھ پوچھا جائے تو انہیں کیا کہنا ہے۔ پھر وہ انہیں گیٹ کے باہر ہی چھوڑ کر تھانے میں چلا گیا۔

تھانے میں اس وقت خاصی چہل پہل تھی۔ شارق ایک کانسٹیبل سے پوچھتا ہوا محرر کے کمرے میں داخل ہوگیا۔ وہاں محرر کے علاوہ پولیس والے اور دو آدمی اور بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ محرر اس وقت فون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی فون کا ریسیور رکھا شارق اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

"کیا بات ہے مسٹر؟" محرر نے اسے گھورا۔ "بہت بدحواس معلوم ہو رہے ہو؟"

"بات ہی کچھ ایسی ہے جناب۔" شارق تیموں جیسی شکل بنائے ہوئے بولا۔ "میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے پہلے اپنی بیوی اور دیگر عزیزوں کے ساتھ بنوں سے آیا ہوں۔ بس سے اترنے کے بعد ہم ہوٹل جانے کے لئے ٹیکسی میں بیٹھنا چاہتے تھے۔ ایک ٹیکسی والے سے بات کی۔ سامان رکھنے کے بعد ہم لوگ بیٹھنا ہی چاہتے تھے کہ ٹیکسی ڈرائیور ٹیکسی بھگا کر لے گیا۔ ہمارا سارا سامان ٹیکسی میں تھا۔ وہ ہمارا سامان لے اڑا اور ہم وہیں کھڑے رہ گئے۔ ہمارا سامان جناب۔"

"اوے شفیق....." محرر نے قریب کھڑے ہوئے کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس ہفتے میں یہ تیسری واردات ہے۔ وہ ٹیکسی ڈرائیور کون ہے بھئی۔ پکڑا کیوں نہیں گیا ابھی تک۔"

"پکڑا کیسے جائے سر جی۔" کانسٹیبل نے جواب دیا۔ "رپورٹ لکھوانے والوں کو تو ٹیکسی کا نمبر بھی معلوم نہیں ہوتا۔ ان سے پوچھیں۔" اس نے شارق کی طرف دیکھا۔ "اگر انہیں ٹیکسی کا نمبر معلوم ہو تو ایک گھنٹے کے اندر اندر اس ڈرائیور کو پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کردوں۔"

"آپ کو ٹیکسی کا نمبر معلوم ہے جناب۔" محرر نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ٹیکسی کا نمبر۔" شارق گڑبڑا گیا۔ "نہیں جناب، نمبر تو میں نے دیکھا ہی نہیں تھا۔"

"اب بتایئے قصور کس کا ہوا۔" محرر بولا۔ "اگر نمبر معلوم ہوتا تو ہم ایک گھنٹے کے اندر اندر اس ٹیکسی کو تلاش کرلیتے۔ ویسے یہ کوئی نیا دارداتیا آیا ہے ہمارے شہر میں۔ ایک ہفتے سے ایسی وارداتیں کر رہا ہے لیکن کسی کو اس ٹیکسی کا نمبر ہی معلوم نہیں تو ایسی صورت میں ہم

سکتے ہیں۔"

"میری رپورٹ تو لکھ لیں جناب۔" شارق بولا۔ "سوٹ کیس میں قیمتی چیزیں ہیں میری بیوی کے زیورات ہیں، اس کے ساتھ بریف کیس میں ضروری کاغذات کے علاوہ ہمارے شناختی کارڈ بھی ہیں۔ آپ رپورٹ درج کرلیں۔ ہماری کچھ مشکلیں حل ہو جائیں گی۔"

"کیا مشکلیں حل ہوں گی تمہاری۔" محرر نے اسے گھورا۔ "ٹیکسی کا نمبر تو تمہیں معلوم نہیں نہ وہ ٹیکسی پکڑی جائے گی اور نہ تمہارا سامان ملے گا۔"

"مگر جناب ہمارے شناختی کارڈ۔" شارق بولا۔ "ہم نے ہوٹل میں ٹھہرنا ہے اور شناختی کارڈ کے بغیر کسی ہوٹل میں کمرہ نہیں ملے گا۔ آپ رپورٹ درج کرکے اس کی ایک نقل مجھے دے دیں۔ ہم ہوٹل میں کمرہ تو لے لیں۔ رات باہر سڑک پر تو نہیں گزار سکتے۔"

"ہوں۔" محرر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "ایک کاغذ پر اپنی شناخت لکھ دو ہم بس اس کی نقل دے دیں گے۔ ہوٹل میں کمرہ لے لینا اور ہمیں بتا دینا کہ کس ہوٹل میں ٹھہرے ہو تاکہ ٹیکسی ڈرائیور پکڑا جائے تو تمہیں شناخت کے لئے بلوالیں۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" شارق نے جواب دیا اور محرر کے سامنے رکھا ہوا کاغذ اور بال پین اٹھا کر اپنی شناخت لکھنے لگا۔ آخر میں الطاف احمد کے نام سے دستخط کرکے اس نے کاغذ محرر کی طرف بڑھا دیا۔

محرر نے اس کی درخواست پڑھی۔ ایک اور کاغذ پر یہ مختصر سی تحریر لکھ دی کہ الطاف احمد کے اپنے سامان اور شناختی کارڈز کی چوری کی رپورٹ پولیس میں لکھوائی ہے۔ اس نے دستخط کرکے مہر لگا دی اور وہ کاغذ شارق کی طرف بڑھا دیا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ کتنی آسانی سے یہ کام ہوگیا تھا۔

"وہ ٹیکسی ڈرائیور کب تک پکڑا جائے گا جناب۔" اس نے پوچھا۔

"پکڑا جائے گا تو تمہیں بتا دیں گے۔ ہمارے پاس جادو تو نہیں ہے کہ ادھر رپورٹ درج ہوئی ادھر ملزم پکڑا جائے۔" محرر نے جواب دیا۔

شارق مزید کچھ بولے بغیر تھانے سے باہر آگیا۔ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ ایک طرف کھڑے تھے۔ شارق انہیں لے کر ایک طرف چل پڑا۔ اس کے تقریباً ایک گھنٹے بعد وہ درمیانے درجے کے ایک ہوٹل میں موجود تھے۔ پولیس کے دیئے ہوئے اس کاغذ کی وجہ سے انہیں دو کمرے حاصل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

رات کا کھانا انہوں نے کمرے ہی میں منگوایا تھا۔ کھانے کے بعد وہ ایک ہی کمرے میں

رہے۔ دوسرے کمرے کو تالا لگا دیا گیا تھا۔ انہوں نے رات ایک ہی کمرے میں گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ ایک بیڈ پر شارق اور نوکھا اور دوسرے بیڈ پر ثمینہ اور شاہ پری لیٹ گئیں۔ وہ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر ایک ایک کرکے ان کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

شارق پہلی مرتبہ رات کو سکون سے سویا تھا۔ حسب عادت اس کی آنکھ صبح ساڑھے چھ بجے کھل گئی۔ وہ کچھ دیر تک بستر پر لیٹا چھت کو گھورتا رہا پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گیا۔ ٹھنڈے پانی کے غسل سے اس کی ساری کسلمندی دور ہوگئی۔

آواز سن کر ثمینہ اور نوکھا وغیرہ بھی اٹھ گئے۔ انہوں نے بھی غسل کرلیا تو شارق نے ویٹر کو بلا کر ناشتا کمرے میں ہی منگوالیا۔ تقریباً" تین مہینے بعد پہلی مرتبہ انہوں نے ڈھنگ کا ناشتا کیا تھا۔ چائے پینے کے بعد جب وہ ہوٹل سے نکلے تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ ہوٹل سے نکلنے سے پہلے شارق نے دونوں کمروں کی چابیاں کاؤنٹر پر جمع کروا دی تھیں۔ کاؤنٹر پر اس وقت کوئی اور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

"ایک بات اور۔" شارق نے کاؤنٹر کلرک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے کل رات پولیس میں اپنے سامان کی چوری کی رپورٹ لکھوائی تھی۔ اگر کوئی پولیس والے مجھے پوچھنے کے لئے یہاں آئے تو اسے بتا دینا کہ میں دن کے بارہ بجے کے لگ بھگ پولیس اسٹیشن آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے جناب۔ لیکن کیا آپ کا سامان یہاں سے ...."

"نہیں بھئی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میرا سامان یہاں سے چوری نہیں ہوا تھا۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر اس نے کاؤنٹر کلرک کو بھی وہی فرضی کہانی سنا دی جو اس نے پولیس کو سنائی تھی۔

"ایسی تین چار وارداتیں پہلے بھی ہوچکی تھیں۔" کاؤنٹر کلرک بولا۔ "یہاں کے ٹیکسی ڈرائیور ایسے نہیں ہیں۔ یہ کوئی باہر کا آدمی ہے جس نے یہاں آکر لوٹ مار کا دھندا شروع کردیا ہے۔ لیکن ایک نہ ایک دن تو وہ پکڑا ہی جائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" شارق کہتے ہوئے باہر کی طرف چل پڑا۔ ثمینہ اور نوکھا وغیرہ بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔

"ہوٹل سے نکل کر فٹ پاتھ پر چند قدم چلنے کے بعد وہ رک گیا۔ فٹ پاتھ پر بنے ہوئے نیوز اسٹینڈ پر اخبار سجے ہوئے تھے۔ تقریباً" تمام اخباروں کی ہیڈلائن ایک ہی تھی۔

"دانا میں پانچ افراد کے قتل کی ہولناک واردات۔"

مقتولین میں ملیشیا کے دو افسران بھی شامل ہیں۔

شارق نے ایک اخبار خرید لیا اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے وہ خبر پڑھنے لگا۔

"گزشتہ روز ساؤتھ وزیرستان کے ضلعی ہیڈ کوارٹر دانا میں تاریخ کا بدترین واقع پیش آیا۔ سفاک قاتلوں نے پانچ افراد کو قتل کرکے ان کی لاشیں ایک گڑھے میں دفن کر دیں اور فرار ہوگئے۔ ملیشیا فورس اور ضلعی انتظامیہ قاتلوں کی تلاش کر رہی ہے لیکن تاحال ان کا سراغ نہیں ملا۔

تفصیلات کے مطابق بعض چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ دانا کے ایک معزز شخص ملک شہباز واردات سے ایک روز قبل شام کو بس کے ذریعے خارز دار سے دانا آیا تھا اس کے ساتھ پانچ مہمان تھے جن میں دو حسین اور جوان عورتیں بھی شامل تھیں۔ ملک شہباز ان مہمانوں کو لے کر اپنی حویلی چلا گیا تھا اور اسی رات ملک شہباز ملیشیا کے دو افسروں رحمٰن خاں اور حبیب اللہ خان کو بھی کھانے کی دعوت دے کر اپنی حویلی لے گیا تھا۔ صبح جب یہ دونوں آفیسر اپنی ڈیوٹی پر نہیں پہنچے تو ان کے بارے میں ان کے واقف کاروں سے پوچھا جانے لگا۔ ایک آدمی کو ملک شہباز کی حویلی بھی بھیجا گیا لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

دوپہر کے بعد تشویش بڑھی تو ملیشیا کے افسروں کی باقاعدہ تلاش شروع کردی گئی۔ ان افسروں کو آخری بار ملک شہباز کے ساتھ اس کی حویلی کی طرف جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ یہ انکشاف بھی بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا کہ ملیشیا کے ان دونوں افسروں کے علاوہ ملک شہباز اور اس کے مہمان بھی غائب تھے۔

سہ پہر کے قریب ملک شہباز کی حویلی کی تلاشی لی گئی تو ایک کمرے کی دیواروں پر خون کے چھینٹے نظر آئے۔ اسی کمرے میں گولیوں کے چند خالی کارتوس بھی ملے تھے۔ مزید تفتیش پر مکان کے پچھلی طرف تازہ کھدی ہوئی زمین پر شبہ ہوا۔ زمین کھودی گئی تو اس میں خون آلودہ قالین کے نیچے سے پانچ لاشیں برآمد ہوئیں۔ جن میں ایک لاش ملک شہباز کی' ایک اس کے ملازم کی' دو ان ملیشیا افسروں کی اور ایک لاش ملک شہباز کے مہمانوں میں سے ایک آدمی کی تھی۔ ان سب کو گولیاں مار کر ہلاک کرنے کے بعد اس گڑھے میں دفن کیا گیا تھا۔ ملک شہباز کے دوسرے مہمان جن میں دو مرد اور دو عورتیں شامل ہیں' لاپتا ہیں۔ دانا کی پولیٹیکل انتظامیہ اور ملیشیا حکام کو شبہ ہے کہ وہی چاروں ان پانچ افراد کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ انہیں بڑی سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ لیکن ابھی تک ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ شبہ ہے کہ وہ چاروں دانا سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے ہیں۔

پانچ افراد کے قتل کی اس لرزہ خیز واردات کے علاوہ دانا سے چند میل دور پاڑہ کوٹ میں بھی تین افراد کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ اس واردات کے قاتل کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق ....."

شارق نے اخبار تہ کرکے جیب میں رکھ لیا۔ ثمینہ اور نولکھا وغیرہ کو اشارہ کرتے ہوئے تیز تیز قدم اٹھانے لگا۔

"اخبار کی ہیڈ لائن تو میں نے دیکھ لی ہے۔ لیکن کیا خبر اس میں ہمارے بارے میں بھی کچھ لکھا ہے؟" ثمینہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

"ہمارے بارے میں صرف اتنا لکھا ہے کہ پانچ آدمیوں کی قتل کی اس واردات کے ذمہ دار دو خوبصورت عورتیں اور دو مرد ہیں۔ انہیں سرگرمی سے تلاش کیا جا رہا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"تو پھر ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا۔ "اخبار میں ہماری تصویریں یا ہمارے نام تو نہیں چھپے جو لوگ ہمیں پہچان لیں گے۔ ذرا آہستہ چلو ورنہ تم تو کھایا پیا ابھی ہضم کرا دو گے۔"

"ہم دو مرد ہیں اور ہمارے ساتھ دو خوبصورت عورتیں بھی ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہم سب کے لباس بھی قبائلی ہی ہیں۔ اگر کسی کو ہم پر شبہ ہوگیا تو پولیس بھی ہمیں شبے میں حراست میں لے سکتی ہے اور تم یہ بات بھی بھول رہے ہو کہ دانا میں بعض لوگوں نے ہمیں ملک شہباز کے ساتھ دیکھا تھا۔ اگر ہمیں حراست میں رکھ کر دانا سے ان لوگوں کو ہماری شناخت کے لئے بلایا گیا تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں نہیں بچا سکے گی۔"

"کہتے تو تم ٹھیک ہو۔" نولکھا نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔ "تو پھر جتنی جلدی ممکن ہوسکے اس شہر سے نکل چلو۔ کسی بھی طرف جانے والی بس پکڑلو۔"

"ہمارا اکٹھے رہنا اب خطرناک بھی ثابت ہوسکتا۔" شارق نے جواب میں کہا۔ "ایسا کرو، تم اور ثمینہ رکشے پر بیٹھ کر دریا پر پہنچ جاؤ ....."

"خودکشی کرنے کے لئے۔" نولکھا نے اسے ٹوک دیا۔

"پہلے میری پوری بات سن لو۔" شارق نے اسے گھورا۔ "دریا پار کرنے کے لئے اسٹیمر چلتا ہے۔ تم دونوں اسٹیمر پر بیٹھ جانا۔ میں اور شاہ پری دوسرے راستے سے آرہے ہیں۔ گھاٹ پر یا اسٹیمر پر ہمارے قریب آنے کی کوشش مت کرنا۔ ہم ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی رہیں گے۔"

"ٹھیک ہے، یہی مناسب رہے گا۔ نولکھا نے جواب دیا۔" شارق مزید کچھ کہے بغیر شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا دوسری طرف مڑگیا۔

اس وقت نو بجنے والے تھے۔ زیادہ تر دکانیں کھل چکی تھیں۔ بازاروں میں چہل پہل شروع ہوچکی تھی۔ شارق شاہ پری کے ساتھ ایک گلی میں سے گزرتا ہوا دوسری سڑک پر آگیا۔ اتفاق سے اس سڑک پر آتے ہی ایک رکشہ مل گیا۔

"اسٹیمر گھاٹ پر چلنا ہے۔" شارق نے رکشے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ شاہ پری بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

رکشہ فوراً ہی حرکت میں آگیا۔ اسٹیمر گھاٹ پہنچنے میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ شارق نے رکشے سے اتر کر ڈرائیور کو منہ مانگے پیسے دے دیئے اور شاہ پری کے ساتھ گھاٹ پر اس جگہ آگیا جہاں بکنگ کیبن بنا ہوا تھا۔ کیبن کے سامنے چند لوگ لائن میں کھڑے ٹکٹ لے رہے تھے۔ ثمینہ اور نولکھا نظر نہیں آئے۔ شارق نے سوچا کہ شاید وہ اسٹیمر پر سوار ہوچکے ہوں گے۔

اپنی باری آنے پر شارق نے ٹکٹ لئے اور شاہ پری کے ساتھ جیٹی پر چلتا ہوا اسٹیمر پر آگیا۔ اسٹیمر پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق متجسس نظروں سے لوگوں کے چہروں کو دیکھ رہا تھا لیکن ثمینہ اور نولکھا نہ تو عرشہ والی سیٹوں پر نظر آئے اور نہ ہی اوپر والی سیٹوں پر۔

نو بج کر چالیس منٹ پر اسٹیمر کی روانگی تھی اور اس وقت نو بج کر پینتیس منٹ ہوچکے تھے۔ لیکن نولکھا اور ثمینہ کا کچھ پتا نہیں تھا۔ وہ پورے اسٹیمر میں انہیں تلاش کرچکا تھا اور اب ریلنگ کے قریب کھڑا گھاٹ کی طرف آنے والے راستے کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن ان دونوں کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔

اسٹیمر کی روانگی میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا اور شارق سوچ رہا تھا کہ وہ دونوں کسی مصیبت میں تو نہیں پھنس گئے۔ اس نے یہ بھی طے کرلیا تھا کہ وہ لوگ اگر نہ پہنچے تو وہ بھی شاہ پری کو لے کر اسٹیمر سے اتر جائے گا۔ ظاہر ہے وہ ثمینہ اور نولکھا کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

فضا اچانک اسٹیمر کے سائرن سے گونج اٹھی۔ شارق کی بے چینی بڑھ گئی اور پھر ٹھیک اسی لمحہ ایک رکشہ گھاٹ پر آکر رکا۔ ثمینہ اور نولکھا رکشے سے اترے۔ نولکھا نے دوڑ کر ٹکٹ لئے اور ثمینہ کا ہاتھ پکڑ کر جیٹی کی طرف دوڑا۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ ان دونوں کو اسٹیمر پر سوار ہوتے دیکھ کر

اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا اور شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ دونوں ریلنگ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے دوسری طرف چلے گئے۔ کچھ سیٹیں اگرچہ خالی تھیں لیکن وہ بیٹھنے کے بجائے ریلنگ کے قریب کھڑے دریا کی طرف دیکھتے رہے۔

اسٹیمر دریا میں چکر کاٹتا ہوا دوسرے کنارے کی طرف بڑھتا رہا اور چند منٹ بعد دوسرے کنارے کی جیٹی سے جا لگا۔ شاہ پری اور شارق دوسرے لوگوں کی بھیڑ میں چلتے ہوئے اسٹیمر سے اتر آئے۔ ثمینہ اور نولکھا ابھی تک نہیں اترے تھے۔ شارق چند قدم آگے جاکر رک گیا اور جب اس نے نولکھا کو آتے دیکھا تو اس کی طرف توجہ دیئے بغیر شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا۔

یہ دریا خان شہر تھا۔ دریائے سندھ کے ایک کنارے پر ڈیڑھ اسماعیل خان آباد تھا اور دوسرے کنارے پر دریاخان' یہاں ریلوے اسٹیشن بھی تھا اور پنجاب کے مختلف شہروں کے لئے بسیں بھی ملتی تھیں۔

وہ لوگ مختلف سڑکوں پر ہوتے ہوئے لاری اڈے پر آگئے۔ شارق نے ایک جگہ رک کر بس کے ایک ہاکر سے مختلف بسوں کے بارے میں دریافت کیا اور کچھ آگے جاکر ایک ہوٹل کے سامنے تنے ہوئے سائبان کے نیچے کرسی پر بیٹھ گیا۔ شاہ پری بھی میز کے دوسری طرف کرسی پر بیٹھ گئی۔ وہ اب تک بڑی حیرت سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ دریا میں اسٹیمر کا سفر بھی اس کے لئے ایک دلچسپ تجربہ ثابت ہوا تھا۔ افغانستان میں تو کسی دریا میں سفر کرنے کے لئے اسٹیمر جیسی چیز کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔

شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ ثمینہ اور نولکھا بھی ان سے کچھ فاصلے پر ایک میز پر بیٹھ چکے تھے۔ شارق کی طرح نولکھا نے بھی چائے منگوائی تھی۔

وہ لوگ تقریباً" آدھ گھنٹہ وہاں بیٹھے رہے۔ پھر شارق اٹھ گیا۔ اس نے چائے کے پیسے ادا کئے اور شاہ پری کو اشارہ کرتا ہوا ایک طرف چل پڑا کچھ ہی دیر بعد وہ اس اڈے پر پہنچ گئے جہاں سے فیصل آباد کی بسیں چلتی تھیں۔

بس میں ابھی چند ہی مسافر بیٹھے تھے اور اس کے قریب کھڑا ہوا ہاکر قریب آنے والے ہر شخص کی طرف دیکھ کر چیختے ہوئے بس کی روانگی کا اعلان کر رہا تھا۔

شارق نے رک کر ادھر ادھر دیکھا۔ نولکھا کے قریب آنے پر اس نے اشارہ کیا۔ وہ دونوں بس میں بیٹھ گئے۔ شارق نے چار ٹکٹ لئے اور ثمینہ کو ساتھ لے کر بس میں سوار ہوگیا۔ نولکھا اور شاہ پری سے ایک سیٹ چھوڑ کر پیچھے بیٹھ گیا۔ قریب سے گزرتے ہوئے اس نے ان کا ٹکٹ

نولکھا کی گود میں ڈال دیا تھا۔

شارق کا خیال تھا کہ بس دس پندرہ منٹ میں روانہ ہو جائے گی۔ مگر انہیں بیٹھے ہوئے آدھا گھنٹہ ہوچکا تھا۔ اور بس حرکت میں آنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ جبکہ اس کا ہاکر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ جا رہی ہے' جا رہی ہے۔"

اس دوران مختلف اشیا بیچنے والے کئی ہاکر بس میں ایک دروازے سے سوار ہوکر آواز لگاتے دوسرے دروازے سے نکل گئے تھے۔ اخبار بیچنے والا ایک نو عمر لڑکا بھی بس میں آیا تھا۔ اس کے پاس اگرچہ قومی اخبار بھی تھے لیکن ڈیرہ سے شائع ہونے والا ایک اخبار اس نے اس طرح پھیلا رکھا تھا کہ اس کی ہیڈلائن پڑھی جاسکتی تھی۔ اور ہیڈلائن وہی تھی۔ "دانا میں پانچ افراد کا قتل"

وہ لڑکا کچھ دیر شارق والی سیٹ کے قریب کھڑا رہا۔ اس اخبار کی سرخی کو دیکھ کر شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی اور بالآخر جب وہ لڑکا وہاں سے چلا گیا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ جتنی دیر وہ لڑکا اخبار لئے وہاں کھڑا رہا تھا۔ شارق کو یوں محسوس ہوتا رہا تھا جیسے وہ اسے اس کی تصویر دکھا رہا ہو۔

بس کا ڈرائیور جب اپنی سیٹ پر بیٹھا تو اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ دو چار منٹ اس نے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کرنے میں لگائے اور بالآخر بس حرکت میں آگئی۔

شارق کو پوری طرح احساس تھا کہ ایک طرف تو وہ خطرے سے دور ہوتے جا رہے تھے اور دوسری طرف ہر لمحہ وہ خطرے کے قریب تر ہو رہے تھے۔ شارق فیصل آباد کے واقعات کو بھولا نہیں تھا۔ بھول بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ وہی شہر تھا جہاں سے اس کی زندگی نے ایک نیا موڑ لیا تھا۔ یہیں پر اس کی ثمینہ سے پہلی ملاقات ہوتی تھی۔ اسی شہر میں اس نے اپنے سب سے بڑے دشمن وکیل کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ اسی شہر میں ثمینہ نے اس کے بتائے ہوئے راستے پر قدم رکھا تھا اور اس کے ساتھ جرائم کی دلدل میں دھنستی چلی گئی تھی۔ اسی شہر میں ان کے گرد قانون کا ایک نیا جال بنایا گیا تھا۔ اور وہ لوگ اس جال کو توڑ کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اسی شہر میں نولکھا نے بھی اس کے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کی قسم کھائی تھی اور اب تک نبھا رہا تھا۔

شارق کو یقین تھا کہ یہاں کی پولیس بھی انہیں نہیں بھولی ہوگی۔ پولیس کے تو بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پولیس کسی ملزم کو بھی نہیں بھولتی۔ شارق کو پوری طرح احساس تھا کہ وہ موت کے منہ میں جا رہے ہیں۔ فیصل آباد میں ان تینوں میں سے کسی ایک کو پہچان لیا گیا تو پھر ایک نیا کھیل شروع ہو جائے گا اور وہ کوئی نیا کھیل شروع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کو ایک نئے راستے پر ڈال دیا تھا۔ اب اس کے پیشِ نظر دو ہی مقاصد تھے۔ حاجی سے انتقام

اور موت کے سوداگروں کی تباہی .... شارق سمجھتا تھا کہ اگر کسی ایک کو ختم کرکے دس انسانوں کی زندگیاں بچائی جاسکتی ہیں تو اس ایک کو ختم کرنا دینا چاہئے اور حاجی جیسا آدمی تو دو چار یا دس بیس نہیں بلکہ ہزاروں انسانوں کا قاتل تھا۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ اس کے علاوہ حاجی سے اسے اپنا ذاتی حساب بھی برابر کرنا تھا۔ حاجی نے اس کے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ اس کے خلاف سازش کی تھی اور اس سازش کے تحت اسے افغانستان بھیجا تھا۔ وہ اسے ختم کروا دینا چاہتا تھا۔ لیکن قسمت اچھی تھی وہ اب تک زندہ تھا۔ شارق نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ تین مہینے جس طرح بنجر اور ویران پہاڑوں میں گزارے تھے۔ اسے ایک ایک لمحہ کی اذیت یاد تھی۔ وہ ان اذیت ناک لمحوں کو کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ اسے حاجی سے ایک ایک لمحے کا حساب لینا تھا۔

شارق کے ذہن میں اور بھی بہت سی الجھنیں تھیں۔ سب سے بڑی الجھن فیصل آباد کی تھی ۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر فیصل آباد میں ان میں سے کسی کو شناخت کرلیا گیا تو وہ یقیناً الجھ کر رہ جائے گا جبکہ وہ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے تو ابھی تک یہ بھی فیصلہ نہیں کیا تھا کہ فیصل آباد میں ٹھہرا کہاں جائے گا۔ اس شہر میں اگرچہ صادق جیسا آدمی موجود تھا لیکن شارق ایک طویل عرصہ بعد اس شہر کا رخ کر رہا تھا۔ اسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ اس وقت شہر کے حالات کیا ہوں گے۔

شارق اپنی سیٹ پر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا۔ اس نے گردن گھما کر شاہ پری کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی دلچسپ نظروں سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کی زندگی بنجر اور ویران پہاڑوں میں گزری تھی۔ جہاں کہیں کہیں سبزہ تھا اور یہاں تاحدِ نگاہ سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے رہا تھا۔ لہلہاتے کھیت تھے' جوان فصلیں تھیں' کہیں بھی زمین کا کوئی ایسا ٹکڑا دکھائی نہیں دے رہا تھا جسے ویرانے کا نام دیا جاسکتا۔

بس مختلف شہروں اور قصبوں میں رکتی ہوئی رات آٹھ بجے کے قریب جھنگ پہنچ گئی۔ وہ لوگ اس طویل سفر سے بری طرح تھک چکے تھے۔ راستے میں جہاں بھی بس رکتی تھی یہ لوگ اتر کر ٹانگیں سیدھی کرلیتے تھے۔ جھنگ کے اڈے پر بھی بس رکی تو یہ لوگ نیچے اتر آئے۔ ثمینہ اور نولکھا بھی ان کے ساتھ آکر کھڑے ہوگئے۔

"شارق باؤ۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا اس طرح فیصل آباد میں داخل ہونا ہمارے لئے خطرناک نہیں ہوگا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں سے اس بس کو چھوڑ کر سرگودھا والی بس پر بیٹھ جائیں اور سرگودھا سے لاہور کا رخ کریں۔

"لیکن میرے پاس ایک اور تجویز ہے۔" نولکھا بولا۔

"کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں نا ہم ایک دو دن جھنگ میں رک کر صورت حال کا جائزہ لے لیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "یہاں جیجا شلی موجود ہے۔ وہ اپنا شاگرد ہے۔ ایک دو دن تو ہم اس کے مہمان رہ سکتے ہیں۔"

"جیجا شلی بھروسے کا آدمی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"سولہ آنے۔" نولکھا بولا۔ "اس سے ہمیں فیصل آباد کے حالات کا پتا چل جائے گا۔"

"تو پھر چلو..." شارق نے کہا اور مڑ کر بس کی طرف دیکھنے لگا۔

بس سے کچھ مسافر اتر چکے تھے اور کچھ نئے مسافر بیٹھے تھے۔ شارق کے خیال میں کنڈیکٹر کو ان کی عدم موجودگی کا پتا اسی وقت چلے گا جب بس چلنے والی ہوگی۔ سفر میں ان کا پورے دن کا ساتھ رہا تھا اور کنڈیکٹر جانتا تھا کہ وہ فیصل آباد کے مسافر تھے۔ روانگی کے وقت انہیں بس میں نہ پاکر اسے تشویش تو ہوگی لیکن شاید وہ زیادہ پروا نہیں کرے گا۔

وہ لوگ کچھ دور جاکر ایک تانگے میں بیٹھ گئے۔ نولکھا نے تانگے والے کو پتہ بتا دیا اور تانگے والے نے گھوڑے کو ہانک دیا۔ بڑا مریل سا گھوڑا تھا۔ وہ بڑی مشکل سے تانگے کو کھینچ رہا تھا بالآخر آدھے گھنٹے بعد وہ لوگ تانگہ رکواکر ایک جگہ اتر گئے۔

یہ شہر کا مرکزی علاقہ تھا۔ بازاروں میں بڑی رونق اور چہل پہل تھی۔ وہ لوگوں سے بچتے ہوئے چلتے رہے۔ اور پھر وہ لوگ جیسے ہی ایک بغلی گلی میں مڑے ایک آدمی اچانک ہی ان کے سامنے آگیا۔ نولکھا اس شخص کو دیکھ کر اس طرح رک گیا جیسے اس زمین نے اس کے پیر پکڑ لئے ہوں۔ وہ شخص بھی عجیب سی نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا ہو۔ اور پھر اچانک ہی بڑی پھرتی سے اس نے پستول نکال لیا۔ وہ چاروں اس کے پستول کی زد میں تھے۔

شارق نے بھی اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ فیصل آباد پولیس کا ایک سب انسپکٹر تھا۔

○

"کیا بات ہے مسٹر؟" شارق نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "کون ہو تم اور یہ پستول! اس کا کیا مطلب ہے۔ کیا چاہتے ہو تم؟"

"مجرم کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو ایک نہ ایک روز قانون کی گرفت میں آہی جاتا ہے۔" اس شخص نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ شاید مجھے بھول گئے ہو لیکن میں تم لوگوں کو نہیں بھولا ہوں۔ میں فیصل آباد پولیس کا سب انسپکٹر ملک حفیظ ہوں۔ آخری دنوں میں تم لوگوں کا کیس میرے ہی پاس تھا لیکن تم لوگ دھوکا دے کر فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ اگر اس روز میں صرف ایک گھنٹہ پہلے طارق آباد والی کوٹھی پر پہنچ جاتا تو تم لوگوں کو بھاگنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آج طویل عرصے بعد تم لوگ میرے سامنے آگئے ہو۔"

"تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" شارق نے کہا۔ وہ دل ہی دل میں اس کی یادداشت کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ "ہم وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔"

"غلط فہمی!" سب انسپکٹر حفیظ مسکرایا۔ "میں نولکھا کو کیسے بھول سکتا ہوں اور پھر پروفیسر ثمینہ ایسی چیز تو نہیں کہ اسے آسانی سے بھلایا جاسکے اور یہ لڑکی۔" اس نے شاہ پری کی طرف دیکھا۔ "شاید تمہارے گینگ میں نیا اضافہ ہے۔"

شارق نے کن انکھیوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ گلی میں تقریباً" دس گز اندر کی طرف تھے۔ بازار میں لوگوں کی آمد و رفت تھی لیکن اتفاق سے اس دوران اس طرف کوئی نہیں آیا تھا۔

"اے رکو!" شارق سب انسپکٹر کے پیچھے دیکھتے ہوئے چیخا۔

سب انسپکٹر تیزی سے پیچھے مڑا۔ کوئی نہیں تھا۔ وہ شارق کے جھانسے میں آگیا تھا۔ شارق نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بڑی پھرتی سے اس پر چھلانگ لگا دی اور پلک جھپکنے کی دیر میں سب انسپکٹر کا پستول اس کے ہاتھ میں تھا۔

"میری یادداشت بھی اتنی کمزور نہیں کہ تمہیں نہ پہچان سکوں ملک حفیظ۔" شارق نے اسے پستول کی زد پر لیتے ہوئے کہا۔ "تم سے اس طرح غیر متوقع طور پر آمنا سامنا ہونا بدقسمتی ہے۔ ہماری نہیں' تمہاری۔ اب ایسا کرو کہ تم دوستوں کی طرح ہمارے ساتھ چلتے رہو اور اگر تم نے کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو بلادریغ گولی ماردوں گا۔ واپس مڑو اور گلی میں چلتے رہو۔"

حفیظ ملک کا چہرہ دھواں ہوگیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ بازی اس طرح پلٹ جائے گی۔

"مجھ سے غلطی ہوگئی۔" وہ اپنی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ "مجھے تم لوگوں کو دیکھ کر اس طرح روکنا نہیں چاہئے تھا۔ وقت کا تقاضا تو یہ تھا کہ میں خاموشی سے تم لوگوں کا تعاقب کرتا اور تم لوگوں کا ٹھکانہ معلوم کرنے کے بعد مقامی پولیس کے ساتھ ریڈ کرتا۔ پھر

تم لوگ نہ بچ سکتے۔"

غلطیاں انسان ہی سے ہوتی ہیں اور ان کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔" شارق نے کہا۔ "بہرحال' اب چل پڑو۔ یہاں کھڑے مشکوک سے لگ رہے ہیں۔"

ملک حفیظ مڑ کر گلی میں چلنے لگا۔ شارق اور نولکھا اس کے دائیں بائیں ہوگئے تھے۔ شارق نے پستول اس کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری ان کے پیچھے پیچھے چل رہی تھیں۔ وہ لوگ مختلف گلیوں میں چلتے رہے۔ راستے میں کچھ لوگ بھی ملے تھے۔ مگر کسی کو بھی شبہ نہیں ہوسکا تھا کہ ایک شخص کو پستول کی زد پر اس کی مرضی کے خلاف لے جایا جارہا ہے۔ جیسے ہی کوئی راہ گیر قریب آتا وہ لوگ اس طرح باتیں کرنے لگتے جیسے گہرے دوست ہوں۔

وہ ایک نیم تاریک گلی میں مڑ گئے' چند گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ ایک مکان کے سامنے رک گئے۔ نولکھا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھٹ کھٹایا۔ تقریباً" دو منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا اور ایک مجہول سا شخص دکھائی دیا۔ اس کی عمر چالیس اور پینتالیس کے درمیان رہی ہوگی۔ بالکل دبلا پتلا' فاقہ زدہ چہرہ' بڑھا ہوا شیو اور میلے سے کپڑے۔

وہ جیجا شٹلی تھا۔

"کون ہو بھئی تم لوگ؟ کس سے ملنا ہے' کیا کام ہے؟" اس نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ باہر گلی میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ نولکھا کو پہچان نہیں سکا تھا۔

"او میں ہوں جیجے' نولکھا۔" نولکھا نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "راستے سے ہٹو' ہمیں اندر تو آنے دو۔"

"استاد نولکھا۔" جیجا کے لہجے میں حیرت تھی۔ "بسم اللہ۔ ست بسم اللہ۔ آؤ .... اندر آجاؤ استاد .... پر میں نے تو سنا تھا کہ تم ...."

"کہانی اندر آکر سناؤں گا۔ گلی میں کھڑے کھڑے نہیں بتا سکتا۔" نولکھا نے اس کی بات کاٹ دی۔

جیجا شٹلی دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا تھا۔ وہ لوگ اندر آگئے۔ شارق نے پستول اب بھی ملک حفیظ کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔

جیجا شٹلی نے دروازہ بند کردیا اور مڑ کر ان کے آگے آگے چلنے لگا۔

یہ مکان تین کمروں پر مشتمل تھا۔ دو کمرے ایک طرف تھے اور ایک' ایک طرف۔ تینوں کمروں کے سامنے برآمدہ تھا۔ صحن بھی خاصا بڑا تھا۔ ایک طرف پانی کا ڈرم پڑا ہوا تھا۔ جس کے قریب ایک بالٹی اور ایک لوٹا بھی رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے بیت الخلاء تھا اور جس کے سامنے

ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا تھا۔

جیجا شلی انہیں ایک کمرے میں لے گیا جہاں فرش پر نیلے رنگ کی دری بچھی ہوئی تھی۔ ریگزین کاایک بغیر ہتھے والا پرانا سا صوفہ سیٹ تھا اور پلاسٹک تار کی بنی ہوئی چھ سات کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ یہ صوفہ سیٹ اور کرسیاں غالباً کسی بارگیننگ سینٹر سے خریدی گئی تھیں۔

"تمہیں دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہو رہی ہے استاد نولکھا۔ تم تو....." جیجا شلی کہتے کہتے خاموش ہوگیا اور متوحش نظروں سے شارق کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کی طرف دیکھنے لگا جو اس نے ملک حفیظ کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔ پھر وہ ملک حفیظ کی طرف دیکھنے لگا۔ "استاد نولکھا..." وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ .... یہ کون لوگ ہیں اور یہ پستول .....؟"

"یہ میرا سجن ہے۔" نولکھا نے شارق کی طرف اشارہ کیا۔ "بلکہ میرا استاد شارق باؤ .... اور یہ پولیس کا بندہ ہے۔ یہاں آتے ہی اس نے ہمیں شکار کرنے کی کوشش کی تھی مگر خود ہی شکار ہوگیا۔"

"شارق باؤ!" جیجا شلی کے لہجے میں حیرت تھی۔ "بڑا نام سنا ہے استاد شارق باؤ تمہارا۔ آج تمہارے درشن بھی ہوگئے۔ مگر استاد نولکھا۔" وہ ایک بار پھر نولکھا کی طرف گھوم گیا۔ "تم اتنے عرصے سے غائب کہاں تھے اور یہ سب کیا قصہ ہے۔ یہ بیبیاں کون ہیں۔"

"ساری کہانی تمہیں بعد میں سناؤں گا۔ پہلے کسی رسی کا بندوبست کرو۔" نولکھا نے کہا۔

"رسی ابھی لاتا ہوں استاد۔" جیجا ان کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

"تم لوگ بہت پچھتاؤ گے۔" سب انسپکٹر ملک حفیظ نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج تک کوئی مجرم قانون کی گرفت سے بچ کر نہیں نکل سکا۔ اگر تم اب تک بچے رہے ہو تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ قانون تمہارے معاملے میں بے بس ہوگیا ہے۔ ایک نہ ایک دن....."

"فی الحال تو تم بے بس ہو۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "لیکن گھبراؤ نہیں میں تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ بس ذرا تمہیں اپنا مہمان بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔"

ملک حفیظ کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ جیجا شلی دو تین رسیاں لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ شارق نے ملک حفیظ کو دھکا دے کر کمرے کے وسط میں پہنچا دیا۔ نولکھا نے اس کے ہاتھ پشت پر باندھ دیئے اور اس کی ٹانگ پر گھٹنے کے پچھلے حصہ پر ہلکی سی ٹھوکر ماری۔ ملک حفیظ لڑکھڑا کر نیچے گر گیا۔ نولکھا اس کی ٹانگوں پر بیٹھ گیا اور جیجا کو اشارہ کیا۔ جیجا شلی نے بڑی پھرتی سے اس کے دونوں پیر بھی باندھ دیئے۔

"اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دو اور اسے دوسرے کمرے میں ڈال آؤ۔ ذرا جلدی کرو۔ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" نولکھا نے کہا۔

جیجا شلی نے قمیض کی جیب سے میلا سا رومال نکال کر ملک حفیظ کے منہ میں ٹھونس دیا اور جھک کر اسے اٹھانے لگا۔ جیجا دبلا پتلا سا آدمی تھا اور ملک حفیظ ہٹا کٹا۔ لیکن جیجا شلی نے بڑے آرام سے اٹھا کر کندھے پر لاد لیا اور کمرے سے نکل گیا۔

اسے واپس آنے میں دو تین منٹ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔

"اب بتاؤ استاد کیا بات ہے۔" وہ نولکھا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پر تم لوگ کھڑے کیوں ہو۔ بیٹھتے کیوں نہیں' اسے اپنا ہی گھر سمجھو۔"

"تمہاری بیوی اور بیٹا کہاں ہیں۔ کیا انہیں پتا نہیں چلا کہ گھر میں مہمان آئے ہوئے ہیں۔" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری بھرجائی تو دو مہینے پہلے فوت ہوگئی ہے استاد نولکھا۔" جیجا نے جواب دیا۔ "گردن توڑ بخار ہوا تھا۔ تین دن میں ہی ختم ہوگئی وچاری۔" اس کا لہجہ رو دینے والا تھا۔

"بڑا افسوس ہوا یار۔ نولکھا نے افسردہ سے لہجے میں کہا اور اٹھ کر جیجا کو گلے لگا لیا اور اس کا کندھا تھپتھپانے لگا۔ ہمدردی پاکر جیجا کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور وہ سسکیاں بھرنے لگا۔

"صبر کر.... سب کو ایک دن رب کے پاس جانا ہی ہوتا ہے۔ یہ زندگی تو اس سوہنی ذات کی امانت ہے۔ بس کر.... اب صبر کر....." نولکھا اسے دلاسا دیتے ہوئے اس کا کندھا تھپتھپاتا رہا تھا۔

جیجا شلی نے آنسو پونچھ لئے۔ نولکھا نے اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا اور خود بھی سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ شارق بھی اس سے تعزیت کرنے لگا۔ جیجا شلی کی بیوی کا انتقال صرف دو مہینے پہلے ہوا تھا۔ زخم تازہ تازہ تھا۔ ہمدردی کے دو بول پاکر اس کے جذبات بے قابو ہوگئے تھے۔ وہ کافی دیر تک سسکیاں بھرتا رہا اور جب اس کی کیفیت سنبھلی تو نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہارا بیٹا کہاں ہے۔ کیا نام ہے اس کا .... ہاں .... یاد آگیا.... انور۔"

"نولکھا استاد۔" جیجا شلی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "قسمت جب منہ موڑتی ہے نا تو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ انور اپنی ماں کی موت سے ایک ہفتہ پہلے کوئٹہ گیا تھا۔ وہاں کسی آدمی سے اس کا جھگڑا ہوگیا۔ وہ آدمی اس کے ہاتھوں مارا گیا۔ انور کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ مجھے اس کی گرفتاری کی اطلاع اس دن ملی تھی جس دن اس کی ماں نے دم توڑا تھا۔ میں ثریا کو قبر میں اتارنے کے دوسرے ہی دن کوئٹہ چلا گیا تھا۔ وہاں بڑی مشکل سے انور سے

ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک ہوٹل میں بیٹھا چائے پی رہا تھا کہ دو آدمی اس کی میز پر آکر بیٹھ گئے۔ وہ دونوں شکلوں ہی سے بدمعاش لگتے تھے۔ وہ انور کو پریشان کرنے لگے۔ انور کو تم جانتے ہو۔ اسے بڑی جلدی غصہ آجاتا ہے۔ وہ بھی ان کے سامنے تن گیا۔ بات بڑھ گئی۔ ایک بدمعاش نے چاقو نکال لیا۔ انور نے چاقو چھین کر اسے سینے پر وار کر دیا۔ وہ بدمعاش وہیں تڑپ تڑپ کر مرگیا۔ انور نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کا خیال تھا کہ وہاں بیٹھے ہوئے لوگ اس کے حق میں گواہی دیں گے کہ پہل اس بدمعاش ہی نے کی تھی۔ لیکن جب پولیس آئی تو ہوٹل میں موجود کئی لوگوں نے انور ہی کو قصور وار ٹھہرایا۔ پولیس نے اسے قتل کے جرم میں گرفتار کرلیا۔ میں اس تھانیدار سے بھی ملا تھا جس نے انور کو گرفتار کیا تھا۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ انور نہیں بچ سکے گا۔ اس کے خلاف نہ صرف عینی شاہد موجود ہیں بلکہ آلہ قتل پر اس کی انگلیوں کے نشان بھی ثبت ہیں۔ پولیس نے چالان عدالت میں پیش کردیا ہے۔ اگلے مہینے کی تین تاریخ کو پیشی ہے۔"

"تم پر تو واقعی مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں یار۔" نولکھا نے کہا۔ "کسی وکیل سے بات کی ہے تم نے؟"

"ایک وکیل سے بات کی تھی۔" جیجا نے جواب دیا۔ "وہ کیس لینے کو تیار تو ہے لیکن وہ بھی یہی کہتا ہے کہ انور کے بچنے کا امکان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مقدمہ لڑنے کے لئے دو لاکھ روپے طلب کئے تھے اور میرے پاس دو لاکھ تو کیا دو ہزار روپے بھی نہیں ہیں۔"

"اچھا۔ سوچتے ہیں کہ اس معاملے میں ہم تمہاری کیا مدد کرسکتے ہیں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "روپے پیسے کی تم فکر مت کرو۔ جتنا روپیہ خرچ ہوگا ہم دیں گے۔"

"خدا تمہارا بھلا کرے استاد نولکھا۔" جیجا آنسو پونچھتے ہوئے بولا۔ "تم جانتے ہو میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ وہی میرا سہارا ہے۔ اگر وہ بھی پھانسی چڑھ گیا تو میں جیتے جی مرجاؤں گا۔"

"تم فکر ہی نہ کرو یار۔" نولکھا نے اسے تسلی دی۔ "ہم تمہارے بیٹے کو بچانے کے لئے اچھے سے اچھا وکیل کریں گے۔"

"رب کرے میرا پتر بری ہو جائے۔" جیجا نے کہا پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "میں بھی کتنا بیوقوف ہوں نولکھا استاد۔ تم لوگوں سے روٹی شوٹی کا تو پوچھا ہی نہیں۔ بھوک لگ رہی ہوگی تم لوگوں کو۔"

"رہنے دو یار۔" نولکھا بولا۔ "تمہاری باتیں سن کر تو ہماری بھوک ہی اڑ گئی ہے۔ رہنے دو۔"

"نہیں استاد۔ روٹی کے بغیر بھی بھلا کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ زینوں کا تندور ابھی کھلا ہوگا۔ میں روٹیاں لے کر آتا ہوں۔" جیجا کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

"اچھا تو پھر ایسا کر زینوں کے تندور سے روٹیاں لانے کے بجائے نان تکے اور کباب وغیرہ لے آؤ۔ استاد کالے کے ہاں سے لے کر آنا۔ ایک مرتبہ اس کے تکے کباب کھائے تھے' آج تک مزہ نہیں بھولا۔ یہ لے۔ پیسے لے جا۔" نولکھا نے جیب سے سو سو روپے کے دو نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

"تم تو شرمندہ کرتے ہو استاد۔ پیسے ہیں میرے پاس۔" جیجا بولا۔

"یہ بھی رکھ لے' اور جلدی واپس آنا۔" نولکھا نے پیسے اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔

"جیجا شلی پیسے لے کر چلا گیا۔ اسی دوران شارق اور شاہ پری وغیرہ خاموشی سے اس کی باتیں سنتے رہے تھے۔

"یہ جیجا شلی تو واقعی بڑا دکھی انسان ہے نولکھا بھائی۔ پر ہے کیا چیز۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس کا بھی ایک وقت تھا۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "کسی زمانے میں پورے جھنگ میں اس کے نام کا ٹہکا تھا۔ اب تو بے چارہ ختم ہوگیا ہے۔"

وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر جیجا شلی کے بارے میں بتانے لگا۔

عبدالعزیز..... جیجا شلی کا اصلی نام تھا۔ بیس سال پہلے اس کے باپ کی' منڈی میں آڑھت کی دکان تھی۔ اس وقت عبدالعزیز کی عمر بائیس تیئیس سال رہی ہوگی۔ وہ بھی اپنے باپ کے کاروبار میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ آٹھ جماعت پڑھا ہوا تھا۔ دکان کا حساب کتاب بھی سمجھ لیتا تھا۔

انہی دنوں دکان کی ملکیت پر اس کے باپ کا کسی سے جھگڑا چل رہا تھا۔ ایک روز عبدالعزیز کسی کام سے لاہور گیا ہوا تھا۔ شام کو جب واپس آیا تو یہ سنسنی خیز خبر اس کی منتظر تھی کہ اس کے باپ کے دشمن نے اپنے غنڈوں کے ذریعے اس کے باپ پر قاتلانہ حملہ کروا دیا تھا۔ اس کا باپ شدید زخمی ہوا تھا۔ جسے لوگوں نے ہسپتال پہنچا دیا تھا۔ غنڈوں نے دکان کو بھی آگ لگا دی تھی۔ جس سے دکان میں رکھا ہوا تمام سامان جل کر راکھ ہوگیا تھا۔ دکان بھی کھنڈر بن گئی تھی۔ ساتھ کی دو تین دکانوں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ لوگوں کے بیان کے مطابق حملہ آوروں نے چہروں پر ڈھاٹے باندھ رکھے تھے۔ کسی کو شناخت نہیں کیا جاسکتا تھا لیکن منڈی کے بعض لوگوں کو یقین تھا کہ یہ حملہ عبدالعزیز کے باپ کے دشمن غلام رسول نے ہی کروایا تھا۔

غلام رسول دس نمبری بدمعاش تھا۔ وہ ہسٹری شیٹر تھا اور تھانے میں اس کی حاضری ہوتی

تھی۔ پولیس والوں سے اس کے تعلقات ٹھیک ٹھاک تھے۔ عبدالعزیز نے اگرچہ رپورٹ میں غلام رسول کا نام لکھوایا تھا لیکن پولیس نے غلام رسول کے خلاف کسی قسم کی کارروائی نہیں کی تھی۔ اس کے برعکس غلام رسول نے عبدالعزیز کو دھمکانا شروع کردیا تھا کہ وہ رپورٹ سے اس کا نام واپس لے لے۔

اسی دوران ہسپتال میں عبدالعزیز کے والد کا انتقال ہوگیا۔ عبدالعزیز بار بار پولیس سے رابطہ کر رہا تھا۔ لیکن پولیس غلام رسول کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک ٹھوس ثبوت نہ ہوں وہ کسی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتے۔

غلام رسول نے عبدالعزیز کو دھمکانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ عبدالعزیز ایک شریف آدمی تھا۔ وہ تصادم سے بچنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس نے شہر کے بعض معزز و معتبر لوگوں تک رسائی حاصل کرکے اپنی بات ان تک بھی پہنچائی تھی لیکن مسئلہ حل نہیں ہوا تھا۔

بالآخر تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق عبدالعزیز نے بھی شرافت کا دامن چھوڑ دیا اور اس نے بھی وہ راستہ اختیار کرلیا جس سے وہ بچنا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے غلام رسول کے بعض غنڈوں کی پٹائی کی' پھر غلام رسول تک بھی پہنچ گیا۔

یہ تو طے شدہ بات ہے کہ جب کوئی شریف آدمی حالات سے تنگ آکر بغاوت پر اترتا ہے تو اسے سنبھالنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ عبدالعزیز بھی بے قابو ہوگیا۔ غلام رسول جیسے غنڈوں کے علاوہ پولیس سے بھی اس کی آنکھ مچولی شروع ہوگئی۔ عبدالعزیز کو بھی کچھ حمائتی مل گئے تھے۔ جو اپنے اپنے علاقوں کے چھٹے ہوئے بدمعاش تھے۔

عبدالعزیز کو اب طاقت مل گئی تھی۔ وہ کھل کر سامنے آگیا۔ غلام رسول اور اس کے گرگوں سے آئے دن تصادم ہوتا رہتا تھا۔ جس میں عام طور پر پٹائی غلام رسول کے آدمیوں ہی کی ہوتی تھی۔ غلام رسول کے دو تین آدمی اسے چھوڑ کر عبدالعزیز کے ساتھ مل چکے تھے۔

غلام رسول چرس اور ہیروئن وغیرہ کا اڈا بھی چلاتا تھا۔ عبدالعزیز کے آدمیوں نے مشورہ دیا کہ غلام رسول کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لئے وہ بھی منشیات فروشی کا دھندہ شروع کردے۔ عبدالعزیز پہلے تو انکار کرتا رہا' لیکن پیسے کی ضرورت سے تو وہ انکار نہیں کرسکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ہیروئن کے کاروبار میں بہت پیسہ ہے۔ شرافت کا دامن اس نے چھوڑ دیا تھا۔ اب اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ ہیروئن کے اثرات کتنے تباہ کن ہوتے ہیں۔ اس نے بھی یہ دھندہ شروع کردیا۔

ہیروئن خریدنے کے لئے وہ فیصل آباد جایا کرتا تھا۔ پہلے وہ کسی اور سے ہیروئن خریدتا تھا فیصل آباد میں اس کی ملاقات مجھ سے ہوئی اور پھر مجھ سے ایسی دوستی ہوئی کہ ایک دوسرے کے جینے مرنے کے ساتھی بن گئے۔

انہی دنوں عبدالعزیز کا سامنا ثریا سے ہوگیا۔ ثریا بیوہ عورت تھی اور عمر میں عبدالعزیز سے تین سال بڑی تھی۔ وہ تندور چلاتی تھی۔ یہ تندور ہی اس کا وسیلہ روزگار تھا۔ علاقے کے غریب لوگ کھانا کھانے کے لئے اسی کے تندور پر آتے تھے۔ اس نے تندور کے ساتھ سرکنڈوں کا ایک سائبان سا بنا رکھا تھا جس کے نیچے بیٹھنے کے لئے چٹائیاں بچھی ہوئی تھیں۔

ثریا خوبصورت عورت تھی۔ جوانی ہی میں بیوہ ہوگئی تھی۔ کچھ اوباش قسم کے لوگ اسے ستایا بھی کرتے تھے۔ ایک دو نے تو اسے پٹانے کی کوشش بھی کی تھی مگر اس کے ہاتھوں خود پٹ گئے تھے۔

ایک روز عبدالعزیز اپنے دو آدمیوں کے ساتھ اس طرف آنکلا۔ اس وقت تندور کے ساتھ سائبان کے نیچے پانچ چھ مزدور قسم کے آدمی روٹی کھا رہے تھے اور دو غنڈے قسم کے نوجوان ثریا کو پریشان کر رہے تھے۔ عبدالعزیز قریب سے گزرتے ہوئے وہاں رک گیا۔ اس نے پہلے تو شرافت سے ان نوجوانوں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اوباش نوجوان اس پر پلٹ پڑے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ یہ جیجا شلی ہے۔ عبدالعزیز اور اس کے آدمیوں نے ان دونوں اوباش نوجوانوں کی دھنائی کر دی۔

جیجا شلی نے پہلے مرتبہ ثریا کو دیکھا تھا اور پہلی ہی نظر میں دل ہار بیٹھا۔ وہ اس کے بعد بھی ثریا کے تندور پر آتا رہا۔ ان کی بات چیت میں کسی قدر بے تکلفی کا رنگ آگیا تھا اور پھر ایک روز اس نے ثریا کو شادی کی پیشکش کردی۔

ثریا کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔ ایک سال پہلے شوہر کے انتقال کے بعد تو وہ بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ اس ایک سال میں اسے اندازہ ہوگیا تھا کہ اکیلی عورت کے لئے زندگی گزارنا کتنا کٹھن ہے اور عورت اس کی طرح جوان اور حسین ہو تو زندگی اور بھی مشکل ہو جاتی ہے۔ اس کے سامنے ابھی پہاڑ جیسی زندگی پڑی تھی۔ یوں تو ہر شخص نے اسے سہارا دینے کی پیشکش کی تھی لیکن ثریا نے ان کی نظروں میں مچلتی ہوئی ہوس کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ ایسے لوگوں سے بچتی رہی تھی۔ جیجا شلی ایک مختلف انداز میں اس کے سامنے آیا تھا۔ اس نے جیجا شلی کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ وہ نامی گرامی غنڈہ تھا لیکن اس میں شرافت تھی۔ وہ تقریباً تین مہینوں سے اس کے تندور پر آتا رہا تھا لیکن اس دوران اس نے کوئی ایسی بات نہیں کی تھی جسے غیر اخلاقی کہا

جاسکتا۔ بہت سوچنے سمجھنے کے بعد ثریا نے عبدالعزیز کی پیشکش قبول کرلی۔

شادی کے بعد عبدالعزیز' ثریا کو اپنے گھر لے آیا۔ تندور اور اس سے ملحق جگہ بیچ دی گئی۔

عبدالعزیز اس شادی پر بہت خوش تھا۔ ثریا ایک وفا شعار اور محبت کرنے والی بیوی ثابت ہوئی تھی۔ شروع میں وہ کوشش کرتی رہی کہ جیجا منشیات کا دھندہ اور غنڈہ گردی چھوڑ دے۔ عبدالعزیز بھی یہ سب کچھ چھوڑنا چاہتا تھا۔ لیکن وہ اس جال میں اس طرح پھنس چکا تھا کہ کوشش کے باوجود نہیں نکل سکتا تھا۔ ثریا سے شادی کے ایک سال بعد اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو اس نے سارے دھندے چھوڑ دیئے۔ وہ چند روز ہی سکون سے گزار سکا تھا۔ لیکن پولیس نے اسے آرام سے بیٹھنے نہیں دیا اور آخر کار اسے دوبارہ اس دلدل میں اترنا پڑا۔

غلام رسول' جیجا شکی کا سب سے بڑا دشمن تھا لیکن وہ شہر کے صرف ایک علاقے تک محدود ہوکر رہ گیا۔ وہاں بھی اس کے آدمی علاقے کے لوگوں سے پٹتے رہتے تھے۔ غلام رسول کا دبدبہ ختم ہوچکا تھا۔ اس کی دہشت ختم ہوگئی تھی۔ پہلے لوگ اس کے نام ہی سے کانپتے تھے اب اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے لگے تھے۔

اور پھر ایک روز جیجا شکی اور غلام رسول میں زور دار معرکہ ہوا۔ اس روز غلام رسول کو نہ صرف اس علاقے سے بلکہ شہر ہی سے بھاگنا پڑا تھا۔ وہ رات ہی رات میں شہر چھوڑ کر چلا گیا۔

اب پورے شہر پر جیجا شکی کا راج تھا۔ شہر میں اگرچہ اور بھی چھوٹے موٹے غنڈے موجود تھے۔ لیکن وہ سب جیجا شکی کے دبیل تھے۔ جیجا ان سے علاقے کا بھتہ لیتا تھا اور وہ لوگ اس کی مرضی کے خلاف نہیں جاسکتے تھے۔

جیجا اپنے بیٹے انور کو پڑھانا چاہتا تھا۔ اس نے انور کو میٹرک تو کروا دیا تھا لیکن وہ اس سے آگے پڑھنے کو تیار نہیں تھا۔ جیجا نے اسے اپنے کام دھندے سے دور ہی رکھا تھا۔ اسے شہر کے بارونق علاقے میں ایک چھوٹا سا جنرل اسٹور کھول دیا تھا۔ جیجا اپنے بیٹے کی طرف سے مطمئن تھا۔ لیکن اس کا یہ اطمینان اسے لے ڈوبا۔ بہت عرصے بعد اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ جو زہر دوسروں میں بانٹ رہا تھا اس کا اپنا بیٹا بھی اس کا شکار ہوچکا ہے۔

جیجا اب پچھتا رہا تھا کہ اس نے اپنے بیٹے پر نگاہ کیوں نہیں رکھی تھی۔ وہ اسے دکان پر بٹھا کر مطمئن کیوں ہوگیا تھا۔

جیجا کے لئے یہ انکشاف بجلی بن کر گرا تھا کہ اس کا بیٹا انور ہیروئن کا عادی ہوچکا ہے اور اس کی دکان بھی ویران ہوچکی ہے۔ اسے اپنی دنیا اندھیر ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ اسے پہلے مرتبہ پتا چلا کہ جن لوگوں کے بچے ہیروئن جیسی موذی لعنت میں پھنس جاتے ہیں ان کا کیا حال ہوتا

ہے۔ وہ اب تک دوسروں کی رگوں میں یہ زہر گھولتا رہا تھا اور اسے کبھی پریشانی نہیں ہوئی تھی لیکن جب اپنا جوان بیٹا اس لعنت کا شکار ہوا تو اسے احساس ہوا کہ دولت کے لالچ میں وہ کیا کچھ کرتا رہا ہے۔

جیجا شکی نے منشیات کا دھندہ چھوڑ دیا اور بیٹے کو علاج کے لئے لاہور لے گیا۔ چھ مہینے کے علاج سے اس کا بیٹا تندرست ہوگیا۔ وہ اسے دوبارہ جھنگ لے آیا۔ اس نے اپنے منشیات فروشی کے تمام اڈے بند کردیئے۔ دکان کو ازسرنو سیٹ کیا اور خود بھی بیٹے کے ساتھ دکان پر بیٹھنے لگا۔

عبدالعزیز کی اس کایا پلٹ پر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی تھی۔ اس نے ایسے تمام لوگوں سے قطع تعلق کرلیا تھا جن کا اس دھندے سے کوئی تعلق ہوسکتا تھا۔ اس کالے دھندے کی وجہ سے جیجا شکی کے پولیس والوں سے بھی گہرے تعلقات تھے۔ اس نے پولیس سے بھی اگرچہ قطع تعلق کرلیا تھا لیکن پولیس اس سے قطع تعلق کرنے کو تیار نہیں تھی۔ سونے کا انڈہ دینے والی ایک مرغی پولیس کے ہاتھ سے نکل رہی تھی۔ اور وہ اپنا نقصان کیسے برداشت کرسکتے تھے۔ قانون کے ان محافظوں کی طرف سے جیجا شکی پر دباؤ بڑھنے لگا کہ وہ اپنا دھندہ دوبارہ شروع کردے لیکن جیجا شکی اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا۔ اسے مختلف الزامات میں بار بار پکڑ لیا جاتا۔ تھانے میں اس پر سختی کی جاتی۔ مار پیٹ ہوتی مگر وہ کسی طرح بھی دوبارہ یہ دھندہ اختیار کرنے کو تیار نہیں تھا۔

پولیس نے دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کردیئے۔ اس کے بیٹے کو بھی بار بار پکڑ کر تھانے میں بند کیا جانے لگا۔ دکان اجڑ گئی۔ مگر جیجا شکی نے پولیس کی بات نہیں مانی۔

اس دوران مجھ سے بھی اس کی ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ نہیں مانا۔ میرے لئے اس کے دل میں بہت احترام تھا۔ وہ اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھا مگر اس نے میری بھی یہ بات نہیں مانی۔

اس دوران میں شارق سے وابستہ ہوکر لاہور چلا گیا اور آج طویل عرصہ بعد جیجا شکی سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ جیجا شکی بہت بدلا ہوا تھا۔ وہ برسوں کا مریض لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی جو کہانی سنائی تھی وہ واقعی افسوس ناک تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ ارادے کا پکا ہے۔ اور قابلِ اعتماد ہے۔" شارق نے نولکھا سے پوری داستان سننے کے بعد کہا۔

"ہاں .... ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد۔" نولکھا نے جواب دیا۔

وہ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ جیجا شلی کھانا لے کر آگیا۔ اس نے دری پر ہی دستر خوان بچھا دیا اور وہ لوگ جیسے ہی کھانا کھانے کے لئے بیٹھے شارق کو جیسے کچھ یاد آگیا۔ اس نے ہاتھ روک لیا۔

"کیا ہوا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"خدا کا ایک بندہ دوسرے کمرے میں بھی ہے۔ اسے بھی کھانا کھلانا ہے۔" شارق بولا۔

"اسے میں کھلا دیتا ہوں جی۔" جیجا شلی نے کہا۔ "میں سب کے لئے لے کر آیا ہوں۔ روٹیاں کم نہیں پڑیں گی۔" اس نے ایک پلیٹ میں کچھ تکہ' کباب رکھے اور دوسری پلیٹ میں دو روٹیاں رکھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد شارق بھی اپنی پلیٹ لے کر اسی کمرے میں آگیا۔ جیجا شلی' ملک حفیظ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ ملک حفیظ کے منہ سے کپڑا نکال دیا گیا تھا۔ لیکن وہ کھانا نہیں کھا رہا تھا۔

"یہ روٹی نہیں کھا رہا شارق باؤ۔" جیجا نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ملک صاحب؟" شارق اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اپنے پیٹ سے دشمنی کرو گے تو نقصان میں رہو گے۔ پتا نہیں تمہیں کب تک یہاں رہنا پڑے۔ بہتر ہے کہ کھانا کھالو۔ بھوکے رہو گے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں بھی مفقود ہوجائیں گی۔"

"تم لوگ چاہتے کیا ہو؟" ملک حفیظ نے اسے گھورا۔

"ہم ایک دو دن یہاں رہنا چاہتے ہیں' سکون سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ یہاں آتے ہی تم نے ہمیں دیکھ لیا اور یہ ہماری خوش قسمتی بھی ہے کہ تم ہمارے قابو میں آگئے۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ لیکن جب تک ہم یہاں رہیں گے تم ہماری تحویل میں رہو گے۔ جب ہم یہاں سے جائیں گے تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ اس دوران تم بھوکے تو نہیں رہ سکتے۔ اس لئے کھانا کھالو۔"

بات ملک حفیظ کی سمجھ میں آگئی تھی۔

"میرے ہاتھ پیر کھول دو۔ میں اپنے ہاتھ سے کھانا کھاؤں گا۔ اس کے بعد بے شک مجھے دوبارہ باندھ دینا۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "اسے کھول دو۔" اس نے جیجا کو اشارہ کیا۔

جیجا شلی نے ملک حفیظ کے ہاتھ پیر کھول دیئے۔ وہ کچھ دیر تک اپنی کلائیاں اور ٹخنے سہلاتا رہا۔ اور پھر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔ شارق اس سے تین چار فٹ کے فاصلے پر سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اسے شبہ تھا کہ کھانے کے دوران ملک حفیظ کوئی حرکت کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس لئے

وہ خاصا محتاط نظر آرہا تھا۔

"جیجا۔ پانی لے کر آؤ۔ میرے لئے بھی اور ملک صاحب کے لئے بھی۔" شارق نے کہا۔

جیجا کمرے سے باہر چلا گیا۔ چند منٹ بعد ہی اس نے ایک جگ اور گلاس لاکر وہاں رکھ دیا۔

"جاؤ۔ تم بھی کھانا کھالو۔ میں یہاں بیٹھا ہوں۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

جیجا پھر کمرے سے چلا گیا۔ شارق بھی ملک حفیظ کے سامنے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا۔ اس نے پانی پی کر گلاس میں دوبارہ پانی بھر دیا۔

ملک حفیظ نے روٹی کا نوالہ منہ میں رکھنے کے بعد پانی کا گلاس اٹھالیا۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے نوالہ نگلنے کے بعد پانی پینے کا ارادہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ کن انکھیوں سے شارق کی طرف دیکھ رہا تھا۔

شارق بھی نوالہ چبا رہا تھا۔ اس نے نوالہ حلق سے اتارنے کے بعد روٹی سے دوسرا نوالہ توڑنے کے لئے جیسے ہی نظریں جھکا کر پلیٹ کی طرف دیکھا ملک حفیظ نے گلاس کا پانی اس کے منہ پر اچھال دیا۔

گلاس کا پورا پانی شارق کے منہ پر پڑا۔ روٹی کا نوالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اپنے چہرے پر پہنچ گیا۔ اسی لمحے حفیظ ملک نے کباب والی پلیٹ اٹھا کر اس کے منہ پر دے ماری۔ پلیٹ کا کنارہ شارق کے رخسار کی ہڈی پر لگا۔ شارق کراہ اٹھا۔

ملک حفیظ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے اس نے دروازے کی طرف دیکھا۔ شاید وہ دروازے کے راستے فرار ہونا چاہتا تھا لیکن پھر ارادہ بدل دیا اور کھڑکی کی طرف چھلانگ لگا دی۔

کھڑکی پچھلی گلی کی طرف کھلتی تھی۔ اس کا اوپر والا صرف ایک شیشہ سلامت تھا۔ باقی فریم میں شیشوں کی جگہ گتے لگے ہوئے تھے۔ کھڑکی کی چٹخنی بھی لگی ہوئی تھی۔ ملک حفیظ بڑی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے چٹخنی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شارق کو رخسار کی ہڈی پر اگرچہ پلیٹ کے کنارے سے زور دار چوٹ لگی تھی لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔ ملک حفیظ اس دوران چٹخنی گرا کر کھڑکی کھول چکا تھا اور چوکھٹ پر چڑھ رہا تھا۔ شارق اپنی جگہ پر کھڑے کھڑے پوری قوت سے اچھلا اور ہوا میں اڑتا ہوا کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ ملک حفیظ دونوں ہتھیلیاں کھڑکی کی چوکھٹ پر جمائے اپنے آپ کو اوپر اٹھا چکا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنا پیر چوکھٹ پر رکھتا شارق نے اسے گرفت میں لے لیا اور دونوں ٹانگوں سے پکڑ کر پیچھے کی طرف زور دار جھٹکا دیا۔

جھٹکا لگنے سے چوکھٹ پر سے ملک حفیظ کے ہاتھ چھوٹ گئے۔ وہ منہ کے بل کمرے کے اندر کی طرف گرا۔ اس کی دونوں ٹانگیں شارق کی گرفت میں تھیں۔ اگر وہ دونوں ہاتھ زمین پر نہ ٹکالیتا تو اس کا چہرہ فرش پر لگتا۔

شارق نے اسے گھسیٹ کر پیچھے کی طرف کھینچ لیا۔ ملک حفیظ نے زور زور سے چیخنا شروع کردیا۔ شارق نے اس کی ٹانگیں چھوڑ دیں اور اس کی پشت پر سوار ہوکر ایک ہاتھ سے اس کا منہ دبا دیا۔

شور کی آواز سن کر نوکھا اور جیجا شلی وغیرہ بھی دوڑتے ہوئے اسی کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں کی صورت حال دیکھ کر وہ لوگ چونکے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

"کھڑکی بند کردو جیجے!" شارق چیخا۔

جیجے نے جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی بند کردی۔ شارق نے ابھی تک ملک حفیظ کا منہ دبا رکھا تھا۔ نوکھا نے آگے بڑھ کر اس پر گھونسوں کی بارش کردی۔

"نہیں نوکھا۔ اسے مارو نہیں۔" شارق نے کہا پھر ملک حفیظ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں تمہارے منہ سے ہاتھ ہٹا رہا ہوں۔ اب اگر تم نے منہ سے کوئی آواز نکالی تو میں' نوکھا کو نہیں روک سکوں گا۔"

اس نے ملک حفیظ کے منہ سے ہاتھ ہٹالیا اور قمیض کے کالر سے پکڑ کر اسے ایک جھٹکے سے اٹھا دیا۔

"میں تمہیں کوئی الزام نہیں دوں گا۔" وہ ملک حفیظ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "فرار کی کوشش کرنا تمہارا حق تھا۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو یہی کرتا۔ لیکن اب تم ایسی کوئی حرکت نہیں کرو گے۔ سمجھے۔"

"تم لوگ بچ کر نہیں جاسکو گے۔" حفیظ ملک نے غراتے ہوئے کہا۔

"یہ جملہ میں کئی بار سن چکا ہوں یار۔" شارق نے کہا۔ "میں تمہارے ساتھ کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا' لیکن تم نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہے۔ اب تم کسی رعایت کے مستحق نہیں۔ نوکھا۔" اس نے نوکھا کی طرف دیکھا۔

"اسے باندھ کر ڈال دو۔" کھانا دینے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

جیجا شلی اور نوکھا نے فوراً" ہی حفیظ ملک کو دبوچ لیا اور اس کے ہاتھ پیر باندھ کر منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا۔

"میرا خیال ہے یہ کمرہ اس کے لئے ٹھیک نہیں ہے۔ کیا کوئی اور کمرہ ایسا ہے جہاں اسے

رکھا جائے اور ہم رات کو سکون کی نیند سوسکیں۔" شارق نے جیجا شلی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسے دوسرے کمرے میں پھینک دیتا ہوں شارق باؤ۔ وہاں کوئی کھڑکی بھی نہیں ہے۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اسے اٹھا کر اسی کمرے میں ڈال آؤ۔" شارق بولا۔

جیجا شلی اور نوکھا نے حفیظ ملک کو اٹھالیا۔ شارق بھی ان کے ساتھ کمرے میں نکل آیا۔ ثمینہ اور شاہ پری برآمدے میں کھڑی تھیں۔ شارق انہیں لے کر دوبارہ اسی کمرے میں آگیا جہاں وہ لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد جیجا شلی اور نوکھا بھی آگئے اور دوبارہ کھانا کھانے لگے۔

"اس بندے کا کوئی بندوبست کرنا ہوگا شارق باؤ۔ ورنہ یہ ہمارے لئے خطرناک بھی ثابت ہوسکتا ہے۔" کھانے کے بعد جیجا شلی نے کہا۔

"یہ کیسے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"یہ پولیس کا بندہ ہے شارق باؤ۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "کچھ عرصہ پہلے ہی ٹرانسفر ہوکر یہاں آیا ہے۔ یہ درست ہے کہ یہ اس وقت ڈیوٹی پر نہیں ہے۔ لیکن جب یہ گھر نہیں پہنچے گا تو اس کی تلاش شروع ہو جائے گی۔ رات بارہ ایک بجے تک ہوسکتا ہے اس کے گھر والے اپنے طور پر اسے تلاش کرتے رہیں۔ لیکن اس کے بعد پولیس کی طرف سے اس کی تلاش شروع ہوجائے گی اور تم جانتے ہو کہ پولیس شہر کے تمام مشتبہ لوگوں سے پوچھ گچھ کرے گی۔"

"تو کیا تم بھی مشتبہ لوگوں کی فہرست میں ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"میں اگرچہ سارے دھندے چھوڑ چکا ہوں' لیکن پولیس کی لسٹ میں میرا نام اب بھی موجود ہے ہوسکتا ہے وہ اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوئے میرے دروازے پر بھی پہنچ جائیں۔ اسی صورت میں...."

"میں سمجھ رہا ہوں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اس کا مطلب ہے کہ ہمیں آدھی رات سے پہلے پہلے اسے لے کر یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ لیکن تمہارے خیال میں اور کونسی جگہ محفوظ ہوسکتی ہے؟"

"ایک جگہ ہے میری نظروں میں۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اکرم سیال میرا بہت گہرا دوست ہے۔ ہمیں اس کے ڈیرے پر جگہ مل سکتی ہے۔"

"اکرم سیال کون ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے س کی طرف دیکھا۔

"زمیندار ہے۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اس کا باپ میرے باپ کا دوست تھا۔ ان کی زمینوں پر پیدا ہونے والا سارا اناج ہمارے ذریعے منڈی میں آتا تھا۔ باپ کی موت کے بعد اکرم سیال نے زمینداری سنبھال لی تھی۔ میرے ساتھ اس کے بہت اچھے تعلقات رہے ہیں۔ میرے والد کے قتل کے بعد جب غلام رسول سے میری دشمنی چلی تھی تو اکرم سیال نے میری بڑی مدد کی تھی۔ مجھے امید ہے کہ وہ اس معاملے میں بھی میری مدد کرے گا۔ ہمیں اس کے ڈیرے پر جگہ مل جائے گی۔"

"اس کا ڈیرا کہاں ہے ؟" شارق نے پوچھا۔

"شہر سے تقریباً" دو میل دور۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اس کی اپنی رہائش تو گاؤں میں ہے۔ ڈیرا گاؤں سے آدھا میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں اس کا صرف ایک ہی آدمی رہتا ہے۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں ہمیں ابھی روانہ ہو جانا چاہئے ؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں' عقلمندی کا تقاضا یہی ہے۔" جیجا نے سرہلایا۔ "تو ٹھیک ہے۔ تیاری کرو۔" شارق بولا۔

اور پھر آدھے گھنٹے بعد وہ لوگ اس مکان سے نکل رہے تھے۔ جیجا شلی کا مکان حیدری محلے میں تھا۔ گلیوں سے ہوتے ہوئے وہ ایک کشادہ سڑک پر نکل آئے اور سڑک پار کرکے ایک اور گلی میں گھس گئے۔

حفیظ ملک کو ایک چادر اوڑھا دی گئی تھی اور شارق اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس نے پستول کی نالی ملک حفیظ کے پہلو سے لگا رکھی تھی اور اسے بہت واضح الفاظ میں یہ دھمکی دی گئی تھی کہ اگر اس نے بھاگنے یا کسی قسم کی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو اسے بے دریغ گولی مار دی جائے گی۔

وہ لوگ شہر سے نکل کر ریلوے لائن کے پاس آگئے۔ سب سے آگے جیجا شلی تھا۔ اس کے پیچھے ملک حفیظ اور شارق تھے۔ ان کے پیچھے ثمینہ اور شاہ پری۔ آخر میں نولکھا لڑھکتا ہوا نظر آرہا تھا۔

ریلوے لائن کے دائیں طرف ایک قبرستان تھا اور بالکل قریب ایک مزار جس پر جھنڈے لگے ہوئے تھے اور بتیاں جل رہی تھیں۔

"یہ شاید کسی بزرگ کا مزار ہے۔" شاہ پری نے ثمینہ سے پوچھا۔

"یہ اس ہستی کا مزار ہے جس نے اس خطے میں عشق و محبت کی ایک لازوال داستان رقم کی تھی۔ آج وہ ہستی اگرچہ منوں مٹی کے نیچے دفن ہے لیکن اس کا نام آج بھی زندہ ہے۔"

"میں سمجھی نہیں' کون ہے وہ ہستی ؟" شاہ پری نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کا نام ہیر ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی پھر سے ہیر' رانجھا کی داستان سنانے لگی۔ آخر وہ کہہ رہی تھی۔ "لوگ بڑی تعداد میں اس مزار پر نیاز ماننے کے لئے آتے ہیں۔"

"سچ کہہ رہی ہو۔" شاہ پری نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے آج محبت زندہ ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی محبت میں ثابت قدم نہ رہتے تو ہمیں ایسی داستانیں سننے کو بھی نہ ملتیں۔"

"ہاں۔ محبت زندہ باد۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ لوگ آبادی سے دور کھیتوں میں پہنچ چکے تھے۔ وہ ایک تنگ سی پگڈنڈی تھی جس پر وہ چل رہے تھے۔ پگڈنڈی پر چلتے ہوئے ایک جگہ ثمینہ کا پیر پھسل گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکی۔ شاہ پری نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن ثمینہ پوری طرح بے توازن ہوچکی تھی۔ وہ شاہ پری کو بھی ساتھ لیتی ہوئی پگڈنڈی سے کھیت میں جا گری تھیں۔ کھیت میں پانی تھا۔ دونوں شٹراپ کی آواز سے کھیت میں گری تھیں اور دونوں کے منہ سے ہلکی سی چیخیں نکل گئی تھیں۔

شارق وغیرہ فوراً" ہی اس طرف متوجہ ہوگئے۔ نولکھا اور جیجا شلی آگے بڑھ کر انہیں اٹھانے لگے۔ شارق بھی اس طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ ایک لمحہ کو وہ بھول گیا تھا کہ اس نے ملک حفیظ کو پستول سے کور کر رکھا تھا۔

ملک حفیظ کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ اس نے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر شارق کے پستول والے ہاتھ پر ٹھوکر مار دی اور کھیتوں میں ایک طرف بھاگ نکلا۔

ملک حفیظ کی یہ حرکت شارق کے لئے بالکل غیر متوقع تھی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور کھیت میں جاگرا۔ شارق خود بھی لڑکھڑا گیا تھا اور جب وہ سنبھلا تو ملک حفیظ تقریباً" بیس گز دور نکل چکا تھا۔

"رک جاؤ ملک ورنہ گولی مار دوں گا۔" شارق چیخا۔

لیکن ملک حفیظ نہیں رکا۔ شارق زبانی طور پر تو اسے گولی مار سکتا تھا لیکن اس کے پاس پستول نہیں تھا۔ تاریکی میں کھیت میں پستول تلاش کرنا ممکن نہیں تھا۔ دوسرے ہی لمحہ اس نے ملک حفیظ کے پیچھے دوڑ لگا دی۔

ملک حفیظ پگڈنڈی پر دوڑتا ہوا ایک دوسرے کھیت کی طرف مڑ گیا۔ شارق بھی پوری قوت سے اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ وہ اس بات سے بھی ڈر رہا تھا کہ اگر پگڈنڈی پر اس کا پیر پھسل گیا تو ثمینہ اور شاہ پری کی طرح وہ بھی پانی میں جا گرے گا اور پھر ملک حفیظ کا ہاتھ آنا مشکل ہو جائے گا۔ تاریکی اور کھیتوں میں وہ اس طرح غائب ہو گا کہ اسے تلاش کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ملک حفیظ کے ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب یہ ہو گا کہ پولیس ایک بار پھر ان کے پیچھے لگ جائے گی اور پھر وہی پرانا چکر شروع ہو جائے گا۔ جبکہ وہ اس سے بچنا چاہتا تھا۔

وہ تیزی سے دوڑتا ہوا دوسرے کھیت کی منڈیر پر پہنچ گیا۔ اس کے اور ملک حفیظ کے درمیان چند فٹ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ یہ فاصلہ جیسے ہی مزید کم ہوا شارق نے چھلانگ لگا دی اور ہوا میں اڑتا ہوا اس کے اوپر جا گرا۔

وہ دونوں منڈیر سے لڑھکتے ہوئے کھیت میں جا گرے۔ اتفاق سے اس کھیت میں پانی نہیں تھا۔ شارق، ملک حفیظ کے اوپر تھا اور اس کی گردن کو بازوؤں کی لپیٹ میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ ملک حفیظ نے اپنا بازو موڑ کر اس کے سر کے بال پکڑ لئے اور زور زور سے جھٹکنے دینے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پوری قوت سے لوٹ لگا دی تھی۔

شارق دائیں طرف لڑھک گیا۔ ملک حفیظ نے سنبھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی تھی۔ اس نے شارق کے چہرے پر گھونسوں کی بارش کر دی۔ ایک گھونسا شارق کی ناک پر لگا۔ چوٹ خاصی زور دار تھی۔ اس کا دماغ جھنجھنا گیا۔ ناک سے خون بہہ نکلا تھا۔

شارق کو بھی سنبھلنے میں چند سیکنڈ سے زیادہ نہیں لگے تھے۔ اس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک حفیظ کی کلائی پکڑلی اور پوری قوت سے اسے مروڑنے لگا اس کے ساتھ ہی اس نے سنبھلتے ہوئے سر سے اس کے چہرے پر ٹھوکر ماری۔

ملک حفیظ بلبلا اٹھا۔ اس کی ناک سے بھی خون بہہ نکلا تھا۔ وہ چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر شارق اس سے پہلے ہی اٹھ گیا تھا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ بھاگنے یا کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا۔" شارق نے غراتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتے تھے۔ تمہارا خیال تھا کہ تم بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ لیکن شاید تم بھول گئے تھے کہ میرا نام شارق ہے۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا لیکن تم نے خود ہی میرے غیض کو للکارا ہے۔"

شارق نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ملک حفیظ کچھ دیر تک پٹتا رہا پھر وہ بھی سنبھل گیا۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے۔ کبھی شارق نیچے آجاتا اور کبھی ملک حفیظ

..... کھیت کے پودے ان کے نیچے دب رہے تھے۔ بالآخر ملک حفیظ کو موقع مل گیا اور اب وہ شارق پر ٹھوکروں کی بارش کر رہا تھا۔ لیکن ملک حفیظ زیادہ دیر تک اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکا تھا کیونکہ نولکھا نے اسے پیچھے سے دبوچ لیا تھا۔

ملک حفیظ اب نولکھا کے شکنجے میں تھا۔ نولکھا کی دونوں بانہیں اس کے گلے میں لپٹی ہوئی تھیں اور ملک حفیظ کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔ اس کے حلق سے پھنسی پھنسی سی آوازیں نکل رہی تھیں۔ نولکھا نے زور دار جھٹکا دے کر اسے چھوڑ دیا۔

ملک حفیظ منہ کے بل پودوں میں گرا۔ کچھ دیر تک وہ بے حس و حرکت پڑا رہا پھر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ شارق نے اسے قمیض کے کالر سے پکڑ کر اٹھایا۔ ثمینہ، شاہ پری اور جیجا شکلی بھی اس دوران وہاں پہنچ گئے۔

"اب تم شرافت سے ہمارے آگے آگے چلتے رہو۔ شارق نے ملک حفیظ کو دھکا دیتے ہوئے کہا۔ "یہ میری طرف سے آخری وارننگ ہے۔ اب اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی تو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

ملک حفیظ کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس نے آستین سے خون صاف کیا اور پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ شارق کی ناک اور ہونٹوں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ وہ بھی ملک حفیظ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے آستین سے خون پونچھ رہا تھا۔

"گاؤں کتنی دور ہے جیجا۔" اس نے چلتے چلتے پوچھا۔

"وہ بائیں طرف بستی نظر آرہی ہے نا وہ اکرم سیال کے ٹیوب ویل کی ہے۔ اس کے بائیں طرف تقریباً" نصف میل کے فاصلے پر گاؤں ہے۔" جیجا نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ کھیتوں میں دور تقریباً" نصف میل کے فاصلے پر مدھم روشنی نظر آرہی تھی۔ اس کے بائیں طرف بھی بہت دور ایک بہت مدھم سی روشنی جھلملاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔

"کس طرف جانا ہے۔" شارق نے پوچھا۔ "گاؤں کی طرف یا ٹیوب ویل کی طرف۔"

"پہلے ٹیوب ویل کی طرف چلتے ہیں۔ تم لوگوں کو وہاں چھوڑ کر میں گاؤں کی طرف چلا جاؤں گا۔" جیجا شکلی نے کہا۔ "تو چلو ..... آگے چلو۔" شارق نے کہا۔

وہ لوگ پگڈنڈی پر تیز تیز چلنے لگے۔ شاہ پری اور ثمینہ کی عجیب سی حالت تھی۔ پانی بھرے کھیت میں گرنے سے ان کے کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو رہے تھے۔ ہاتھوں اور چہروں پر بھی کیچڑ پت گئی تھی۔ ان کے پیر بھی کیچڑ میں بھرے ہوئے تھے۔ اس طرح انہیں چلنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔

کھیتوں کی پگڈنڈیوں پر گھومتے ہوئے وہ تقریباً" چالیس منٹ میں ٹیوب ویل پر پہنچے تھے۔ ٹیوب ویل چل رہا تھا۔ ایک پختہ کوٹھری میں ٹیوب ویل کی موٹریں وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔ اس کے سامنے ایک پختہ حوض بنا ہوا تھا جس میں پانی گر رہا تھا۔ اس حوض سے آگے تقریباً" دو فٹ چوڑا پختہ نالہ تھا۔ پانی اس نالے سے بہتا ہوا کھیتوں کی طرف جا رہا تھا۔

ٹیوب ویل والی کوٹھری کے دوسری طرف ایک اور کمرہ تھا۔ اس طرف بھی ایک بلب جل رہا تھا۔ کمرے کے سامنے ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ جس کے سامنے ایک حقہ بھی رکھا ہوا تھا۔ لیکن وہاں کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔

"یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔" نولکھا بولا۔ "حیرت ہے یہاں کا رکھوالا ٹیوب ویل کھلا چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔"

"میرا خیال ہے وہ پانی لگانے کے لئے کھیتوں کی طرف گیا ہوگا۔" جیجا نے کہا۔

وہ لوگ ابھی باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک ہی بائیں طرف سے ایک آواز سنائی دی۔

"کون ہو تم لوگ ... اپنی جگہ سے حرکت مت کرنا۔"

آوازیں سن کر وہ سب اچھل پڑے۔ ایک آدمی درخت کی آڑ میں کھڑا تھا۔ اس نے ان پر ڈبل بیرل رائفل تان رکھی تھی۔

"اپنے ہی آدمی ہیں دین محمد۔ بندوق تاننے کی ضرورت نہیں۔" جیجا شلی نے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چند سیکنڈ بعد ہی وہ آدمی درخت کی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔ جیجا شلی کو پہچان کر اس نے بندوق نیچے کرلی تھی۔

"کیا بات ہے جیجے ؟ رات کو اس وقت ..... یہ کون لوگ ہیں۔" دین محمد کہتے ہوئے باری باری ان کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ تیس بتیس سال کا کڑیل جوان تھا۔ چہرے پر بھاری مونچھیں اسے بڑی بھلی لگ رہی تھیں۔

"اپنے بیلی ہیں۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "میں انہیں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ سیال صاحب سے ایک بہت ضروری کام ہے۔"

"اس وقت تو سیال صاحب سو گئے ہوں گے ..... معاملہ کیا ہے ؟" اس نے ایک بار پھر ملک حفیظ اور شارق کی طرف دیکھا۔ ان دونوں کی قمیض بھی خون آلود ہو رہی تھیں "کوئی قتل وتل کا معاملہ تو نہیں ہے ؟"

"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "لیکن میرا اس وقت اکرم

یال سے ملنا بہت ضروری ہے۔" وہ دین محمد کو ایک طرف لے گیا اور مدھم لہجے میں اس سے ئیں کرنے لگا۔

"پولیس کا چکر تو نہیں ؟" دین محمد نے پوچھا۔

"نہیں' کوئی چکر نہیں ہے۔" جیجا نے جواب دیا۔

"تو پھر ایسا کرو کہ تم انہیں لے کر ڈیرے پر چلے جاؤ۔ وہاں فتح محمد ہوگا۔ وہ تو تمہیں اچھی طرح جانتا ہے۔ رات ڈیرے پر آرام کرو۔ صبح گاؤں جاکر سیال صاحب سے مل لینا۔"

"اگر فتح محمد نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا تو ؟" جیجا شلی بولا۔

"چلو .... میں ڈیرے تک تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" دین محمد نے کہا اور ان کے ساتھ ل پڑا۔

وہ ایک بار پھر کھیتوں میں پگڈنڈیوں پر چلنے لگے۔ ڈیرا وہاں سے تقریباً" ایک فرلانگ کے صلے پر تھا۔ دو کچے مکان تھے۔ ایک مکان کے ساتھ بہت بڑا احاطہ بھی تھا۔ جبکہ دوسرا مکان رف دو کمروں پر مشتمل تھا۔

احاطے والے مکان کے سامنے پہنچ کر وہ رک گئے۔ دین محمد چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر خ محمد کو آوازیں دینے لگا۔ تقریباً" دو منٹ بعد ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور دین محمد ہی کی طرح کا یک ہٹا کٹا آدمی باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی لیکن چہرے کو دیکھ کر صاف لگ رہا تھا کہ ہ سوتے میں سے اٹھ کر آیا ہے۔

"کیا بات ہے دین محمد۔ یہ لوگ کون ہیں ؟" فتح محمد نے پوچھا۔ اس کا لہجہ بھی خواب آلود تھا۔

"یہ جیجا شلی ہے اور اس کے ساتھ سیال صاحب کے مہمان ہیں۔ انہیں اندر لے جاؤ۔ یہ لوگ رات کو یہیں رہیں گے۔" دین محمد نے کہا۔

"سیال صاحب کے مہمان۔ رات کو یہاں رہیں گے۔ میں سمجھا نہیں۔" فتح محمد بولا۔

"میں صبح تمہیں سمجھا دوں گا۔ ابھی کمرے تو کھول دے۔" دین محمد نے کہا۔

فتح محمد چند لمحے الجھی ہوئی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے دوسرے کمرے کا دروازہ کھول دیا اور انہیں اشارہ کرتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔ وہ لوگ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں آگئے اور دوسرے دروازے سے گزرتے ہوئے دوسری طرف نکل گئے۔

اس طرف بہت وسیع و عریض صحن تھا۔ صحن کے دوسری طرف ایک بہت بڑا شیڈ تھا جس میں بھینسیں وغیرہ بندھی ہوئی تھی۔ اس شیڈ کے ساتھ ایک کمرہ تھا جس میں غالباً" مویشیوں کا چارہ

وغیرہ رکھا جاتا تھا۔

جس کمرے سے وہ باہر نکلے تھے اس کے ساتھ دو کمرے اور تھے' ان کے سامنے ایک چھ سا برآمدہ بھی تھا۔ دین محمد نے آگے بڑھ کر برآمدے کی بتی جلا دی اور دونوں کمروں کے دروازے کھول دیئے۔

یہ مکان باہر سے بظاہر کچا ہی لگتا تھا لیکن اندر سے بہت شاندار تھا۔ دونوں کمروں میں بڑے بچھے ہوئے تھے اور آرام دہ کرسیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ ایک کمرے میں صوفہ سیٹ بھی تھا۔

وہ لوگ کمروں میں سے ہو کر دوبارہ برآمدے میں آگئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ برآمدے کے سامنے ایک مختصر سا لان بھی بنا ہوا تھا۔ گھاس کے قطعے کے اردگرد پھولوں کی کیاریاں بنی ہوئی تھیں اور لان کے عین وسط میں ایک چھوٹا سا حوض بنا ہوا تھا جس میں فوارہ لگا ہوا تھا۔

"یہ فوارہ چلتا ہے کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں جی۔" فتح محمد نے جواب دیا۔ "شہر سے قریب ہونے کی وجہ سے یہاں بہت سی سہولتیں ہیں۔ ڈیرے پر اور گاؤں میں بجلی بھی ہے۔ پر ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی جی۔ آپ سیال صاحب کے مہمان ہیں۔ گاؤں والے مکان میں کیوں نہیں ٹھہرے جی۔"

"صبح یہ بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی۔" شارق کے بجائے جیجا شلی نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے جی۔ فتح محمد نے کہا۔ "آپ لوگ آرام کریں جی۔ میں اپنے باہر والے کمرے میں جا رہا ہوں۔"

فتح محمد باہر چلا گیا۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ اکرم سیال کے وہ مہمان زخمی کیوں ہیں۔ اسے شاید ایسی باتوں سے کوئی غرض نہیں تھی۔

شاہ پری اور ثمینہ ایک کمرے میں آگئیں۔ ان کے کپڑے کیچڑ سے لت پت تھے اور پانی میں تر ہو رہے تھے۔ شارق وغیرہ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ ملک حفیظ کو بھی وہ اسی کمرے میں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

تقریباً" ایک گھنٹے بعد ثمینہ نے کمرے کا دروازہ بند کر کے اپنے کپڑے اتار دیئے اور بستر کی چادر اتار کر جسم پر لپیٹ لی۔ بستر پر ایک اور چادر بھی تھی۔ شاہ پری نے بھی اپنے کپڑے اتار کر وہ چادر لپیٹ لی اور دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر آگئیں۔ ثمینہ نے برآمدے کا بلب بجھا دیا۔ لان میں فوارے کے قریب پہنچ کر وہ رک گئیں۔ ان دونوں نے حوض کے پانی سے کپڑے دھو کر گھاس پر پھیلا دیئے اور ادھر ادھر دیکھتی ہوئی چادریں اتار کر حوض میں اتر گئیں۔

تقریباً" پندرہ منٹ بعد وہ حوض میں سے نکلیں اور چادریں لپیٹ کر کمرے میں آگئیں۔

ثمینہ نے دروازہ اندر سے بند کرلیا اور دونوں پلنگ پر لیٹ گئیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ دونوں نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھیں۔

اکرم سیال کو صبح سویرے ہی اطلاع ہوگئی تھی۔ وہ سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے ڈیرا پر پہنچ گیا۔ شارق اور اس کے تمام ساتھی اس وقت گہری نیند سو رہے تھے۔ اکرم سیال' فتح محمد کے ساتھ ڈیرے کے صحن میں داخل ہوا تو فوارے کے قریب گھاس پر زنانہ کپڑے پھیلے ہوئے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔

"یہ کس کے کپڑے ہیں فتح محمد؟" اس نے پوچھا۔

"جیجا شلی کے ساتھ مہمانوں میں دو خوبصورت لڑکیاں بھی ہیں سیال جی!" فتح محمد نے رازدارانہ لہجے میں جواب دیا۔ "رات کو جب وہ لوگ یہاں آئے تھے تو ان لڑکیوں کے کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے۔ میرا خیال ہے اسی طرف آتے ہوئے کسی کھیت میں گر گئی ہوں گی۔ لیکن ..... رات کو کس طرح انہوں نے یہ کپڑے دھو کر یہاں ڈال دیئے ہیں تو ...."

آگے بول ... رک کیوں جاتا ہے۔" اکرم سیال نے اسے گھورا۔

"تو انہوں نے پہنا کیا ہوگا۔ ان کے پاس تو کوئی سامان بھی نہیں تھا۔" فتح محمد نے کہا۔

"اچھا۔" اکرم سیال نے ہنکارہ بھرا۔ "جیجا شلی کو بلاؤ۔ وہ انہی کمروں میں سے کسی میں سو رہے ہوں گے۔"

فتح محمد برآمدے میں پہلے کمرے کے دروازے کے سامنے رک گیا اور دستک دینے لگا۔ تیسری مرتبہ دستک دینے کے بعد اندر سے ثمینہ کی خمار آلود سی آواز سنائی دی۔

"کون ہے۔ کیا بات ہے؟"

"دروازہ کھولو جیجا۔ سیال صاحب آئے ہیں۔" فتح محمد نے کہا۔ "اس نے نسوانی آواز پہچان تو لی تھی لیکن اس نے جان بوجھ کر جیجا کا نام لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ سب لوگ ایک ہی کمرے میں ہوں گے۔

"جیجا ساتھ والے کمرے میں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

فتح محمد دوسرے کمرے کے سامنے آگیا اور دروازے پر دستک دینے لگا۔ دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ جیجا شلی آنکھیں ملتا ہوا باہر آگیا اور پھر اکرم سیال کو دیکھ کر اس کی طرف لپکا۔ اکرم سیال بڑی گرمجوشی سے اس سے ملا تھا۔ جیجا شلی کے پیچھے شارق اور نوکھا بھی کمرے سے نکل آئے تھے۔ شارق کی ناک اور ہونٹ سوجے ہوئے تھے۔

"جیجا شلی نے ان دونوں کا تعارف کرایا تو سیال نے ان سے بھی بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا

تھا۔ جیجا شلی' ملک اکرم سیال کو فوارے کے قریب لے گیا اور وہاں کھڑے ہو کر مدھم لہجے میں باتیں کرنے لگا۔ وہ تقریباً" آدھے گھنٹے تک وہاں کھڑے رہے پھر برآمدے میں واپس آگئے۔

"شارق باؤ۔" سیال اس سے ایک بار پھر گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔" تم کسی قسم کا فکر مت کرو۔ یہ میرا ڈیرا ہے۔ پولیس بھی میری اجازت کے بغیر میری زمینوں کی حدود میں قدم نہیں رکھ سکتی۔ تم جب تک چاہو یہاں رہو۔ آزادی سے گھومو پھرو۔ کوئی تمہاری طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ تم جیجا شلی کے دوست ہو۔ اس ناطے میرے بھی دوست ہو۔ جیجا شلی کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ تم لوگوں کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"شکریہ سیال صاحب۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ہمیں زیادہ دن تو یہاں نہیں رہنا۔ لیکن آپ کی باتوں سے ہمیں تسلی ہوئی ہے۔ مگر ہمارے ساتھ ایک اور مسئلہ بھی ہے۔"

"وہ کیا؟" سیال نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس کا ایک سب انسپکٹر ہماری قید میں ہے۔" شارق نے کہا۔ کل شام کو ہم یہاں پہنچے تو اتفاق سے اس سے ہمارا سامنا ہوگیا تھا۔ اس نے پستول کی زد میں ہمیں حراست میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن خود ہماری حراست میں آگیا۔ ہم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔ لیکن اسے چھوڑنا ہمارے لئے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔"

"کون ہے' کہاں ہے وہ؟" سیال نے پوچھا۔

"ملک حفیظ نام ہے اس کا' اور اس وقت وہ کمرے میں بندھا پڑا ہے۔" شارق نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"ملک حفیظ۔" سیال چونک سا گیا۔ "وہ تو بہت گھاگ آدمی ہے۔ پہلے وہ فیصل آباد میں تھا۔ اسے یہاں آئے ہوئے چند ہفتوں سے زیادہ نہیں ہوئے لیکن اس نے یہاں کھلبلی سی مچا دی ہے۔ اس نے میرے ایک بندے کو بھی شہر میں پکڑ کر بند کردیا تھا۔ ملک حفیظ سے میرا صرف ایک مرتبہ سامنا ہوا تھا۔ میں نے اپنے بندے کو تو اسی روز چھڑا لیا تھا لیکن ملک حفیظ نے مجھے دھمکی دی تھی۔ کہ میرا بندہ زیادہ دنوں تک باہر نہیں رہ سکے گا اور اتفاق سے آج ملک حفیظ میری ہی زمین پر قیدی کی حیثیت سے موجود ہے۔"

"سیال صاحب۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ واقعی اتفاق ہے کہ وہ اس وقت آپ کی زمین پر موجود ہے۔ لیکن میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔"

"میری بات کا غلط مطلب نہ لو شارق باؤ۔" اکرم سیال نے کہا۔ "جب تک وہ یہاں ہے

اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ تم مطمئن رہو۔ اس کا بھی پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

"شکریہ سیال صاحب۔" شارق نے کہا۔

"وہ ہے کہاں..... میں ذرا اس کی شکل تو دیکھوں۔" سیال نے کہا۔

"وہ اس کمرے میں ہے۔" شارق نے جواب دیا اور وہ لوگ کمرے میں آگئے۔

ملک حفیظ صوفے پر بندھا پڑا تھا۔ وہ بھی ان کی آوازیں سن کر جاگ گیا تھا۔ اکرم سیال کو دیکھ کر اس کا چہرہ دھواں ہوگیا۔

"کیوں بھئی ملک۔" سیال اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسے کہتے ہیں نا مکافاتِ عمل۔ تم نے میرے بندے کو بند کردیا تھا اور اب خود یہاں بند ہو۔ لیکن پریشان مت ہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کروں گا' اور یہاں میری طرف سے تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔ تمہارا پورا پورا خیال رکھا جائے گا۔"

"میں ایک بار پھر کہہ رہا ہوں کہ مجھے چھوڑ دو۔" ملک حفیظ نے کہا۔ "یہ بات ذہن میں رکھو کہ تم لوگ بچ نہیں سکو گے۔ آج نہیں تو کل قانون کی گرفت میں ضرور آؤ گے۔"

"نہیں چھوڑنا یا نہ چھوڑنا میرے اختیار میں نہیں ہے۔" سیال نے جواب دیا۔ "تم میرے نہیں ان کے مہمان ہو۔ تمہارے بارے میں جو بھی فیصلہ ہوگا وہ یہ لوگ کریں گے۔ البتہ میں ان لوگوں سے اتنی سفارش ضرور کرسکتا ہوں کہ تمہیں اس طرح باندھ کر نہ رکھا جائے۔ اس احاطے کے باہر ایک اور کمرہ ہے۔ تمہارے ہاتھ پیر کھول کر تمہیں اس کمرے میں بند رکھا جاسکتا ہے۔ کمرے کے اندر تم آزادی سے اٹھ بیٹھ سکو گے۔ وہاں بستر بھی موجود ہے۔ آرام سے سوتے رہنا۔" ملک حفیظ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ شارق وغیرہ کے ساتھ کمرے سے باہر آگیا اور فتح محمد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"فتح محمد! چائے تو بنا اور پھر پنڈ جاکر گھر سے ناشتا بنوا لا اور دیکھ۔ پنڈ میں کسی کو پتا نہیں چلنا چاہئے کہ ڈیرے میں کون مہمان آئے ہوئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے جی۔" فتح محمد کہتے ہوئے باہر کے دروازے کی طرف چلا گیا۔

"آؤ جی۔ بیٹھک میں چل کر بیٹھتے ہیں۔" اکرم سیال نے کہا۔ "وہاں باتیں ہوں گی۔"

وہ تیسرے کمرے میں آگئے۔ یہ کمرہ انہوں نے رات کو نہیں دیکھا تھا۔ سیال نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔ شارق اس کمرے کو دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہیں رہا تھا۔ پختہ فرش پر قالین بچھا ہوا تھا۔ اور بہت ہی قیمتی اور شاندار صوفے آراستہ تھے۔ چھت پر تین بہت ہی خوبصورت فانوس لٹکے ہوئے تھے۔ ایک بڑا اور دو چھوٹے۔ بڑا فانوس

درمیان میں تھا اور چھوٹے دائیں بائیں۔ دیواروں پر' خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں۔ چند آرائش کی چیزیں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ اس کمرے کو دیکھ کر اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ کھیتوں میں ہیں۔

"سیال صاحب۔" شارق ادھر ادھر دیکھتے ہو۔ بولا۔ "یہ جگہ ہے تو گاؤں میں لیکن یہ ڈیرا تو آپ نے شہر بنا رکھا ہے۔"

"او جی۔ شہروں کے مہمان سیرو تفریح کے لئے آتے رہتے ہیں۔ ان کے آرام اور پسند کا بھی تو خیال رکھنا پڑتا ہے ناجی۔" سیال نے جواب دیا۔

وہ لوگ صوفوں پر بیٹھ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد شارق اٹھ گیا۔

"میں تھوڑی دیر کے لئے آپ سے معذرت چاہوں گا سیال صاحب۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمارے ساتھ دراصل دو خواتین بھی ہیں۔ میں ذرا یہ دیکھ آؤں کہ وہ بھی جاگ گئی ہیں یا نہیں۔"

"ضرور دیکھ آؤ۔" سیال نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

شارق بیٹھک سے نکل کر ثمینہ والے کمرے کے سامنے آگیا اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

"کون ہے؟" اندر سے ثمینہ نے پوچھا۔

"میں ہوں ثمینہ۔ دروازہ کھولو۔" شارق نے کہا۔

اندر سے کنڈا گرانے کی آواز سنائی دی اور پھر دروازہ تھوڑا سا کھلا۔ شارق نے ہاتھ کے دباؤ سے دروازہ پوری طرح کھولنا چاہا مگر ثمینہ نے اسے روک دیا۔ تب شارق چونک گیا۔ ثمینہ اپنے لباس میں نہیں تھی۔ وہ بستر کی چادر لپیٹے کھڑی تھی۔

"ہمارے کپڑے باہر گھاس پر پڑے ہیں۔ وہ اٹھا کر دے دو۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق نے مڑ کر لان کی طرف دیکھا اور اس نے پہلی مرتبہ گھاس پر پھیلے ہوئے کپڑے دیکھے۔ حالانکہ وہ اکرم سیال اور جیجا کے ساتھ کتنی دیر تک برآمدے میں کھڑا باتیں کرتا رہا تھا مگر لان کی طرف اس نے توجہ نہیں دی تھی۔

"رات کو ہم دونوں نے کپڑے دھو کر وہاں ڈال دیئے تھے۔ اس وقت ہم دونوں بستر کی چادریں اوڑھے ہوئے ہیں۔ میرا خیال ہے کپڑے سوکھ گئے ہوں گے وہ ہمیں دے دو۔ نہ بھی سوکھے ہوں گے تو ہم گیلے ہی پہن لیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق لان میں جاکر کپڑے اٹھایا لایا جو ابھی پوری طرح نہیں سوکھے تھے۔ اس نے ہاتھ ما کر کپڑے ثمینہ کو تھما دیئے۔ ثمینہ نے دھڑ سے دروازہ بند کرلیا اور شارق برآمدے میں کھڑا ری کی طرف دیکھنے لگا۔

مشرقی افق پر سفیدی پھیل رہی تھی۔ صبح کے ہلکے اجالے میں ہوا کے جھونکوں سے لہلہاتی ئی فصلیں بڑا سحر آگیں منظر پیش کر رہی تھیں۔ ایسا حسین اور دلفریب منظر شارق نے بہت صہ بعد دیکھا تھا۔ وہ اس قدر محو تھا کہ اسے یہ بھی پتا نہیں چلا کہ کب کمرے کا دروازہ کھلا اور ب شاہ پری اس کے قریب آکر کھڑی ہوگئی تھی۔ چونکا تو وہ اس وقت جب شاہ پری کی آواز اس سماعت سے ٹکرائی۔

"کتنا خوبصورت ہے تمہارا ملک۔"

"ہاں۔" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "ہمارا ملک واقعی بہت خوبصورت ہے۔ لن ہم ہی بدقسمت ہیں کہ ہم اپنے ہاتھوں سے اس کا حسن بگاڑ رہے ہیں۔ مجھے افسوس سے کہنا تا ہے کہ ہم اپنے وطن کی وہ خدمت نہیں کر رہے جو کرنی چاہئے۔ اس کے برعکس ہم تو اسے نوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔"

"یہ بھی اچھی بات ہے کہ تمہیں احساس ہوگیا ہے۔" شاہ پری نے کہا۔

مجھے تو احساس ہوگیا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ بعض لوگ مجھے اس دلدل سے نکلنے نہیں یں گے۔ دراصل ہمارے اس ملک کا نظام بالکل مختلف ہے۔ دولت کی ہوس نے ہر شخص کو اندھا کر رکھا ہے۔ وہ سرکاری آفیسر یا تاجر' قانون شکن ہو یا قانون کا محافظ' وہ صرف اور صرف دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسے صرف اپنا ذاتی مفاد عزیز ہے۔ دولت کے حصول کے لئے ہر ناجائز ہتھکنڈہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیجا شکی کی داستان تم سن چکی ہو۔ یہ شریف باپ کا بیٹا تھا اور شرافت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن اسے غلط راستے پر چلنے پر مجبور کیا گیا۔ اس نے اپنے تحفظ کے لئے قانون کی مدد حاصل کرنا چاہی' مگر قانون کے محافظوں نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اس دلدل میں دھنس گیا اور جب اس نے اس دلدل سے نکلنا چاہا تو اس کے راستے میں ایک بار پھر رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ اس کا حشر تم دیکھ رہی ہو۔ اس نے بڑی شاندار زندگی گزاری ہے لیکن آج وہ نان شبینہ تک کا محتاج ہے لیکن آفریں ہے جیجا شکی پر۔ اس نے ظلم اور زیادتی برداشت کرلی لیکن اپنا ارادہ نہیں بدلا۔ اس کا بیٹا قتل کے الزام میں جیل میں ہے' اور وہ اس کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ اس کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں کہ بیٹے کا مقدمہ لڑنے کے لئے کسی وکیل کی خدمات حاصل کرسکے۔ ہوسکتا ہے بیٹے کو بچانے کے لئے وہ ایک بار پھر غلط

راستے پر چل نکلے۔ لیکن میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ اسے دوبارہ اس دلدل میں نہیں دھنسنے دو گا۔"

"یہ سب کچھ صرف تمہارے ملک ہی میں نہیں ہوتا۔" شاہ پری نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "ہر جگہ یہی ہو رہا ہے۔ ہوس زر نے ہر شخص کو اندھا کر رکھا ہے۔"

"چائے بن گئی ہے شارق باؤ۔" اپنے عقب میں جیجا شلی کی آواز سن کر شارق چونک گیا اس نے پلٹ کر دیکھا۔ جیجا شلی اس سے چند گز پر کھڑا تھا اور کافی دیر سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ "تم لوگ بھی بیٹھک ہی میں آجاؤ۔"

"اچھا چلو۔ ہم آرہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

اسی وقت ثمینہ بھی اپنے کمرے سے نکل آئی۔ شاہ پری اس وقت کھیتوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ایک یکہ اس طرف آرہا تھا۔ یکے پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ چند سیکنڈ بعد ہی یکہ احاطے کے باہر آکر رک گیا۔ یکے پر دودھ کے بڑے بڑے خالی برتن بھی لدے ہوئے تھے۔ دونوں آدمی برتن اٹھا کر احاطے کا پرلی طرف کا پھاٹک کھول کر اندر آگئے۔

"یہ کون لوگ ہیں؟" ثمینہ بولی۔

"اکرم سیال کے بندے ہیں۔ بھینسوں کا دودھ دوہنے آئے ہیں۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔

ان دونوں آدمیوں کو دیکھ کر شیڈ کے نیچے بندھی ہوئی بھینسیں بھی ڈکرانے لگی تھیں۔ دونوں آدمی آتے ہی اپنے کام میں مصروف ہوگئے۔ ایک آدمی شیڈ سے گوبر وغیرہ صاف کرنے لگا اور دوسرا مویشیوں کے لئے چارہ تیار کرنے لگا۔

شارق اور ثمینہ وغیرہ نے فوارے والے حوض سے منہ ہاتھ دھویا اور وہ لوگ جیجا شلی کے ساتھ بیٹھک میں آگئے۔

اکرم سیال گہری نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی زیادہ توجہ شاہ پری پر مرکوز تھی۔ اسے ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ شاہ پری کون ہے۔ لیکن اس کی سرخ سفید رنگت اور باتوں سے وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ اس علاقے کی رہنے والی نہیں ہے۔ شاہ پری اردو زبان میں اٹک اٹک کر بات کر رہی تھی۔ شاہ پری نے بھی محسوس کرلیا تھا کہ اکرم سیال اس میں زیادہ دلچسپی لے رہا ہے وہ اپنے آپ کو سمیٹے ہوئے بیٹھی رہی۔

"اوے فتح محمد۔" اکرم سیال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ملک حفیظ کو بھی چائے پلا دو اور میرا خیال ہے اس کے ہاتھ پیر کھول کر اسے باہر والے کمرے میں بند کردو۔ ہاتھ پیر بندھے رہنے سے تو وہ مفلوج ہو جائے گا۔"

"اچھا جی۔" فتح محمد کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ لوگ چائے پیتے ہوئے باتیں کرتے رہے۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد دو آدمی گاؤں میں اکرم سیال کے گھر سے ناشتا بھی لے کر آگئے۔ پراٹھے، انڈے اور ساتھ میں سالن بھی تھا۔ انہوں نے بیٹھک ہی میں بیٹھ کر ناشتا کیا۔ ملک حفیظ کو بھی اس کمرے میں ناشتا دے دیا گیا تھا۔

ناشتے کے بعد وہ لوگ لان میں آگئے۔ سورج نکل چکا تھا اور چاروں طرف روپہلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

"تم لوگ چاہو تو اس احاطے سے باہر نکل کر آس پاس کھیتوں میں گھوم پھر سکتے ہو۔ لیکن زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنے ایک آدمی کو شہر بھیج کر وہاں کی صورت حال معلوم کرتا ہوں۔" اکرم سیال نے کہا۔

تقریباً" اسی وقت شاہ پری نے ثمینہ کے کان میں کوئی سرگوشی کی۔ ثمینہ نے معنی خیز نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا اور وہ دونوں اٹھ کر احاطے کے پھاٹک سے باہر نکل گئیں۔ صبح کی روپہلی دھوپ میں لہلہاتے کھیتوں کو دیکھ کر شاہ پری پر عجیب سی کیفیت طاری ہوگئی تھی۔ اس نے افغانستان کے ایک بنجر اور ویران علاقے میں آنکھ کھولی تھی وہ وہیں پلی بڑھی تھی۔ افغانستان میں ایسے سبزے کا تو وہ تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ یہاں جوان اور لہلہاتی ہوئی فصلیں آنکھوں کو بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ کھیتوں میں کہیں کہیں مزارعے بھی کام کرتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ وہ دونوں کچھ دیر تک ایک جگہ پر کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہیں پھر کھیتوں میں دور تک چلی گئیں اور نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں۔

اکرم سیال نے اپنے آدمی کو شہر بھیج دیا تھا اور وہ خود شارق وغیرہ کو وہیں چھوڑ کر کھیتوں کی طرف چلا گیا تھا۔ شارق وغیرہ لان میں گھاس پر بیٹھے رہے اور جب وہاں دھوپ پھیل گئی تو کمرے میں آگئے۔

"اب پروگرام کیا ہے شارق باؤ؟" نولکھا نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمیں دو تین دن یہاں رہنا ہوگا۔" شارق نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ آج جیجا شلی کو فیصل آباد بھیج دیا جائے۔ تاکہ وہاں کے حالات کا اندازہ ہوسکے۔"

"میں چلا جاتا ہوں جی۔" جیجا شلی نے آمادگی ظاہر کردی۔

"صادق کو جانتے ہو نا۔ سینما کے قریب نہر کے پل پر اس نے اپنا اڈا بنا رکھا ہے۔" شارق نے پوچھا۔

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں جی۔" جیجا شکی نے جواب دیا۔

"تم سیدھے اسی کے پاس جاؤ گے۔" شارق بولا۔

"میرے نام کے حوالے سے اس سے بات کرنا۔ اس سے تمہیں صحیح معلومات حاصل ہو سکیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی روانہ ہو جاتا ہوں۔ جیجا فوراً" ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ابھی نہیں۔" شارق نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "اکرم سیال نے اپنا آدمی شہر بھیجا ہوا ہے۔ اسے واپس آلینے دو۔ تاکہ ہمیں یہاں کے حالات کا پتا چل جائے۔"

جیجا شکی دوبارہ بیٹھ گیا۔

اکرم سیال کا آدمی دوپہر دو بجے کے لگ بھگ واپس آیا تھا۔ اس کی اطلاع کے مطابق ملک حفیظ کی گمشدگی پر شہر میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ پولیس اسے بڑی شد ومد سے تلاش کر رہی ہے۔ شہر کے بہت سارے بدمعاشوں اور غنڈوں کو پوچھ گچھ کے لئے تھانوں میں بند کیا ہوا ہے۔ سب انسپکٹر ملک حفیظ کو جھنگ آئے ہوئے چند ہفتوں سے زیادہ نہیں ہوئے تھے اور یہاں آتے ہی اس نے غنڈوں اور بدمعاشوں کے خلاف ایک زبردست مہم شروع کر دی تھی۔ شہر کے جرائم پیشہ طبقہ اس سے ناراض تھا اور پولیس کا خیال تھا کہ سب انسپکٹر ملک حفیظ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ لگ گیا ہے اور اسے قتل کر کے لاش بھی کہیں غائب کر دی ہے۔ ایک اطلاع بہرحال اطمینان بخش تھی کہ پولیس نے پوچھ گچھ کے لئے شہر بھر کے غنڈوں کو دھر لیا تھا لیکن جیجا شکی کی طرف کسی نے شاید اس لئے دھیان نہیں دیا تھا کہ وہ عرصہ پہلے تائب ہو چکا تھا اور ملک حفیظ سے اس کا کبھی کوئی جھگڑا بھی نہیں چلا تھا۔

دوپہر کا کھانا بھی اکرم سیال کے گھر ہی سے آیا تھا۔ سیال بھی اس وقت تک یہیں موجود تھا اور اس نے کھانا انہی لوگوں کے ساتھ کھایا تھا۔

سہ پہر چار بجے کے لگ بھگ جیجا شکی فیصل آباد چلا گیا۔ اس نے کہہ دیا تھا کہ وہ رات کو واپس نہیں آئے گا۔ کیونکہ شہر میں اس کے کچھ رشتہ دار بھی رہتے ہیں وہ رات اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں رہے گا اور کل کسی وقت واپس آئے گا۔

کھیتوں میں شام سے پہلے کا منظر صبح سے زیادہ دلچسپ تھا۔ مزارع اپنا کام چھوڑ کر ڈھور ڈنگروں کو لے کر واپس جا رہے تھے۔ مویشیوں کے گلوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں بڑا دلچسپ تاثر دے رہے تھیں۔

اکرم سیال کے دو مزارعے مویشی لے کر احاطے میں آئے تو ثمینہ اور شاہ پری بھی ان کے

قریب چلی گئیں۔ مویشیوں کو شیڈ میں باندھنے کے بعد وہ دونوں آدمی ان کے لئے چارہ تیار کرنے لگے۔ آدھے گھنٹے بعد انہیں چارہ ڈال کر جب وہ بھینسوں کا دودھ دوہنے لگے تو ثمینہ اور شاہ پری بھی ان کے قریب آگئیں۔

"میں دودھ نکالوں۔" شاہ پری نے ایک مزارع کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"پہلے کبھی بھینس کا دودھ دوہا ہے بی بی؟" مزارع نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"بکری کا۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"مزارع اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور شاہ پری اس کی جگہ پر بیٹھ گئی اور دودھ دوہنے لگی۔ مویشی عام طور پر اپنے مالک کا ہاتھ پہچانتے ہیں۔ اجنبی ہاتھ سے وہ بری طرح بدک اٹھتے ہیں لیکن ہاتھ بدلنے پر اس بھینس نے کسی معمولی سے ردعمل کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ شاہ پری بالٹی نیچے رکھے دودھ دوہتی رہی۔ مزارع کچھ دیر قریب کھڑا دیکھتا رہا پھر مطمئن انداز میں سرہلایا اور دوسری بالٹی لے کر دوسری بھینس کی طرف چلا گیا۔

شاہ پری آخری دھار نکالنے کے بعد اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو شارق، نولکھا اور اکرم سیال قریب کھڑے دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ شاہ پری نے بالٹی مزارعے کے حوالے کر دی۔ اس کے اندازے کے مطابق اس بھینس نے تقریباً" چودہ کلو دودھ دیا تھا۔

"سیال صاحب۔" شارق، اکرم سیال کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم چاہو تو اپنے ایک آدمی کو کم از کم دو تین دن کے لئے چھٹی دے سکتے ہو۔ یہ کام شاہ پری کر لے گی۔"

شارق کی اس بات پر شاہ پری نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا تھا۔ اس کے تقریباً" ایک گھنٹے بعد وہ لوگ لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"سیال صاحب۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ نے بتایا تھا کہ ملک حفیظ نے آپ کے بندے کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دیا تھا۔ کیا جرم کیا تھا اس نے؟"

"جرم تو کوئی نہیں تھا۔ لیکن ملک حفیظ کو اپنی کارکردگی دکھانے کا شوق تھا۔" سیال نے جواب دیا۔ "میرے مزارع گامے کا ایک دکاندار سے پیسوں کے لین دین پر جھگڑا ہو گیا تھا۔ گامے نے اسے دو ہاتھ لگا دیئے تھے۔ اس وقت ملک حفیظ اس طرف سے گزر رہا تھا۔ اس نے گامے کو پکڑ کر بند کر دیا تھا۔ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"میں اس لئے پوچھ رہا تھا کہ ملک حفیظ سے آپ کا تنازعہ ایسا تو نہیں تھا کہ اس کی گمشدگی

پر آپ پر بھی شبہ کیا جائے ؟" شارق بولا۔

"نہیں۔" سیال نے نفی میں سرہلایا۔ "وہ معاملہ تو اسی وقت ختم ہوگیا تھا۔ پولیس کے بڑے افسروں سے میرے بھی کچھ تعلقات ہیں۔ ان کی مداخلت سے بات ختم ہوگئی تھی اور اس کے بعد تو میرا ملک حفیظ سے کبھی سامنا بھی نہیں ہوا تھا۔ تم مطمئن رہو۔ اس کے بارے میں پوچھنے کے لئے ادھر کوئی نہیں آئے گا۔"

"میں یہی اطمینان چاہتا تھا۔" شارق نے سرہلایا۔

"یہاں اگرچہ تم لوگوں کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ لیکن میں تمہیں یہ مشورہ دوں گا کہ ان دونوں لڑکیوں کو گاؤں بھیج دو۔ یہ میری حویلی میں رہیں گی۔ نہا دھو کر کپڑے بدل لیں گی اور وہاں انہیں کچھ دوسری سہولتیں بھی مل جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر یہ جانا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" شارق بولا۔

ثمینہ اور شاہ پری کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا اور پھر شام کا اندھیرا پھیلنے سے تھوڑی دیر پہلے وہ دونوں اکرم سیال کے ساتھ گاؤں چلی گئیں۔

صبح کا ناشتا اور دوپہر کا کھانا ان کے لئے گاؤں سے آیا تھا۔ لیکن رات کے کھانے کا بندوبست ڈیرے پر ہی کیا گیا تھا۔ فتح محمد بڑا اچھا باورچی ثابت ہوا تھا۔ اس نے سالن بہت لذیذ بنایا تھا اور روٹیاں بھی اس نے پکائی تھیں۔

ملک حفیظ ڈیرے کے باہر والے کمرے میں بند تھا۔ شارق نے اپنی موجودگی میں پہلے اسے کھانا کھلایا اور پھر خود نوکھا کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد وہ برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے دیر تک باتیں کرتے رہے پھر کمرے میں آگئے۔

بستر پر لیٹ کر بھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے تھے اور پھر ان پر غنودگی طاری ہونے لگی اور وہ نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

شارق کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر تک سویا تھا لیکن دفعتاً اس کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں لگا تھا جیسے گولی چلنے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی ہو۔ وہ کمرے میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ باہر بھی خاموشی تھی اور کسی قسم کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ دوبارہ لیٹنا ہی چاہتا تھا کہ گولی چلنے کی آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ وہ اچھل کر پلنگ سے اتر آیا۔ فائر کی آواز کھیتوں کی طرف سے سنائی دی تھی۔ وہ پلنگ سے اتر کر دروازے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ نوکھا بھی جاگ گیا۔

وہ دونوں کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئے اور ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ احاطے کی دیوار

کے باہر کسی کے دوڑنے کی آواز سن کر شارق پھاٹک کی طرف لپکا۔

وہ فتح محمد تھا جو دوڑتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔

"کیا ہوا فتح محمد۔ یہ گولیوں کی آواز کیسی تھی ؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ ... وہ بھاگ رہا تھا۔ میں نے اسے گولی مار دی۔" فتح محمد نے جواب دیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

"کون .... کسے گولی مار دی۔" شارق چونک گیا۔

"ملک حفیظ۔" فتح محمد نے بتایا۔ "وہ کمرے کی کھڑکی کی سلاخیں اکھاڑ کر بھاگ رہا تھا۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ نہیں رکا اور میں نے اسے گولی مار دی۔ اس کی لاش وہاں پڑی ہے۔"

شارق اور نوکھا اس کے ساتھ دوڑتے ہوئے کھیت کے قریب آگئے۔ منڈیر کے ساتھ ہی کھیت میں ملک حفیظ کی لاش پڑی تھی۔

○

اکرم سیال بھی گاؤں سے ڈیرے پر پہنچ گیا تھا۔

شارق کا خیال تھا کہ ملک حفیظ کو اکرم سیال کے اشارے پر گولی مار کر ہلاک کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں ملک حفیظ کے لئے کھڑکی کی آہنی سلاخیں توڑ کر فرار ہونا آسان نہیں تھا لیکن جب اس نے کھڑکی کا جائزہ لیا تو اسے اپنی رائے تبدیل کرنی پڑی۔

کھڑکی کی نچلی چوکھٹ سے اینٹیں کھود کر سلاخیں نکال دی گئی تھیں اور وہ چھپہ بھی کھڑکی کے قریب زمین پر پڑا ہوا تھا جس سے اینٹیں کھودی تھیں۔ اور ملک حفیظ کے لئے کھیر کی پلیٹ کے ساتھ یہ چھپہ بھی اس کمرے میں آیا تھا جسے ملک حفیظ نے چھپا لیا تھا۔

کمرے کی تعمیر میں اینٹوں کی چنائی گارے سے ہوئی تھی۔ اس پر سیمنٹ سے ہلکی سی لیپ کی گئی تھی۔ چھپے کی ڈنڈی سے اینٹیں اکھاڑ لینا ملک حفیظ کے لئے زیادہ مشکل ثابت نہیں ہوا ہوگا۔

فتح محمد نے بتایا تھا کہ اس نے ملک حفیظ کو کھڑکی سے کود کر بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔ پہلے تو اس نے للکار کر اسے روکنے کی کوشش کی مگر ملک حفیظ نہیں رکا تو اس نے گولی چلا دی۔ پہلی گولی خطا گئی۔ ملک حفیظ اس دوران کھیت کے کنارے تک پہنچ چکا تھا۔ فتح محمد نے دوسری گولی چلا دی جو اتفاق سے ملک حفیظ کے سر میں لگی اور وہ کھیت میں گرتے ہی ختم ہوگیا اور اب لاش اس کے

سامنے پڑی تھی۔

"اب کیا ہوگا سیال صاحب۔" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"گاؤں دیہاتوں میں ایسی وارداتیں ہوتی ہی رہتی ہیں اور پولیس بھی زمینداروں کے گھروں پر آتی رہتی ہے۔" اکرم سیال نے کہا۔ "کبھی معاملہ رفع دفع ہو جاتا ہے اور کبھی مقدمے چلتے ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ مختلف ہے۔ ملک حفیظ ایک پولیس آفیسر تھا اور پولیس کا پورا محکمہ اس کی تلاش میں ہے۔ اگر اس کی لاش یہاں سے ملی تو گڑبڑ ہو جائے گی۔ اس لئے میرے خیال میں بہتر یہی ہے کہ اس لاش کو غائب کر دیا جائے اور ہم سب اسے بھول جائیں۔"

"اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم میری تجویز سے اتفاق کرو گے۔" اکرم سیال نے مسکراتے ہوئے کہا اور فتح محمد کو اشارہ کیا۔

فتح محمد لاش کو اٹھا کر احاطے کے اندر لے گیا اور احاطے میں ایک جگہ دیوار کے قریب گڑھا کھودنے لگا۔

"لاش دبانے کے بعد اس جگہ چبوترا بنا دینا۔ تاکہ کسی کو شبہ ہی نہ ہو۔" اکرم سیال نے فتح محمد سے کہا اور شارق کی طرف گھوم گیا۔ "ٹھیک ہے۔ تم لوگ آرام کرو میں صبح آؤں گا۔" وہ ان سے ہاتھ ملا کر رخصت ہوگیا۔

اکرم سیال چلا گیا۔ نولکھا اور شارق اس وقت تک وہاں کھڑے رہے جب تک فتح محمد نے گڑھا کھود کر ملک حفیظ کی لاش دفن نہیں کردی۔ اس نے گڑھے کی مٹی برابر کی تو وہ دونوں بھی کمرے میں آگئے۔ کچھ دیر تک اس نئی صورت حال پر تبصرہ کرتے رہے اور پھر آنکھیں بند کرلیں۔

صبح وہ جلد ہی اٹھ گئے۔ ان کے لئے صبح کا ناشتا بھی فتح محمد ہی نے تیار کیا تھا۔ ناشتے کے بعد شارق ٹہلتا ہوا کھیتوں کی طرف نکل گیا۔ بعض کھیتوں میں مزارع کام کر رہے تھے۔ شارق ایک آدمی کے پاس رک گیا۔ وہ مزارع ایک کھیت کی منڈیر پر کھڑا تھا اس کے قریب ہی پھاوڑا پڑا ہوا تھا۔ اس کھیت میں پانی لگا ہوا تھا اور وہ مزارع دیکھ رہا تھا کہ پانی کہاں تک پہنچا ہے۔

شارق کافی دیر تک وہاں کھڑا اس شخص سے باتیں کرتا رہا اور پھر ٹہلتا ہوا مزید آگے نکل گیا۔ جب وہ کھیتوں میں ایک طویل چکر کاٹتا ہوا واپس آیا تو دس بج رہے تھے۔ نولکھا برآمدے میں کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔

"اب کیا پروگرام ہے شارق باؤ؟" نولکھا نے اسے دیکھتے ہی پوچھا۔

"جیجا شلی واپس آجائے تو پروگرام بناتے ہیں۔"

شارق نے اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

اور جیجا شلی بارہ بجے کے قریب فیصل آباد سے واپس آگیا۔

"ہاں بھئی۔ فیصل آباد کی کیا صورت حال ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"فیصل آباد کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ شارق باؤ۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "صادق کو تقریباً" ایک ہفتہ پہلے پولیس نے گرفتار کرلیا تھا۔ یوں تو وہ پہلے بھی کئی بار پکڑا گیا تھا۔ لیکن ہر مرتبہ کچھ دے دلا کر چھوٹ جاتا تھا لیکن اس مرتبہ صورت حال مختلف ہے۔ پیسہ بھی اس کے کام نہیں آسکا۔ اسے باقاعدہ گرفتار کرکے چالان عدالت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ صرف صادق ہی نہیں' اس پیشے سے تعلق رکھنے والے اور بھی بہت سے بندے پکڑ کے بند کر دیئے گئے ہیں۔ ان میں سائیں اللہ رکھا بھی ہے۔"

"سائیں اللہ رکھا بھی پکڑا گیا ہے؟" نولکھا یہ نام سن کر چونک گیا۔

"ہاں جی۔" جیجا نے اثبات میں سرہلایا۔ "پولیس نے جب اس کے اڈے پر چھاپہ مارا تھا تو اس نے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ دونوں طرف سے فائرنگ کا تبادلہ ہوا تھا جس میں ایک پولیس والا اور ایک سائیں اللہ رکھا کا آدمی مارا گیا تھا۔ سائیں اللہ رکھا کا تو اب بچنا بہت ہی مشکل ہے۔"

"بے وقوف۔" نولکھا بڑبڑایا۔ "اسے میں نے کئی مرتبہ سمجھایا تھا کہ کبھی پولیس سے مقابلہ کرنے کی کوشش مت کرنا۔" نولکھا کے چہرے پر افسردگی چھاگئی تھی۔

سائیں اللہ رکھا اس کا خاص آدمی تھا۔ فیصل آباد میں مائی دی جھگی والا منشیات کا اڈا نولکھا نے شروع کیا تھا اور سائیں اللہ رکھا شروع ہی سے اس کے ساتھ تھا۔ نولکھا جب شارق کے ساتھ فیصل آباد سے لاہور کی طرف بھاگا تھا تو نولکھا نے اپنا وہ اڈا سائیں اللہ رکھا کے حوالے کر دیا تھا۔

سائیں اللہ رکھا لاہور میں بھی نولکھا کے پاس آتا رہا تھا۔ وہ خود تو پولیس سے برسرپیکار ہوگیا تھا لیکن اس نے سائیں اللہ رکھا کو ہمیشہ یہ ہدایت دی تھی کہ پولیس سے کبھی تصادم مول نہ لے' بلکہ کچھ لے دے کر اپنا دھندہ چلاتا رہے۔ اب تک تو وہ یہی کچھ کرتا آیا تھا لیکن بالآخر اس نے پولیس سے پنگا لے ہی لیا تھا اور قتل کے کیس میں پھنس گیا تھا۔ نولکھا جانتا تھا کہ اب اس کا بچنا مشکل ہے لیکن وہ اپنے دوست کو بے یارومددگار نہیں چھوڑ سکتا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہمیں فیصل آباد میں رکنے کے بجائے سیدھا لاہور جانا ہوگا۔" شارق

نے جیجا شلی سے تفصیل سننے کے بعد کہا۔

"میری ایک تجویز ہے شارق باؤ!" نولکھا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم ثمینہ اور شاہ پری کو لے کر لاہور چلے جاؤ۔ میں فیصل آباد رک جاؤں گا۔ نولکھا نے جواب دیا۔

"میں سمجھ رہا ہوں تم فیصل آباد کیوں رکنا چاہتے ہو۔" شارق بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے اس وقت تم سائیں اللہ رکھا کی کوئی مدد نہیں کرسکو گے۔"

"نہیں شارق باؤ۔" نولکھا نے کہا "اس کی مدد کرنے کا یہی موقع ہے تم جانتے ہو' پیسے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ میں اسے بچانے کی کوشش کروں گا۔"

"اس کے ہاتھوں پولیس کا آدمی مارا گیا ہے اور پولیس اسے پھانسی کے تختے تک پہنچانے کی پوری کوشش کرے گی۔ اس کے علاوہ کیا تم پولیس کا سامنا کرسکو گے جبکہ پولیس کو تمہاری بھی تلاش ہے۔"

"کچھ بھی ہو شارق باؤ۔ میں سائیں اللہ رکھا کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔" نولکھا نے جواب دیا۔

شارق اسے کافی دیر تک سمجھانے کی کوشش کرتا رہا لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ نولکھا کسی بھی صورت میں لاہور جانے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اس بات پر بضد تھا کہ فیصل آباد میں رہ کر سائیں اللہ رکھا کو پولیس سے چھٹکارہ دلانے کی کوشش کرے گا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم فیصل آباد میں رہو گے کہاں ؟"

"میرے پاس بہت ٹھکانے ہیں شارق باؤ۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "تم میرا فکر بالکل مت کرو۔ بس تم ان دونوں لڑکیوں کا خیال رکھنا۔ بلکہ میرا مشورہ ہے کہ شاہ پری کو بھی میرے پاس ہی چھوڑ جانا۔ چند روز آزادی سے گھوم پھرلے گی۔ لاہور جاکر تو اسے آزادی سے گھومنے پھرنے کا موقع بھی نہیں ملے گا۔

"مجھے یہاں چند روز سے زیادہ نہیں لگیں گے۔ میں لاہور آجاؤں گا تو پھر حاجی سے بھی نمٹ لیں گے۔" نولکھا بولا۔

"ہاں۔ اس سے تو حساب برابر کرنا ہی ہوگا۔" شارق نے کہا۔ پھر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "تو پھر میرا خیال ہے ہم آج شام کو یہاں سے نکل جائیں گے۔ جیجا شلی میرے ساتھ

لاہور جائے گا۔ تم فیصل آباد بس سے اتر جانا۔ ہم اس بس پر آگے چلے جائیں گے۔"

"جیجا شلی تمہارے ساتھ جائے گا؟" نولکھا نے پوچھا۔ "ہاں۔" شارق نے اثبات میں سرہلایا۔ "وہ لاہور میں دو تین دن میرے پاس رہے گا۔ پھر اسے پیسے دے کر کوئٹہ روانہ کردوں گا تاکہ وہ کسی اچھے وکیل کا بندوبست کرکے اپنے بیٹے کا مقدمہ لڑسکے۔"

"ٹھیک ہے۔" نولکھا نے سرہلا دیا۔

اس وقت دو بجنے والے تھے۔ فتح محمد نے انہیں آکر بتایا کہ وہ دوسرے کمرے میں کھانا لگا چکا ہے۔ وہ لوگ برآمدے سے اٹھ کر کمرے میں آگئے۔ آج اکرم سیال صبح سے نہیں آیا تھا۔ نہ ہی کھیتوں میں دکھائی دیا تھا۔

"فتح محمد۔" شارق نے کھانے کے بعد کہا۔ "تم سیال صاحب کی حویلی چلے جاؤ اور انہیں بتا دو کہ ہم آج شام سے پہلے پہلے یہاں سے جا رہے ہیں۔ وہ دونوں لڑکیوں کو لے کر یہاں آجائیں۔ میں سیال صاحب کی میزبانی کا شکریہ بھی ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

"آج جمعرات ہے جی۔ سیال صاحب تو دربار گئے ہیں۔ کل شام تک واپس آئیں گے۔" فتح محمد نے بتایا۔

"دربار۔" شارق نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں جی۔" فتح محمد نے کہا۔ "وہ ہر جمعرات کو صبح سویرے حضرت سلطان باہو کے دربار چلے جاتے ہیں اور جمعہ کی شام کو آتے ہیں۔"

"اوہ!" شارق اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکا۔ حضرت سلطان باہو کا دربار جھنگ سے چند میل آگے تھا۔ دور دور سے عقیدت مند وہاں آتے تھے۔ اکرم سیال بھی ان کے عقیدت مندوں میں شامل تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ "لیکن بات یہ ہے فتح محمد۔" وہ اس کی طرف دیکھ کر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "جیجا شلی سے ہمیں جو حالات معلوم ہوئے ہیں ان کے پیش نظر ہمارا آج ہی یہاں سے جانا بہت ضروری ہے۔ اگر ہم آج یہاں سے نہ گئے تو بہت گڑبڑ ہوجائے گی۔ ہمارا جانا بہت ضروری ہے۔ سیال صاحب سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس رہے گا۔ تم ایسا کرو۔ ابھی گاؤں چلے جاؤ اور ثمینہ اور شاہ پری کو یہاں لے آؤ۔ ہم پانچ بجے تک یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں ابھی گاؤں چلا جاتا ہوں۔" فتح محمد نے جواب دیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد فتح محمد گاؤں کی طرف چلا گیا۔

وہ تقریباً" ساڑھے چار بجے واپس آیا تھا۔ اس کے ساتھ ثمینہ اور شاہ پری بھی تھیں۔ ان

دونوں نے بالکل نئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ثمینہ نے بتایا کہ اس نے تو اکرم سیال کی بیوی کے کپڑے پہنے تھے اور شاہ پری نے اس کی بیٹی کے' یہ کپڑے چند روز پہلے ہی سلوا کر رکھے گئے تھے۔ ثمینہ نے تو کہا تھا کہ انہیں کوئی استعمال شدہ کپڑے دے دیئے جائیں لیکن اکرم سیال کی بیوی بضد تھی کہ وہ نئے کپڑے ہی پہنیں' ان کپڑوں کے ساتھ لینن کی چادریں بھی تھیں۔

سوا پانچ بجے کے قریب وہ لوگ ڈیرے سے رخصت ہوگئے۔ فتح محمد کچھ دور تک ان کے ساتھ آیا تھا۔ پھر شارق وغیرہ سے ہاتھ ملا کر واپس چلا گیا۔ وہ لوگ کھیتوں کے درمیان پگڈنڈیوں پر ہوتے ہوئے سڑک پر پہنچے تو چھ بجنے والے تھے۔ اس جگہ سامنے کی طرف سے ایک کچی سڑک بھی اس ہائی وے سے آکر ملتی تھی۔ جھنگ شہر اس جگہ سے بائیں طرف تقریباً" چار میل کے فاصلے پر تھا۔

وہ لوگ بس کے انتظار میں سڑک پر کھڑے رہے۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران کئی بسیں وہاں سے گزری تھیں مگر وہ سب کی سب فیصل آباد جانے والی تھیں۔ ایک بس لاہور کی تھی لیکن اس میں کوئی سیٹ خالی نہیں تھی۔ فیصل آباد کی بس پر وہ بیٹھنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ فیصل آباد سے بس تبدیل کرنی پڑتی۔

سات بج گئے۔ لاہور جانے والی تمام بسیں بھری ہوئی تھیں۔ بالآخر وہ فیصل آباد ہی کی بس پر بیٹھ گئے۔

تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد وہ فیصل آباد پہنچ گئے۔ نولکھا اور شاہ پری نزد لے اڈے پر ہی اتر گئے کیونکہ انہیں گلبرگ کی طرف جانا تھا۔ شارق وغیرہ کو لاری اڈے پر اترتے ہی لاہور کی بس مل گئی جو اپنے اسٹینڈ سے نکل رہی تھی۔

شارق اور ثمینہ ایک سیٹ پر بیٹھے تھے اور دوسری سیٹ پر جیجا شکل۔ ثمینہ نے چادر اس طرح اوڑھ رکھی تھی۔ کہ اس کا چہرہ تقریباً" چھپ گیا تھا۔ شارق سر جھکائے ہوئے تھا جیسے اونگھ رہا ہو۔ فیصل آباد میں اس کے لئے خطرہ تھا۔ اگر ان دونوں میں سے کسی ایک کو بھی پہچان لیا جاتا تو گڑبڑ ہو سکتی تھی۔

فیصل آباد شہر سے نکل آنے کے بعد بھی کافی دیر تک شارق سر جھکائے اونگھتا رہا۔ مانا والا کے قریب پہنچ کر ثمینہ نے اسے کہنی سے ٹھوکا مارا تو وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ سیدھے ہو کر بیٹھ جاؤ۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ سڑک کے دونوں طرف آبادی تھی۔ بس جیسے ہی رکی

ہاکروں نے یلغار کر دی۔ ایک دو ہاکر بس کے اندر بھی گھس آئے تھے جنہیں کنڈیکٹر نے ڈانٹ ڈپٹ کر بس سے اتار دیا۔ بس مانا والا کے اسٹاپ پر صرف ایک منٹ کے لئے رکی تھی اور پھر اس کا سفر دوبارہ شروع ہوگیا۔

شارق گردن گھما گھما کر بس کے مسافروں کو دیکھ رہا تھا۔ اگرچہ ابھی صرف ساڑھے دس ہی بجے تھے لیکن بہت سے مسافر اونگھ رہے تھے۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ گہری تاریکی تھی۔ کہیں کہیں دور کوئی روشنی نظر آجاتی تھی۔

شیخوپورہ کے اسٹاپ پر بس تقریباً" پانچ منٹ رکی تھی۔ یہاں دو مسافر اترے تھے اور دو سوار ہوئے تھے۔

"بس سے اتر کر وہ تیز تیز چلتے ہوئے شیرانوالہ گیٹ کی طرف سرکلر روڈ پر آگئے۔ انہیں فوراً" ہی ٹیکسی مل گئی۔

"چوبرجی۔" شارق نے ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے ڈرائیور سے کہا۔

"میٹر سے دس روپے زیادہ ہوں گے سرجی۔" ڈرائیور نے کہا۔

"دے دیں گے یار۔" شارق نے جواب دیا۔

ٹیکسی حرکت میں آگئی اور سرکلر روڈ پر شاہی قلعہ اور مینار پاکستان کے قریب سے ہوتی ہوئی داتا دربار کی طرف جانے والی سڑک پر دوڑنے لگی۔ داتا دربار اور بھاٹی والے چوراہے سے دائیں طرف مڑتے ہوئے ٹریفک جام ہونے کی وجہ سے ٹیکسی رک گئی۔ جس جگہ ان کی ٹیکسی رکی تھی اس کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف وہ دکان تھی جو قانونی طور پر اب بھی شارق کی ملکیت تھی۔ دکان بند پڑی تھی۔ دائیں طرف پان سگریٹ' چائے' حلیم اور اس قسم کی چھوٹی چھوٹی لاتعداد دکانیں تھیں۔ ان دکانوں کے لوگ بھی شارق کو پہچانتے تھے۔ ان کی نظروں سے بچنے کے لئے شارق نے سر جھکا رکھا تھا۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد ٹریفک کلیئر ہوا تو ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ آگے چل کر پتا چلا کہ ایک ویگن نے تانگے کو ٹکر مار دی تھی جس کی وجہ سے ٹریفک رک گیا تھا۔

دو تین موڑ گھومنے کے بعد ٹیکسی پارک کے ساتھ اس سڑک پر دوڑنے لگی جو سیدھی چوبرجی کی طرف چلی گئی تھی۔ پارک ختم ہونے کے بعد چوری سے پہلے ہی شارق نے ٹیکسی رکوالی۔ کرایہ ادا کیا اور وہ چاروں نیچے اتر آئے۔ سڑک پار کر کے نالے کی پلیا عبور کرنے کے بعد وہ اس چھوٹی سڑک پر آگئے جہاں سے شام نگر کا علاقہ شروع ہو جاتا تھا۔

اس سڑک پر ایک ریسٹورنٹ' حلوائی کی ایک دکان اور دو سگریٹ کے کیبن کھلے ہوئے

تھے۔ حلوائی کی دکان کے سامنے پہنچ کر دو تین اوباش قسم کے لڑکے بیٹھے ہوئے تھے۔ ثمینہ کو دیکھ کر ان میں سے ایک نے ہلکی سی سیٹی بجائی تھی۔ شارق نے ایک نظر گھور کر اس لڑکے کی طرف دیکھا لیکن رکا نہیں۔

ریسٹورنٹ سے تھوڑا ہی آگے وہ ایک گلی میں گھوم گئے۔ اور پھر اس گلی میں آگئے جہاں شارق کا وہ مکان تھا جس کے بارے میں ثمینہ کے علاوہ اور کسی کو علم نہیں تھا۔ وہ مکان کے سامنے رک گیا۔ آہنی گیٹ کے اوپر سے ہاتھ ڈال کر اس نے اندر کا کنڈا کھول دیا اور گیٹ کھول کر وہ اندر داخل ہوگئے۔

شارق برآمدے میں کھڑا چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر اوپر کی چوکھٹ پر کچھ ٹٹولنے لگا۔ چابی اسی جگہ موجود تھی جہاں طویل عرصہ پہلے اس نے رکھی تھی۔ اس نے ٹٹول کر تالا کھولا اور وہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔ دروازہ بند کرنے کے بعد ہی شارق نے بتی جلائی تھی۔

شارق دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہوگیا اور لمبے لمبے سانس لینے لگا وہ طویل عرصے بعد یہاں آیا تھا۔ ثمینہ نے بھی چادر اتار دی۔ اس کے چہرے پر بھی کچھ عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔ اس مکان سے اس کی بڑی یادیں وابستہ تھیں۔ جب وہ پہلی مرتبہ فیصل آباد سے لاہور آئی تھی تو شارق کے ساتھ اس مکان میں آئی تھی۔ اس رات کو وہ کبھی نہیں بھول سکتی تھی جو اس نے شارق کے ساتھ ایک ہی بستر پر گزاری تھی۔ اس رات کا ایک ایک لمحہ اسے یاد تھا۔ وہ سارا منظر فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا چلا گیا۔

شارق آگے بڑھ گیا اور کمروں کی بتیاں جلاتا چلا گیا۔

ہر چیز پر گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ صفائی کرنے کے لئے پورا دن درکار تھا۔ لیکن اس وقت وہ یہی کرسکتے تھے کہ سونے کے لئے بستر وغیرہ جھاڑ لیں اور صبح پورے گھر کی صفائی کریں۔

اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ دونوں کمروں میں بستر وغیرہ جھاڑنے لگے۔ شارق چادر جھاڑ رہا تھا کہ باہر کے گیٹ پر دستک کی زور دار آواز ابھری۔ شارق اور ثمینہ اچھل پڑے اور معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

اسی دوران دستک کی آواز پھر ابھری۔ اس مرتبہ دروازہ زیادہ زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا۔ دستک کا یہ انداز دیکھ کر ثمینہ کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اس نے شارق کی طرف دیکھا۔ شارق نے اشارہ کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا جا رہا تھا اور دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی ہے۔

دروازے پر دھڑ دھڑاہٹ کی آواز سن کر ثمینہ کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں جبکہ جیجا شکل کچھ کنفیوز سا دکھائی دے رہا تھا۔ ایک لمحہ کے لئے تو شارق کے چہرے کا رنگ بھی متغیر ہوگیا تھا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پا لیا تھا۔ اس نے جیجا شکل اور ثمینہ کو ایک طرف ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور خود بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس دوران دروازہ ایک بار پھر زور سے دھڑ دھڑایا گیا تھا۔

شارق دروازے کے قریب رک گیا۔ اس وقت اس کے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ نہیں تھا۔ باہر جو کوئی بھی تھا وہ مسلح بھی ہو سکتا تھا لیکن شارق نے کسی ایسی صورتحال سے بھی نمٹنے کا طریقہ سوچ لیا تھا۔ وہ دروازے کے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا اور کنڈے کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے قدرے اونچی آواز میں بولا۔ "کون ہے؟"

"دروازہ کھولو..... کون ہے اندر؟" باہر سے ایک بھاری آواز سنائی دی۔

شارق نے کنڈا ہٹا دیا اور دروازے کا پٹ کھول کر پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ جو بھی اندر داخل ہونے کی کوشش کرے گا اسے گرفت میں لے لے گا۔ لیکن دروازہ کھلنے کے بعد کوئی اندر داخل نہیں ہوا تو وہ سامنے آگیا۔ اس کا پڑوسی ایک اور آدمی کے ساتھ دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ان میں ایک کے ہاتھ میں ہاکی تھی اور دوسرے کے ہاتھ میں لاٹھی۔

"ملک صاحب آپ" شارق اپنے پڑوسی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "خیریت!"

"اوہ آپ ہیں!" شارق کے پڑوسی ملک کے منہ سے بھی گہرا سانس نکل گیا۔ معاف کرنا بھائی میں سمجھا تھا کوئی چور وغیرہ نہ ہو۔"

"کسی چور کو اس گھر سے کیا ملے گا ملک جی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بہرحال۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔"

"شکریے کی کیا بات ہے جی۔" ملک نے کہا۔ "آپ کی عدم موجودگی میں آپ کے گھر کی دیکھ بھال ہمارا فرض ہے جی۔ مہنگائی کا زمانہ ہے جی۔ کوئی معمولی سی چیز بھی چوری ہو جائے تو دوبارہ خریدنا بنانا بڑا مشکل ہوتا ہے جی۔ ویسے اس مرتبہ آپ لمبے ہی چلے گئے تھے۔"

"جی ہاں۔ میں ملک سے باہر چلا گیا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔

"اور جی میرے لئے کوئی خدمت' کھانا' چائے وغیرہ؟" ملک بولا۔

"بہت شکریہ ملک جی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کھانا تو ہم کھا کر ہی آئے ہیں۔ چائے کی اس وقت طلب نہیں ہو رہی۔ اس وقت تو سونے کو دل چاہ رہا ہے۔ لمبے سفر نے بری طرح تھکا دیا ہے۔"

"اچھا جی۔ آپ آرام کریں۔ صبح ملاقات کریں گے۔" ملک نے کہا اور شارق سے ہاتھ ملا کر واپس مڑ گیا۔

وہ دوسرا آدمی اس گلی کا چوکیدار تھا۔ شارق اسے پہلے بھی کئی مرتبہ دیکھ چکا تھا۔ شارق کو یہ مکان لئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ مگر وہ یہاں کم ہی آتا تھا۔ پڑوس میں رہنے والے ملک صاحب سے صرف دو تین بار ہی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ بھی آتے جاتے' دروازے کے سامنے۔ ملک اچھا آدمی تھا اور شارق کو بھی شریف ہی سمجھتا تھا۔ ملک کے جانے کے بعد شارق دروازہ بند کر کے اندر آ گیا۔ ثمینہ بھی کمرے سے نکل آئی تھی۔

"کون تھا؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"پڑوسی تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "وہ سمجھا تھا شاید کوئی چور گھس آیا۔"

"میں تو ڈر ہی گئی تھی۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

جیجا شکی بھی دوسرے کمرے سے نکل کر آ گیا تھا۔ وہ لوگ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

ثمینہ نے فرج صاف کر کے آن کر دیا تھا۔ تاکہ صبح تک تھوڑی بہت کولنگ ہو جائے اور اس میں کچھ چیزیں رکھی جا سکیں۔ کیونکہ وہ جانتی تھی کہ انہیں ابھی ایک دو دن یہاں رہنا پڑے گا۔

"ٹھیک ہے جیجا۔" شارق نے جیجا شکی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تو نیند آ رہی ہے۔ تم بھی سو جاؤ۔ اب صبح دیکھیں گے۔"

"اچھا جی۔" جیجا شکی نے کہا اور دوسرے کمرے میں گھس گیا۔

شارق اور ثمینہ اپنے کمرے میں آ گئے۔ شارق نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ وہ دونوں پلنگ پر لیٹ گئے لیکن نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دونوں اپنی اپنی جگہ پر سوچ رہے تھے۔

ثمینہ اپنے ماں باپ کے گھر سے کتنا قریب تھی۔ زیادہ سے زیادہ ایک فرلانگ کا فاصلہ ہو گا لیکن ذہنی طور پر وہ ان سے اتنا دور ہو چکی تھی کہ یہ فاصلہ طے کرنا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ اس

نے کس کس طرح اپنے ماں باپ کو ذلیل و رسوا کیا تھا۔ اس کے بعد وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ ماں باپ اسے معاف کر دیں گے۔ لیکن ظاہر ہے وہ اپنے ماں باپ کی محبت کو دل سے نہیں نکال سکتی تھی۔

دوسری طرف شارق بھی کچھ ایسی ہی باتیں سوچ رہا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس وقت اس کے ذہن میں بھی ثمینہ کے حوالے سے کچھ ایسی ہی باتیں آ رہی تھیں۔ ثمینہ ایک شریف لڑکی تھی۔ اسے راستے سے بھٹکانے اور جرائم کی دلدل میں دھکیلنے والا وہی تھا۔ اگر اس روز فیصل آباد میں پولیس سے بچنے کے لئے وہ اتفاق سے ثمینہ کے مکان میں نہ کودتا تو آج ثمینہ اس کے ساتھ نہ ہوتی۔ وہ ایک باعزت و باوقار پیشے سے وابستہ تھی اور اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اگر شارق اسے خراب نہ کرتا تو آج بھی اسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ لیکن شارق نے اسے راستے سے بھٹکا دیا تھا۔ یہی سب کچھ سوچتے ہوئے بالآخر شارق کی آنکھ لگ گئی۔

صبح جب شارق کی آنکھ کھلی تو نو بج چکے تھے۔ ثمینہ اور جیجا شکی اس سے پہلے ہی جاگ چکے تھے۔ ثمینہ نے جیجا کو بھیج کر بازار سے ناشتے کا سامان منگوا لیا تھا۔ جیجا شکی تو ناشتا کر بھی چکا تھا۔ ثمینہ' شارق کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ شارق اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا اور ثمینہ ناشتا تیار کرنے لگی۔

"جیجے! تمہیں ایک کام کرنا ہے۔" شارق نے ناشتے کے دوران جیجے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں ایک پتہ سمجھا رہا ہوں۔ وہاں چلے جاؤ۔" شارق نے کہا اور پھر اسے اقبال ٹاؤن والے مکان کا پتا سمجھانے لگا۔ "ماسی جی سے کہنا میں اور ثمینہ رات کو آئیں گے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں ابھی جا رہا ہوں۔" جیجا شکی فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے جانے کے بعد شارق اور ثمینہ باتیں کرنے لگے ظاہر ہے باتوں کے علاوہ ان کے پاس کرنے کو کچھ اور تھا بھی نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ جیجا شکی دوپہر تک واپس آ جائے گا۔

دوپہر تک کا وقت بڑی مشکل سے گزرا تھا۔ ثمینہ نے صبح شکی ہی سے سبزی گوشت وغیرہ بھی منگوا لیا تھا۔ اس نے سالن تیار کر لیا تھا اور اس انتظار میں تھی کہ جیجا آ جائے تو تندور سے روٹیاں منگوا لی جائیں گی۔

تین بج گئے۔ جیجا شکی ابھی تک نہیں آیا تھا۔ ثمینہ پریشان ہو رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے کسی گڑبڑ کا احساس دلا رہی تھی۔ لیکن شارق مطمئن تھا۔ اس کا خیال تھا کہ ماں جی نے شکی کو روک لیا ہو گا یا وہ اپنے کسی کام سے کہیں اور چلا گیا ہو گا۔

تین بجے کے قریب وہ خود جا کر تندور سے روٹیاں لے آیا۔ وہ دونوں کھانا کھا ہی رہے تھے کہ جیجا شلی بھی پہنچ گیا۔ اس کا چہرہ ہونق سا ہو رہا تھا۔

"کیا بات ہے جیجے۔ کہاں غائب ہو گئے تھے اور تمہارے چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بڑی گڑبڑ ہو گئی ہے شارق باؤ۔" جیجا شلی نے اس کے سامنے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیسی گڑبڑ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ویسے جیجا کی صورت دیکھتے ہی اس کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"آپ کی رضیہ بہن اور ماں جی تو اس گھر میں نہیں ہیں جی۔" جیجا بولا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔ کہیں غلط پتے پر تو نہیں چلے گئے تھے؟" شارق نے اسے گھورا۔

"نہیں جی۔ میں تو ٹھیک پتے پر پہنچا تھا۔" جیجا شلی مکان کی نشانیاں بتانے لگا۔ "وہاں تو کوئی اور ہی رہتا ہے۔ کوئی چودھری اشرف ہے۔ اس نے بتایا تھا کہ یہ مکان اس نے دو مہینے پہلے خریدا تھا اور ان سے پہلے جو عورتیں وہاں رہتی تھیں وہ کہیں اور چلی گئی ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" شارق بولا۔ "مکان رضیہ کے نام تھا۔ وہ اسے فروخت نہیں کر سکتی۔"

"چودھری اشرف نے مکان رضیہ سے نہیں حاجی سے خریدا تھا۔" شلی نے کہا۔

"کیا۔۔؟" شارق اچھل پڑا۔

"میں نے پڑوسیوں سے بھی معلوم کیا تھا جی۔" جیجا شلی نے کہا۔ "ان کا کہنا ہے کہ تقریباً" دو مہینے پہلے حاجی کے غنڈوں نے زبردستی ان سے مکان خالی کروایا تھا۔ ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا تھا۔ کسی کو بھی پتا نہیں کہ وہ کہاں گئی ہیں۔"

شارق کا خون کھول گیا۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ اس نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثمینہ نے بھی کھانا چھوڑ دیا تھا۔

"مجھے صبح ہی سے کچھ گڑبڑ کا احساس ہو رہا تھا۔" ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر حاجی نے ایسی کوئی حرکت کی ہے' تو بخدا میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" شارق نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔ "لیکن اس سے پہلے صورتحال معلوم کرنی پڑے گی اور یہ معلوم کرنا ہو گا کہ رضیہ اور ماں جی کہاں ہیں۔" وہ چند لمحے خاموش رہا پھر جیجا شلی کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم کوئٹہ کب جاؤ گے۔ اپنے بیٹے کی ضمانت کرانے کے لئے؟"

"اب میں کوئٹہ نہیں جاؤں گا جی۔" جیجا شلی نے جواب دیا۔ "اس صورتحال میں آپ

لوگوں کو چھوڑ کر میں کیسے جا سکتا ہوں جی۔"

"نہیں جیجے۔" شارق نے کہا۔ "اس معاملے میں ہم خود ہی نمٹ لیں گے۔ تم کل صبح کوئٹہ چلے جاؤ۔ ابھی کھانا کھا کر تم ریلوے سٹیشن جا کر معلوم کرو کہ کوئٹہ کے لئے ٹرین کس وقت جاتی ہے۔ واپسی پر انارکلی چلے جانا۔"

"میں نے کھانا کھا لیا تھا جی' آپ کام بتائیں۔" جیجا شلی بولا۔

"انارکلی کی ایک گلی میں ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے۔" شارق نے کہا اور پھر اسے ہوٹل کا پتا اور سہیل کے بارے میں بتانے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔ "سہیل کو اپنے ساتھ لے کر آنا۔ اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کا انتظار کر لینا۔"

"ٹھیک ہے جی۔ میں انہیں ساتھ لے کر آؤں گا۔" جیجا شلی کہتا ہوا چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد وہ دونوں کچھ دیر کے لئے خاموش بیٹھے رہے۔ پھر ثمینہ نے کھانے کے برتن سمیٹ کر کچن میں رکھ دیئے اور دوبارہ شارق کے پاس آ گئی۔

"حاجی کی اب موت ہی آئی ہے۔ وہ میرے ہاتھ سے زندہ نہیں بچے گا۔" شارق ہتھیلیاں بھینچتے ہوئے بولا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

ثمینہ بھی اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی آئی تھی۔ شارق کچھ دیر تک کمرے میں کھڑا رہا پھر اس نے آگے بڑھ کر الماری کا دروازہ کھولا اور اس کے اندر ہاتھ ڈال کر دائیں طرف لگا ہوا ایک چھوٹا سا کنڈا کھینچ لیا۔ الماری اپنی جگہ پر گھوم گئی اور دیوار میں ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔ اس خلا میں بھی الماری کی طرح ایک خانہ بنا ہوا تھا۔ شارق نے ایک خفیہ میکنزم کے ذریعے یہ خانہ بھی کھول لیا۔

ثمینہ اس کے پیچھے کھڑی حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ شارق کے ساتھ کئی مرتبہ یہاں آ چکی تھی لیکن شارق نے الماری کے پیچھے اس خفیہ خانے کے بارے میں کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ اس خفیہ خانے میں سیاہ رنگ کا ایک بریف کیس رکھا ہوا تھا۔ شارق نے وہ بریف کیس نکال کر پلنگ پر رکھ دیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ۔۔ یہ کیا ہے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے کسی ہنگامی صورتحال کے لئے یہ بریف کیس یہاں چھپا رکھا تھا اور میرے خیال میں اب اس کی ضرورت پڑ گئی ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور بریف کیس کھولنے کے لئے اس کے نمبر ملانے لگا۔

اس نے جیسے ہی ڈھکنا اٹھایا تو ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ بریف کیس خاصا

بڑا تھا۔ اس میں سب سے اوپر ہیروئن کی تھیلیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان تھیلیوں کے نیچے کیا تھا۔ یہ ابھی اسے پتا نہیں چل سکتا تھا۔ البتہ بریف کیس کی جیبوں میں نوٹوں کے بنڈل نظر آ رہے تھے۔

شارق نے چار پانچ بنڈل نکال کر پلنگ پر رکھ دیئے اور ہیروئن کے پیکٹ اٹھا کر باہر رکھنے لگا۔ ان کے نیچے بھی نوٹوں کے بنڈل تھے۔ شارق نے وہ تمام بنڈل بھی نکال لئے۔ ان کے نیچے سے برآمد ہونے والی چیز دیکھ کر ثمینہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔

وہ پستول تھا۔ ثمینہ جب سے شارق کے ساتھ جرائم کی اس دلدل میں پھنسی تھی اس نے کئی اقسام کے پستول اور ریوالور دیکھے تھے۔ لیکن اس قسم کا پستول اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ عام پستولوں سے بہت مختلف تھا۔ اس کی نال آگے کو نکلی ہوئی تھی اور اس میں ڈبل میگزین استعمال ہوتا تھا۔ ایک میگزین عام پستولوں کی طرح بٹ کے اندر۔ اس میں سات گولیاں آتی تھیں۔ اور دوسرا میگزین بٹ کے آگے فٹ کیا جا سکتا تھا۔ اس میں اٹھائیس گولیاں آتی تھیں۔ وہ میگزین بھی پستول کے ساتھ رکھا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی سائلنسر بھی رکھا ہوا تھا۔ جسے بوقت ضرورت فٹ کیا جا سکتا ہے۔

"یہ کیسا پستول ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"کسی بھی پستول یا ریوالور کی گولی لگنے کے بعد زخمی کو بچایا جا سکتا بشرطیکہ گولی دل میں نہ لگی ہو لیکن اس پستول کی گولی لگنے کے بعد کسی کا زندہ بچ جانا ممکن ہی نہیں' خواہ گولی جسم کے کسی بھی حصے میں لگی ہو۔" شارق نے کہتے ہوئے پستول اٹھا لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"کوئی خاص وجہ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس کی گولی جسم میں داخل ہونے کے بعد پھٹ جاتی ہے اور نہ صرف جسم کے اندرونی حصے کے بلکہ بیرونی حصے کے بھی پرخچے اڑا دیتی ہے اور دنیا کا کوئی بھی ڈاکٹر جسم کے ان چیتھڑوں کو نہیں جوڑ سکتا۔" شارق نے بتایا۔

"حیرت انگیز۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا اور اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔

"حاجی کے لئے اس کی ایک ہی گولی کافی ہو گی۔ لیکن میں اس کی ساری گولیاں اس کے گندے جسم میں اتار دوں گا۔ اس کی لاش اس طرح بکھر جائے گی کہ اسے سمیٹنا مشکل ہو جائے گا۔" شارق نے کہا۔ اس کے لہجے میں بے پناہ نفرت تھی۔

"اس نے پستول کا فاضل میگزین اور سائلنسر بھی باہر نکال لیا اور نوٹوں کے بنڈل اور ہیروئن کے پیکٹ دوبارہ بریف کیس میں بھرنے لگا۔ اس نے نوٹوں کے چند بنڈل باہر ہی رہنے دیئے تھے۔

پھر بریف کیس بند کر کے اسے دوبارہ خفیہ خانے میں رکھ کر الماری بند کر دی۔ اس نے الماری کا میکنزم ثمینہ کو بھی سمجھا دیا تھا۔

"ایک بات ذہن میں رکھنا ثمینہ۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہم نے اب تک بڑے بڑے خطرناک لوگوں کا مقابلہ کیا ہے۔ ماجھا گجر جیسے آدمی کے گروہ کا قلع قمع کیا ہے۔ اب ہمارا مقابلہ حاجی جیسے آدمی سے ہے۔ حاجی دنیا کا خطرناک ترین آدمی ہے۔ یہ تو تم نے بھی اندازہ لگا لیا ہو گا کہ اس کا گروہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ اس سے پنگا لینے کے بعد یہ دنیا ہمارے لئے بہت تنگ ہو جائے گی اور ہمیں دنیا کے کسی ملک میں پناہ نہیں ملے گی۔ لیکن میں نے طے کر لیا ہے کہ اسے زندہ نہیں چھوڑنا۔ اس نے نہ صرف ہمیں دھوکے سے مروانے کی کوشش کی تھی' بلکہ رضیہ اور اماں کو ایک بار پھر دربدر ہونا پڑا۔ خدا جانے وہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہوں گی۔"

"میرا دل کہتا ہے کہ وہ دونوں خیریت سے ہوں گی لیکن۔" ثمینہ بات کرتے ہوئے ایک لمحہ کو رکی پھر بولی۔ "لیکن اگر ان دونوں میں سے کسی کو کچھ ہوا تو اس کا انتقام حاجی سے میں لوں گی۔"

"سہیل سے صحیح صورتحال کا پتہ چلے گا۔" شارق نے کہا۔ "اس کے آنے کے بعد ہی کچھ سوچا جائے گا۔"

ثمینہ جواب میں خاموش رہی۔ شارق نے پستول میں بڑا میگزین اور سائلنسر بھی فٹ کر دیا اور اسے بیڈ کے میٹریس کے نیچے رکھ دیا۔

"مزنگ والے اڈے پر راجہ کو چھوڑ کر گئے تھے نا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" شارق نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "لیکن مجھے امید ہی نہیں' یقین ہے کہ حاجی نے وہاں بھی کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور کی ہو گی۔ آج رات میں اس کے بارے میں بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"وہ دونوں دیر تک مزنگ والے اڈے کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ مزنگ والا اڈا ہی وہ جگہ تھی جو ان کا مضبوط گڑھ تھی۔ شارق نے اگرچہ طے کر لیا تھا کہ اب وہ ہیروئن کے دھندے کی مخالفت کرے گا اور اپنے تمام اڈے ختم کر دے گا۔ لیکن مزنگ والا اڈا اب بھی اس کے لئے بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ وہ یہاں بیٹھ کر اپنے منصوبے پر عمل کر سکتا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیل گیا تھا اور جیجا شکیل ابھی لوٹ کر نہیں آیا تھا۔ ایک مرتبہ تو شارق نے سوچا کہ وہ باہر جا کر کسی جگہ سے سہیل کو ٹیلی فون کرے۔ لیکن اس خیال کو اس نے ذہن سے

نکال دیا۔ وہ دوسروں کی نظروں میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

رات نو بجے کے قریب دروازے پر دستک کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔ شارق کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا۔ اس مکان کے عین سامنے سڑک پر لگے ہوئے کھمبے پر بلب جل رہا تھا جس کی روشنی میں گیٹ کے اندر کی طرف کھڑا ہوا سہیل صاف نظر آ رہا تھا جبکہ جیجا شکی دروازے کے قریب کھڑا تھا۔

شارق نے دروازہ کھول دیا۔ جیجا شکی اور اس کے پیچھے سہیل بھی اندر آ گیا۔ سہیل' شارق سے اس طرح ملا تا جیسے برسوں سے بچھڑے ہوئے ہوں۔ حالانکہ ان کی آخری ملاقات تقریباً" تین مہینے پہلے ہوئی تھی۔ وہ دونوں کمرے میں آ گئے جہاں ثمینہ بھی کھڑی تھی۔ کچھ دیر تک ایک دوسرے کے بارے میں پوچھتے رہے پھر شارق جلد ہی اصل موضوع پر آ گیا۔

"رضیہ اور ماں جی کہاں اور کس حال میں ہیں۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا ہے تفصیل سے بتاؤ۔" شارق نے کہا۔

"ان کے ساتھ تو واقعی بہت زیادتی ہوئی ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں ان کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"میں تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"تمہارے جانے کے تقریباً" ایک مہینہ بعد ماں جی میرے پاس آئی تھیں۔" سہیل کہنے لگا۔ "وہ بے حد پریشان تھیں' انہوں نے بتایا کہ حاجی نے فون پر انہیں دھمکی دی ہے کہ وہ ایک ہفتے کے اندر اندر مکان خالی کر دیں۔ کیونکہ وہ مکان اس نے کسی اور کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے' اور ایک ہفتے بعد وہ اس مکان کا قبضہ لینے کے لئے آ جائے گا اور اگر مکان خالی نہ کیا گیا تو ان کا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیا جائے گا۔ حاجی نے ماں جی کی کوئی بات سنی نہیں تھی اور فون بند کر دیا تھا۔

میں نے حاجی سے ملنے کی کوشش کی' مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر میں نے رجسٹرار کے دفتر سے معلومات حاصل کیں تو یہ انکشاف ہوا کہ حاجی کے پاس رضیہ کی طرف سے اس مکان کی ناقابلِ تنسیخ پاور آف اٹارنی موجود ہے اور وہ اس کی رو سے یہ مکان فروخت کر سکتا ہے۔ جبکہ رضیہ کا یہ کہنا ہے کہ اس نے کسی کو پاور آف اٹارنی نہیں دی۔ وہ مکان تمہاری موجودگی میں اس کے نام ٹرانسفر ہوا تھا۔ اس کے بعد رضیہ نے کسی کاغذ پر دستخط نہیں کئے۔ میں رضیہ اور ماں جی کو لے کر پولیس سٹیشن بھی گیا تھا تاکہ اس دھوکہ دہی پر حاجی کے خلاف رپورٹ درج کرائی جا سکے لیکن حاجی کا نام سن کر پولیس نے رپورٹ درج کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اسی دوران ایک رات حاجی کے چند گرگے میرے ریسٹورنٹ میں گھس آئے اور توڑ پھوڑ کرنے کے بعد مجھے دھمکی دی کہ میں اس مکان والے معاملے سے الگ رہوں بصورت دیگر میرے ہوٹل کو بھی آگ لگا دی جائے گی۔

اس کے ٹھیک ایک ہفتے بعد حاجی کے چند گرگے مکان پر پہنچ گئے۔ ان کے ساتھ پولیس والے بھی تھے۔ انہوں نے رضیہ اور ماں جی کو گھر سے نکال دیا اور سامان بھی اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ بلکہ بیشتر سامان تو وہ ٹرک پر لاد کر لے گئے۔ ماں جی اور رضیہ یہاں میرے پاس آ گئی تھیں۔ وہ ایک رات میرے پاس رہی تھیں' پھر میں نے انہیں گلشن راوی میں اپنے ایک دوست کے گھر پہنچا دیا۔ اس دوران میں نے قانون کی مدد حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔

حاجی کو پتا چل گیا تھا کہ رضیہ اور ماں جی کہاں ہیں۔ اس کے غنڈے وہاں بھی انہیں پریشان کرتے رہے۔ میں نے انہیں وہاں سے بھی ہٹا دیا۔"

"اب وہ کہاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔ سہیل کی باتیں سن کر اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ابھی اٹھ کر جائے اور حاجی کا جسم چھلنی کر دے۔

"میں نے اپنے ایک دوست کے توسط سے چاہ میراں میں ایک مکان کرائے پر حاصل کر لیا تھا اور انہیں چوری چھپے وہاں منتقل کر دیا تھا۔ میں نے رضیہ کو بھی سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ کچھ عرصہ تک یونیورسٹی نہ جائے۔ گھر سے باہر نکلنے کے لئے بھی وہ برقعہ استعمال کرے۔ حاجی کے گرگے ان دونوں کو تلاش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ میں بھی ان لوگوں سے نہیں ملتا۔ کیونکہ حاجی کے بندے میری بھی نگرانی کر رہے ہیں۔ ٹیلی فون پر دن میں ایک دو مرتبہ ان سے بات کر لیتا ہوں۔ ماں جی کو اس بات کا بہت صدمہ پہنچا ہے۔ وہ مسلسل بیمار رہنے لگی ہیں۔

"تو کیا اب بھی تمہاری نگرانی کی جا رہی ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں۔" سہیل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تمہارا یہ بندہ جب میرے ہوٹل پہنچا تھا تو میں اس وقت موجود نہیں تھا۔ میں تقریباً" ایک گھنٹے بعد آیا تھا اور اب سے تقریباً" ایک گھنٹہ پہلے اس کے ساتھ وہاں سے نکلتے وقت میں نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ کسی کی نظروں میں نہ آنے پاؤں۔ ویسے مجھے امید ہے کہ یہاں تک میرے پیچھے کوئی نہیں آیا۔"

"تم حاجی کو نہیں جانتے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے کہ یہاں تک تمہارا تعاقب کیا گیا ہو اور تمہیں پتا نہ چلا ہو۔ لیکن بہرحال میں ابھی اور اسی وقت ماں جی اور رضیہ سے ملنا چاہتا ہوں۔ تمہیں ساتھ جانے کی ضرورت نہیں۔ مجھے پتا سمجھا دو' میں پہنچ

جاؤں گا' وہ سارا علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔"

"میراں صاحب کے دربار کے پچھلی طرف دوسری گلی میں ہے وہ مکان۔" سہیل نے کہا اور مکان نمبر بھی بتا دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں پہنچ جاؤں گا۔" شارق نے کہا۔ "اور مزنگ کی طرف سے کوئی خبر ہے؟"

"زیادہ نہیں لیکن سنا ہے کہ حاجی نے تمہارے مزنگ اڈے والے ایک آدمی کو اٹھوا کر اپنے گرگوں سے اس کی پٹائی کرا دی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگوں اور دونوں بازوؤں کی ہڈیاں توڑ دی گئی ہیں اور وہ میو ہسپتال میں مفلوج پڑا ہے۔" سہیل نے کہا۔

"راجہ کی بات تو نہیں کر رہے؟" شارق نے پوچھا۔

"ہاں--- شاید یہی نام ہے اس کا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"اور رضیہ کی گاڑی کا کیا ہوا؟" یہ بات سہیل سے ثمینہ نے پوچھی تھی۔

"وہ گاڑی بھی حاجی نے چھین لی تھی۔" سہیل نے کہا۔ "اخراجات کے لئے اگرچہ رضیہ کے اکاؤنٹ میں خاصی رقم موجود ہے لیکن وہ حاجی کے ڈر سے بینک کا رخ بھی نہیں کرتی۔ اخراجات کے لئے میں انہیں رقم بھجوا دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "اب تم جاؤ۔ تمہارے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں یہاں سے نکلوں گا اور تم دوبارہ یہاں مت آنا۔ ضرورت پڑی تو میں خود ہی تم سے رابطہ کر لوں گا۔"

"ٹھیک ہے میں انتظار کروں گا۔" سہیل کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

سہیل کے جانے کے بعد شارق جیجا شلی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تم نے ٹرین کا معلوم کیا؟"

"ہاں جی۔" جیجا شلی نے سر ہلا دیا اور ٹرین کے بارے میں بتانے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق نے تکیئے کے نیچے سے نوٹوں کے تین بنڈل نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ "یہ تین لاکھ روپے ہیں۔ تم کل ہی کوئٹہ روانہ ہو جاؤ اور اپنے بیٹے کے لئے کسی اچھے وکیل کا بندوست کرو۔ کل جانے سے پہلے سہیل سے مل کر جانا۔ کوئی بات ہوئی تو وہ تمہیں بتا دے گا۔ اگر مزید پیسوں کی ضرورت ہوئی تو سہیل کو فون کر دینا۔ پیسے تمہیں پہنچ جائیں گے اور ہاں۔ ہم بھی ابھی جا رہے ہیں۔ رات کو ہماری واپسی نہیں ہو گی۔ تم صبح جب یہاں سے نکلو تو چابی دروازے کی چوکھٹ کے اوپر رکھ دینا۔" شارق اسے چابی کی جگہ کے بارے میں بتانے لگا۔

"میں نے اپنا ارادہ بدل لیا ہے شارق جاؤ۔" جیجا شلی نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق نے اسے گھورا۔

"میں تمہیں ان حالات میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔" جیجا نے جواب دیا۔

"دیکھو میرے بھائی۔" شارق نے اسے سمجھانے والے لہجے میں کہا۔ "یہاں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ میرا دردِ سر ہے۔ میں اس سے نمٹ لوں گا۔ لیکن اگر تمہارے بیٹے کے لئے کسی اچھے وکیل کا بندوبست نہ ہو سکا تو اسے پھانسی ہو جائے گی۔ تم ہماری فکر مت کرو اور کل کوئٹہ کے لئے روانہ ہو جاؤ۔"

شارق بہت دیر تک اسے سمجھاتا رہا اور بالآخر رات گیارہ بجے کے قریب وہ ثمینہ کے ساتھ گھر سے نکل آیا۔ اس نے نوٹوں کی دو گڈیاں جیبوں میں ٹھونس لی تھیں اور پستول قمیض کے نیچے پینٹ میں اڑس لیا تھا۔ قمیض اس نے باہر نکال لی تھی۔ اس طرح پستول چھپ گیا تھا۔ ثمینہ نے بھی چادر اوڑھ رکھی تھی۔

سڑک پر آتے ہی انہیں ایک رکشہ مل گیا۔ شارق نے ڈرائیور کو ریلوے سٹیشن چلنے کو کہا اور رکشہ حرکت میں آ گیا۔

ریلوے سٹیشن پر انہوں نے رکشہ چھوڑ دیا اور سیڑھیاں چڑھ کر پل عبور کر کے سٹیشن کے دوسری طرف جی ٹی روڈ پر آ گئے۔ یہاں کئی تانگے کھڑے تھے۔ زیادہ تر تانگے باغبانپورہ جانے کے لئے تھے۔ شارق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سڑک پار کر کے دوسری طرف ایک تنگ سی سڑک کے موڑ پر آ گیا۔ چادر میں لپٹی ہوئی ثمینہ بھی اس کے ساتھ تھی۔

سلطان پورہ اور تیزاب احاطے کے موڑ اور گھوڑے شاہ سے ہوتی ہوئی یہ سڑک بھی باغبانپورہ کی طرف چلی گئی تھی۔ شارق ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا ایک تانگے میں بیٹھ گیا۔ تانگے والا گھوڑے شاہ کی آواز لگا رہا تھا۔ شارق نے اسے اشارہ کیا۔ تو کوچوان اپنی سیٹ پر آ گیا اور گھوڑے کو ہانک دیا۔

تیزاب احاطے کے موڑ پر شارق نے تانگہ رکوا لیا۔ یہیں سے ایک راستہ چاہ میراں کی طرف جاتا تھا۔ تانگے والے کو پیسے دینے کے بعد وہ دونوں اس راستے پر چل پڑے۔ اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے اور اس راستے پر زیادہ آمد و رفت نہیں تھی۔ اس کے باوجود شارق محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ گھر سے نکلنے کے بعد سے اب تک اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ ان کی نگرانی تو نہیں ہو رہی۔ لیکن اب تک کوئی ایسا شخص نظروں میں نہیں آیا تھا جس پر کسی قسم کا شبہ کیا جا سکتا ہو۔

اسی راستے پر کچھ آگے جا کر میراں صاحب کا دربار تھا۔ شارق سیدھا جانے کے بجائے بائیں

طرف ایک گلی میں مڑ گیا۔ اس طرح وہ دربار کے پچھلی طرف نکل آئے۔ سہیل کا بتایا ہوا نمبر شارق کو یاد تھا۔ ہر گلی کے کونے والے مکان پر گلی کا نام اور نمبر لکھا تھا۔

گلیوں میں کہیں کہیں بجلی کے کھمبے تو تھے لیکن بلب کسی کسی کھمبے پر ہی تھا۔ گلیاں نیم تاریک اور سنسان پڑی تھیں۔ ان گلیوں میں انہیں ابھی تک کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ البتہ ایک دو آوارہ کتوں نے بھونک کر ان کا استقبال کیا تھا۔

شارق ایک گلی میں داخل ہو کر ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ اس مکان کے دروازے کے اوپر زیرو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ اس کی روشنی بہرحال اتنی تھی کہ دروازے پر لگی ہوئی نمبر پلیٹ دیکھی جا سکتی تھی۔ صاحب خانہ کے نام کے نیچے گلی کا نام اور مکان نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ شارق آگے بڑھ گیا اور تیسرے مکان کے سامنے رک گیا اور ادھر ادھر دیکھنے کے بعد دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ شارق کے حساب سے یہی مکان ہونا چاہئے تھا۔

تیسری مرتبہ دستک کے جواب میں اندر کوئی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی اور اس کے فوراً ہی بعد ایک کمزور سی نسوانی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی۔ شارق اور ثمینہ نے مریم کی آواز پہچان لی۔

"دروازہ کھولئے ماں جی۔ میں ہوں ثمینہ۔" ثمینہ نے کواڑ کی جھری سے منہ لگا کر کہا۔ اس کی آواز زیادہ اونچی نہیں تھی۔

"کون ثمینہ؟ یہاں کوئی ثمینہ نہیں رہتی۔" اندر سے جواب ملا۔ اس مرتبہ آواز قریب سے آئی تھی۔

"میں ثمینہ ہوں ماں جی۔ شارق بھی میرے ساتھ ہے۔ دروازہ کھولئے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

اس مرتبہ دروازہ کھلنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی شارق اور ثمینہ اندر داخل ہو گئے۔ ثمینہ نے فوراً ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔

چھوٹا سا آنگن تھا۔ ایک طرف سو واٹ کا بلب جل رہا تھا۔ مریم کچھ دیر تک باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتی رہی پھر شارق سے لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے تھے۔ اس دوران رضیہ بھی کمرے سے نکل آئی۔ وہ دوڑ کر ثمینہ سے لپٹ گئی۔

یہ لوگ کچھ دیر تک صحن ہی میں کھڑے رہے اور پھر کمرے میں آ گئے۔ مکان زیادہ بڑا نہیں تھا۔ صرف دو کمرے تھے۔ صحن میں ایک طرف کچن تھا اور دوسری طرف دروازے کے قریب باتھ روم۔ جس کمرے میں وہ لوگ آئے تھے اس میں دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ایک

چارپائی کے نیچے دو اٹیچی کیس رکھے ہوئے تھے۔ دوسرے کمرے میں دری بچھی ہوئی تھی۔ پانچ چھ کرسیاں اور سینٹر ٹیبل رکھی ہوئی تھی۔

وہ چارپائیوں پر ہی بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد رضیہ چائے بنا کر لے آئی اور مریم رو رو کر حاجی کے ظلم کی داستان سناتی رہی۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا تھا مریم کو اس کا بہت صدمہ پہنچا تھا اور اس صدمے سے وہ بیمار ہو گئی تھی۔

"حاجی نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے" وہ رو رو کر بتا رہی تھی۔ "اس نے نہ صرف ہمیں مکان سے نکال دیا' بلکہ ہمیں مار دینے کی بھی دھمکیاں دیتا رہا ہے۔ اگر سہیل نہ ہوتا' تو نجانے ہمارا کیا ہوتا۔ یہاں ہم چوروں کی طرح چھپے بیٹھے زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔"

"اب میں آ گیا ہوں ماں جی۔" شارق نے کہا۔ "اگر حاجی کو آپ کے قدموں پر ڈھیر نہ کیا تو میرا نام بھی شارق نہیں۔"

"نہیں بیٹا۔" مریم بولی۔ "حاجی نے مجھے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے۔ خدا کے لئے چھوڑ دو یہ سب کچھ اور ہمیں لے کر کسی ایسی جگہ چلے چلو' جہاں حاجی جیسے شخص کا سایہ بھی نہ پہنچ سکے۔ تم نے ہمیں جو پیسے دیئے تھے وہ جوں کے توں بینک میں موجود ہیں۔ ہم کسی دوسرے شہر میں جا کر رہیں گے۔ تم ان پیسوں سے کوئی کام شروع کر لینا۔ مکان گاڑی ہمیں کچھ نہیں چاہئے۔"

"ماں جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "دنیا میں کوئی بھی جگہ حاجی جیسے لوگوں سے محفوظ نہیں ہے۔ ہم جہاں بھی جائیں گے حاجی جیسے لوگ ہمیں زندہ نہیں رہنے دیں گے اور آپ یہ بات اچھی طرح جانتی ہیں کہ جیل سے نکلنے کے بعد میں نے شریفانہ زندگی گزارنے کی کوشش کی تھی' لیکن مجھے ایک دن بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا گیا۔ میں نے زندہ رہنے کے لئے وہی راستہ اختیار کر لیا جو یہ لوگ چاہتے تھے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ حاجی نے آپ کو میرے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اب مجھے صورتحال کا مقابلہ کرنے میں آسانی رہے گی' آپ پریشان نہ ہوں' صرف چند روز کی بات ہے' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"میری بات مان لو بیٹا۔ چھوڑ دو یہ سب کچھ۔" مریم بولی۔ "حاجی نے کہا تھا کہ اب میں تمہاری شکل نہیں دیکھ سکوں گی۔ تم جہاں گئے ہو' وہاں سے زندہ واپس نہیں آ سکو گے۔"

"اس نے ٹھیک کہا تھا۔" شارق نے کہا۔ "حاجی نے تو ہمیں موت کے سفر پر ہی بھیجا تھا۔ لیکن میں اس کی موت بن کر واپس آیا ہوں۔ اب وہ زیادہ عرصہ اس دنیا میں نہیں رہ سکے گا۔ پھر وہ رضیہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"مجھے افسوس ہے رضیہ۔ میری وجہ سے تم لوگوں کو پریشانی اٹھانا پڑی۔ تمہاری تعلیم کا سلسلہ بھی منقطع ہو گیا۔ لیکن چند روز کی بات ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ماں جی کا علاج کس سے کروا رہی ہو؟"

"محلے میں ایک ڈاکٹر ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "سہیل تو انہیں ڈاکٹر مشتاق کے پاس لے جانا چاہتا تھا' لیکن حاجی کے خوف سے میں انہیں کہیں اور نہیں لے جا رہی۔ ویسے ایک بات بتاؤ۔۔۔۔۔ آپ آ گئے ہیں۔ ماں جی کی ساری بیماریاں بھی ختم ہو جائیں گی۔ دیکھ لینا چند روز بعد یہ ہٹی کٹی ہو جائیں گی۔" وہ بات کرتے ہوئے مسکرا دی تھی۔

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "میں کل مکان کا بندوبست کرتا ہوں دو تین دن بعد ہم وہاں منتقل ہو جائیں گے۔"

"اب ہمیں چھوڑ کے مت جانا بیٹا۔" مریم نے کہا۔

"نہیں ماں جی۔ ہم بھی آپ کے ساتھ رہیں گے۔" شارق بولا۔

"وہ باتیں کرتے رہے۔ صبح کے چار بج گئے تھے۔ مریم اونگھنے لگی تھی۔

"اچھا بھئی۔ اب باقی باتیں صبح ہوں گی۔ مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔" شارق کہتے ہوئے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گیا۔ "میں یہاں دری پر ہی سو جاتا ہوں اور ثمینہ تم رضیہ کے ساتھ لیٹ جاؤ۔"

"رضیہ اور ثمینہ دوبارہ اسی کمرے میں آ گئیں۔ مریم سو چکی تھی۔ وہ دونوں چارپائی پر لیٹ کر کھسر پھسر کرنے لگیں۔ رضیہ نے ثمینہ کے ساتھ لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

شارق دوسرے کمرے میں دری پر لیٹا صورتحال پر غور کر رہا تھا۔ حاجی نے واقعی بہت کمینگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت شارق اور ثمینہ کو افغانستان بھیجا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شارق کو افغانستان میں ختم کر دیا جائے گا اور اس طرح سب سے بڑا کانٹا اس کے راستے سے نکل جائے گا۔ لیکن اس کی یہ سازش ناکام ہو گئی تھی اور شاید حاجی کو بھی پتا چل گیا ہو گا کہ شارق زندہ بچ گیا ہے۔ لیکن اسے ابھی تک یہ پتا نہیں چلا تھا کہ وہ واپس آ گیا ہے۔ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ ایک دو روز میں اسے پتا چل ہی جائے گا۔ شارق نے یہ طے کر لیا تھا کہ حاجی کی طرف سے وار کرنے کا انتظار کرنے کے بجائے وہ خود پہل کرے گا اور اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گا لیکن حاجی کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے وہ رضیہ اور مریم کا بندوبست کرنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں بیچاری اس چھوٹے سے مکان میں

کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی تھیں اور شارق نے طے کیا تھا کہ اس مرتبہ انہیں علیحدہ رکھنے کے بجائے خود بھی ان کے ساتھ ہی رہے گا اور چھپنے کے بجائے کھل کر اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرے گا۔

شارق اگرچہ صبح پانچ بجے کے لگ بھگ سویا تھا لیکن نو بجے اس کی آنکھ کھل گئی۔ ثمینہ وغیرہ جاگ چکی تھیں۔ شارق دری پر لیٹا اینٹھ رہا تھا کہ رضیہ چائے کا کپ لے کر اندر آ گئی۔

"یہ آپ کی بیڈ ٹی۔" رضیہ چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے بولی۔ "جلدی سے حلق سے انڈ ہلے اور تیار ہو جایئے ناشتے کے لئے۔۔۔۔ آپ کے انتظار میں امی نے بھی ابھی تک ناشتا نہیں کیا ہے۔"

"اوہ۔" شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور کپ اٹھا کر چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ "پڑوسیوں کو اپنے بارے میں تم لوگوں نے کیا بتایا ہے۔"

"ہمارا زیادہ لوگوں کے ہاں آنا جانا نہیں ہے۔ ایک دو پڑوسنیں کبھی آ جاتی ہیں۔ امی نے انہیں بتایا تھا کہ ان کا بیٹا اور بہو یعنی آپ اور ثمینہ کراچی میں رہتے ہیں اور کبھی کبھی آتے ہیں۔"

"بیٹا اور بہو۔۔۔۔" شارق بڑبڑایا۔

"امی ٹھیک ہی تو کہتی ہیں اور اس میں کچھ غلط۔۔۔۔" ثمینہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر رضیہ خاموش ہو گئی اور بات بدلتے ہوئے بولی۔ "اب آپ جلدی سے اٹھ جائیں۔ مجھے اور ثمینہ کو بھی بھوک لگ رہی ہے۔"

"بس تم ناشتا تیار کرو۔ میں اٹھ گیا۔" شارق نے کہتے ہوئے کپ میں بچی ہوئی چائے حلق میں انڈیلی اور اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد وہ سب دری پر بیٹھے ناشتا کر رہے تھے۔ ناشتے کے بعد مریم تو اپنے کمرے میں چلی گئی اور ثمینہ برتن اٹھانے لگی۔ رضیہ کرسیوں کے کشن درست کرنے لگی۔ اس نے جیسے ہی ایک کشن اٹھایا کرسی پر پڑا ہوا پستول دیکھ کر اچھل پڑی۔

"یہ۔۔۔۔ یہ کیا ہے؟" اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"اسے پستول کہتے ہیں۔" شارق مسکراتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہارے مطلب کی چیز نہیں ہے۔ اسے یہیں رہنے دو۔"

رضیہ نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کشن پستول کے اوپر پھینک دیا اور دوسرے کام کرنے لگی۔ اس نے پستول کے بارے میں مزید کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

دس بجے کے قریب شارق گھر سے نکلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ مریم والے کمرے میں رکھے ہوئے فون کی گھنٹی بجی۔ رضیہ اس وقت کمرے میں تھی۔ اس نے باہر آ کر بتایا کہ سہیل کا فون ہے اور وہ اس سے بات کرنا چاہتا ہے۔ شارق کو یاد آ گیا کہ کل سہیل نے بتایا کہ اس گھر میں ٹیلی فون بھی موجود ہے اور وہ دن میں ایک دو بار فون پر رضیہ اور مریم سے بات کر لیا کرتا ہے۔ شارق مریم والے کمرے میں آ گیا۔

"ہیلو سہیل۔" شارق ریسیور اٹھاتے ہوئے بولا۔ "خیریت؟"

"ہاں۔ خیریت ہی ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔ "تھوڑی دیر بعد پہلے جیجا شکی آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ تم رات کو ماں جی کے ہاں چلے جاؤ گے۔"

"ہاں۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ صبح جاتے ہوئے گھر کی چابی چوکھٹ پر رکھ جائے۔ وہ آج کوئٹہ جا رہا ہے۔" شارق بولا۔

"میں نے یہی بتانے کے لئے فون کیا تھا کہ اس نے اپنا پروگرام بدل دیا ہے' وہ کوئٹہ نہیں جا رہا ہے۔" سہیل نے کہا۔

"کیا مطلب؟" شارق بولا۔

"وہ تم سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔ "تم نے اسے کچھ رقم دی تھی کہ کوئٹہ جا کر اپنے بیٹے کی ضمانت کا بندوبست کرے اور اس کے لئے کسی اچھے وکیل کا بندوبست کرے۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ وہ تمہیں ان حالات میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ وہ تمہارے پاس رہنا چاہتا ہے۔"

"بیوقوف ہے وہ۔" شارق بولا۔ "اگر وہ تمہارے پاس موجود ہے تو میری بات کراؤ اس سے۔"

"وہ گھر چلا گیا ہے اور جو رقم تم نے اسے دی تھی وہ مجھے دے گیا ہے۔" سہیل بولا۔

"ٹھیک ہے۔ رقم تم اپنے پاس رکھو۔ میں شام کو اس سے ملوں گا۔ وہ بیوقوف آدمی ہے۔ اس کے بیٹے کی زندگی داؤ پر لگی ہوئی ہے اور وہ میری محبت میں۔۔۔۔۔"

"وہ بہت معصوم آدمی ہے۔" سہیل نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اگر وہ اس دوران میرے پاس آیا تو میں بھی اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ بہرحال تمہارا کیا پروگرام ہے؟"

"میں ابھی گھر سے نکل رہا ہوں۔ سب سے پہلے مجھے مکان کا بندوبست کرنا ہے۔ اگر آج ہی مکان کا بندوبست ہو گیا تو ماں جی کو لے کر وہاں منتقل ہو جاؤں گا۔ اس کے بعد ہی کوئی پروگرام بناؤں گا۔

"ٹھیک ہے۔ اس دوران موقع ملے تو مجھ سے رابطہ کر لینا۔" سہیل نے کہا۔

شارق نے خدا حافظ کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ وہ کچھ دیر ماں جی سے باتیں کرتا رہا پھر ثمینہ کو کچھ ہدایات دیتا ہوا گھر سے رخصت ہو گیا۔

سڑک پر آتے ہی اسے رکشہ مل گیا۔ شارق کا خیال تھا کہ وہ گلبرگ میں کوئی مکان تلاش کرے گا۔ گلبرگ تک جانے کے لئے اس نے تین رکشے بدلے تھے۔

گلبرگ لبرٹی چوک کے قریب اس نے رکشہ چھوڑ دیا۔ کچھ دیر ادھر ادھر ٹہلتا رہا وہ یہ اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ کسی کی نظروں میں تو نہیں آیا۔ پھر مطمئن ہو کر ایک پراپرٹی ڈیلر کے دفتر میں داخل ہو گیا۔ اس کا استقبال ایک ادھیڑ عمر عورت نے کیا تھا۔ وہ مینیجر کی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ دو میزیں اور بھی تھیں جن پر دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق اس عورت کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گیا اور فوراً ہی اپنی آمد کا مقصد بیان کر دیا۔

"آپ نے جس قسم کے بنگلے کی ڈیمانڈ کی ہے' میرے پاس دو بنگلے ہیں۔" وہ عورت ایک رجسٹر کھول کر دیکھتے ہوئے بولی۔ وہ چند لمحے رجسٹر کو دیکھتی رہی پھر ان بنگلوں کی مکانیت اور دیگر دستیاب سہولتوں کے بارے میں بتانے لگی۔

"میں یہ دونوں بنگلے دیکھنا چاہوں گا۔" شارق بولا۔

"چلئے۔ میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔" وہ عورت رجسٹر بند کر کے کرسی سے اٹھ گئی۔ اس نے دوسری میز پر بیٹھے ہوئے ایک نوجوان کو اشارہ کیا۔ اس نے میز کی دراز سے دو الگ الگ چابیاں نکالیں۔ اور ان کے ساتھ باہر آ گیا۔

دفتر کے سامنے سرخ رنگ کی سوزوکی مرگلہ سیڈرن کھڑی تھی۔ اس عورت نے ہینڈ بیگ میں سے کی رنگ نکال کر کار کا دروازہ کھولا اور اسٹیرنگ کے سامنے بیٹھتے ہوئے دوسرے دروازے بھی کھول دیئے وہ نوجوان آگے بیٹھ گیا اور شارق پچھلی سیٹ پر۔

وہ دونوں بنگلے زیادہ دور نہیں تھے۔ شارق کو دوسرا بنگلہ پسند آیا تھا۔ اس میں تین بیڈ روم تھے۔ ٹی وی لاؤنج کشادہ ڈرائنگ روم' برآمدے کے سامنے وسیع و عریض لان تھا۔ لان کی حالت بتا رہی تھی کہ بنگلہ خالی ہونے کے باوجود اس کی دیکھ بھال کی جاتی رہی تھی۔ اس بنگلے میں سب سے اچھی بات یہ تھی کہ اوپر بھی سامنے کے رخ پر ایک کمرہ تھا۔ جو اس عورت کے کہنے کے مطابق اسٹڈی روم بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن شارق نے اس کمرے کے بارے میں کچھ اور ہی سوچ لیا تھا اور اسی لئے اسے یہ بنگلہ پسند بھی آ گیا تھا۔

وہ دفتر واپس آ گئے۔ شارق نے اسی وقت معاملہ طے کر لیا اور بنگلے کے مالک کو بلوا کر

ایگریمنٹ بھی کر لیا اور رقم کی ادائیگی کر کے بنگلے کی چابی لے لی۔

شام سے پہلے پہلے شارق نے بنگلے میں فرنیچر اور دیگر ضروری اشیاء بھی لا کر ڈال دیں۔ رات دس بجے کے قریب وہ اس کام سے فارغ ہوا۔ اب اس بنگلے میں رہائش اختیار کی جا سکتی تھی۔ دوسرا سامان بعد میں بھی آ سکتا تھا۔

گلبرگ سے شارق سیدھا چوبرجی پہنچا۔ اپنے مکان والی گلی میں مڑتے ہوئے اسے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا جیسے دو آنکھیں اس کی نگرانی کر رہی ہوں۔ اس نے کئی مرتبہ مڑ کر دیکھا تھا۔ لیکن آس پاس کوئی بھی نظر نہیں آیا تھا۔

اپنے مکان کے بیرونی گیٹ میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر چوکھٹ کے اوپر والے حصے سے چابی اٹھائی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ مکان کے اندر رقم رکھتے ہوئے بھی اسے کچھ عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ وہ دروازہ بند کر کے چند لمحے تاریکی میں کھڑا رہا۔ پھر دیوار ٹٹول کر بلب جلا دیا۔ روشنی ہونے کے بعد بھی وہ کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔

سہیل نے صبح فون پر بتایا تھا کہ جیجا شلی نے کوئٹہ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ایسی صورت میں اسے گھر پر ہی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن وہ موجود نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے وہ کھانا کھانے یا چائے وغیرہ پینے کے لئے کہیں گیا ہو۔

شارق اپنے کمرے کے دروازے کے سامنے رک گیا۔ دروازہ بھڑا ہوا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اور جیسے ہی اس نے بتی جلائی اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس کی آنکھیں وحشت سے پلٹتی چلی گئیں۔

پلنگ پر جیجا شلی کی لاش پڑی تھی۔

اس کی پیشانی میں سوراخ تھا جس سے بہنے والے خون نے اس کے چہرے، گردن اور بستر کی چادر کے کچھ حصے کو داغدار کر دیا تھا۔ اس کی کھلی ہوئی آنکھوں میں بے پناہ خوف جیسے منجمد ہو کر رہ گیا تھا۔

شارق چند لمحے بے حس و حرکت اپنی جگہ پر کھڑا رہا پھر آگے بڑھ کر پلنگ کے قریب پہنچ گیا۔ تکئے کے قریب ایک کاغذ پڑا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کاغذ اٹھا لیا۔ آڑھی ترچھی ہینڈ رائٹنگ میں مختصر تحریر تھی۔

"شارق! مجھے تمہاری واپسی کا اسی روز پتا چل گیا تھا جب تم جھنگ پہنچے تھے اور جب تم نے لاہور میں قدم رکھا تھا مجھے اس وقت بھی اطلاع مل گئی تھی۔ تمہارا یہ خفیہ ٹھکانا اسی رات میری

نظروں میں آ گیا تھا۔

جیجا شلی سے اگرچہ میری کوئی دشمنی نہیں ہے، لیکن بعض اوقات گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے۔ اس کی لاش کو میری طرف سے تحفہ سمجھو یا وارننگ۔ میں تمہیں تین دن کا وقت دے رہا ہوں۔ اس شہر سے نکل جاؤ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ افغانستان سے تو بچ کر آ گئے ہو لیکن اگر تین دن بعد اس شہر میں نظر آئے تو تم زندہ نہیں رہو گے۔"

بقیہ واقعات جاننے کے لئے "دولت کے پجاری" کے چھٹے حصے کا مطالعہ کریں۔